طلبۂ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کی انجمن "الفلاح"

کے ماہانہ جرائد (معمار، صبح نو اور رضوان) کا مشترکہ سالنامہ:

گلہائے رنگ رنگ

رجب ۱۴۲۲ھ — اکتوبر ۲۰۰۱ء

زیر سرپرستی: حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب (ناظم جامعہ)

زیر نگرانی: حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی

مدیر: محمد عمران (متعلم دورۂ حدیث شریف)

شائع کردہ: انجمن الفلاح دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم، حیدرآباد (الہند)

رجب ۱۴۲۲ھ　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　اکتوبر ۲۰۰۱ء

طلبۂ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کی انجمن "الفلاح"

کے ماہانہ جرائد (معمار، صبح نو اور رضوان) کا مشترکہ سالنامہ:

گلہائے رنگ رنگ

زیر سرپرستی : حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم

زیر نگرانی: حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی مدظلہ

مدیر: محمد عمران (معلم دورۂ حدیث شریف)

مجلس ادارت: ۱۔ محبّ اللہ (کلیۃ الشریعہ سال دوم)

۲۔ نظام الدین (کلیۃ الشریعہ سال دوم)

۳۔ یونس انصاری (دورۂ حدیث شریف)

۴۔ مرشد عالم (دورۂ حدیث شریف)

شائع کردہ: انجمن الفلاح دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم، حیدرآباد (الہند)

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	پیام	حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب مدظلہم جامعہ	۴
۲	کلمات بابرکت	حضرت مولانا محمد برکت اللہ صاحب قاسمی	۶
۳	احساس مسرت	حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی	۷
۴	اداریہ	محمد عمران دورۂ حدیث	۸
	قرآنیات		
۵	تدوین قرآن کی مختصر تاریخ	محمد عادل چہارم عربی	۱۱
۶	قرآن کے اعجازی عناصر	محمد عمران دورۂ حدیث	۱۶
۷	قرآنی مثالوں کی معنویت	محمود الحسن کلیۃ القرآن	۲۲
۸	قرآن اور سائنس کا رشتہ	محمد عطاء اللہ چہارم عربی	۲۷
۹	قرآنی جغرافیہ پر ایک نظر	محمد تنویر ششم عربی	۳۰
۱۰	قرآنی نباتات پر ایک نظر	محمد ریاض ششم عربی	۳۷
۱۱	تفاسیر قرآنی میں اسرائیلی روایات	محمد حمید اللہ ششم عربی	۴۰
۱۲	قرآن اور انسانی مسائل کا حل	محمد شرف الدین کلیۃ اللغہ (اول)	۴۸
۱۳	قرآن کا پیغام انسانیت کے نام	مصطفیٰ حسین خان سوم عربی	۵۱
	حدیث		
۱۴	حدیث کے موضوع پر عہد صحابہ کے نوشتے	محمد حسن کلیۃ الدعوۃ (دوم)	۵۷
۱۵	علماء دیوبند اور خدمت حدیث	محمد بلال اختر کلیۃ اللغہ (اول)	۶۳
	سیرت		
۱۶	عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کی معنویت	سید توفیق عبید شمس ششم عربی	۷۴
۱۷	حضور اکرم بائبل کی روشنی میں	حافظ محمد امتیاز عالم سوم عربی	۸۰

۱۸	نبی اکرم کا فلسفہ اخلاق	محمد انیس	کلیۃ اللغہ (اول)	۸۵
۱۹	اسلامی نظام حکومت کے بنیادی تصورات	محمد عبداللہ	چہارم عربی	۸۹
۲۰	معجزات نبوی اور عقلیت جدیدہ ایک تجزیہ	محمد ایوب صدیقی	کلیۃ الدعوہ (دوم)	۹۴
۲۱	سیرت طیبہ کے سیاسی عناصر	طفیل احمد	چہارم عربی	۱۰۲
	تاریخ			
۲۲	پہلی صدی کے اصلاحی کوششیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز	محمد حارث	ششم عربی	۱۰۶
۲۳	عہد آصفیہ کی علمی خدمات	عبدالجبار غازی	کلیۃ اللغہ (اول)	۱۱۱
۲۴	تحریک مدارس اور ہندوستان	محمد عاشق الٰہی	ششم عربی	۱۱۷
۲۵	جنگ آزادی میں مسلمانوں کا قائدانہ کردار	حافظ محمد لقمان	اول عربی	۱۲۰
۲۶	واقعہ اصحاب کہف قرآن کے آئینے میں	اشفاق عالم	پنجم عربی	۱۲۶
	دعوت وفکر			
۲۷	ملت اسلامیہ کے زوال سے تاریخ انسانی کو کیا نقصان پہنچا	محمد سابق	کلیۃ اللغہ (دوم)	۱۳۲
۲۸	ہندوستان پر دینی مدارس کے احسانات	محمد آفتاب عالم	ششم عربی	۱۳۷
۲۹	حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کی دعوتی تحریک	محمد دلشاد عالم	پنجم عربی	۱۴۱
	فقہیات			
۳۰	آثار صحابہ کی تشریعی حیثیت	سجاد انور قاسمی	کلیۃ الشریعہ (اول)	۱۲۶
۳۱	امام ابوحنیفہؒ اور فقہ اسلامی	محمد یونس انصاری	دورۂ حدیث	۱۵۴
	شخصیات			
۳۲	حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ایک عظیم مجدد	ابوالمکارم	کلیۃ اللغہ دوم	۱۵۸
۳۳	مولانا مناظر احسن گیلانی ایک نابغہ روزگار شخصیت	عبدالوحید	کلیۃ الدعوہ دوم	۱۶۳
۳۴	نظام ہفتم میر عثمان علی خاں شخصیت اور کارنامے	عبدالوہاب	ہفتم عربی	۱۷۱

	اصلاح وتصوف			
۳۵	اشاعت اسلام میں صوفیوں کا حصہ	محمد شمشاد قمر بن قاسم	چہارم عربی	۱۷۸
۳۶	مسلمانوں کی پستی کا علاج	محمد فیض اللہ	کلیۃ اللغۃ اول	۱۸۱
۳۷	اللہ والوں کی صحبت کا اثر	محمد مقیم الدین	دورۂ حدیث	۱۸۹
	ادبیات			
۳۸	اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ	محمد ارشاد اللہ	چہارم عربی	۱۹۶
۳۹	اقبال کی شخصیت کے تعمیری عناصر	محمد صابر	ششم عربی	۲۰۲
۴۰	حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے مکاتیب پر ایک نظر	ظہیر صادق	ششم عربی	۲۰۷
	مذاہب			
۴۱	شیعیت ایک تعارف	محمد حبیب الرحمٰن صادق	پنجم عربی	۲۱۳
۴۲	قادیانیت ایک تعارف	محمد محی الدین	کلیۃ اللغہ (اول)	۲۱۸
	عقلیات			
۴۳	عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم وتربیت	محمد انصار اللہ	ہفتم عربی	۲۲۲
۴۴	اسلام کے بعض اقتصادی نظریات	محمد انوار الٰہی	دورۂ حدیث	۲۲۷
۴۵	اسلام کا فلسفہ جنگ	رحمت حسین قاسمی	کلیۃ اللغہ دوم	۲۳۳
	حال گلستاں			
۴۶	(سالانہ رپورٹ انجمن)	محمد عمران	دورۂ حدیث	۲۴۱

حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم
ناظم وبانی "دارالعلوم سبیل السلام"

پیام

آپ اپنا علمی سفر طے کر رہے ہیں، اور اپنی درسی مصروفیات کے ساتھ تقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور تحریری صلاحیتوں کو بنانے اور سنوارنے میں دار العلوم سبیل السلام کے اساتذہ کی تربیت اور یہاں کے ضابطے اور نظام کے تحت سرگرم ہیں، بلاشبہہ یہ خوشی اور مسرت کی بات ہے۔ "آج" آپ اپنے آپ کو جس قدر استعمال کریں گے، جتنی محنت اور دلچسپی سے کام لیں گے، "کل" اسی کے بقدر آپ کے سامنے ثمرہ آئے گا، یعنی دستورِ الٰہی کے مطابق جن لوگوں کی تقدیر میں "امر روز" ہے، وہی لوگ "لائقِ ہنگامۂ فردا" ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ اپنی اس زندگی میں قول، عمل، قدم اور قلم سب میں امتیازی حیثیت حاصل کیجئے۔ آپ جہاں اور جس جگہ ہوں گے، عزت، وجاہت، کامیابی، آپ کے ساتھ ساتھ ہوگی۔

آج کے دور میں فکر و نظر کے انتشار اور قول و عمل کے تضاد اور نفاق نے بہت سارے مسائل اور فتنے پیدا کر دیئے ہیں، آپ ان سے بچئے، اپنی زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا کیجئے۔ عبادتی ذوق و شوق کو پروان چڑھایئے، داعیانہ کردار کو فراموش نہ ہونے دیجئے، اساتذہ سے تعلق رکھئے۔ ان کے ادب و احترام میں کوئی کمی اور کسر نہ آنے دیجئے۔ اپنی مادر علمی سے وہی مخلصانہ تعلق اور جذباتی وابستگی رکھئے جو ایک لائق بیٹا اپنی "مادر مہربان" سے رکھتا ہے۔ علم و عمل کی راہ میں اپنے عزم و حوصلہ کو جوان رکھئے، جس سے ضمیر مطمئن ہو اور قوم و ملت کا جس میں فائدہ ہو وہی کام کیجئے، احساس کمتری راہ نہ پائے اور ذہن و دماغ میں کہیں سے غرور و تکبر کا کیڑا نہ کلبلائے۔ متواضع اور خوش خُلق رہئے۔ کس قدر سچی بات ہے یہ :

خوش خُلق جگ میں رہنا تسخیر ہے تو یہ ہے　　خاک اپنے کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

آپ ہر ماہ مختلف عنوان سے اپنی مادر علمی میں اپنی تحریری مشق کے لئے جریدے نکال رہے ہیں،

آپ کا یہ اقدام خوش آئند ہے۔ سالِ رواں کے اختتام پر اسی کا سالنامہ "گلہائے رنگ رنگ" کے معنی خیز نام سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ارادہ کی تکمیل فرمائے۔ اس حوصلہ، اعتماد اور جذبۂ عملی پر مبارک باد دیتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ آنے والے طلبہ کے لئے آپ ایک اچھی مثال قائم کریں گے۔ اور آپ اور آپ کے آنے والے ساتھیوں کا ہر "نقش" پہلے سے بہتر ہوگا۔ یعنی

"نقاش، نقشِ ثانی، بہتر کشد ز اول"

کا صحیح مصداق، اور منہ بولتی تصویر۔

آپ کے اچھے اور روشن مستقبل کا آرزومند

محمد رضوان القاسمی

۱۵/ رجب ۱۴۲۲ھ
۳/ اکتوبر ۲۰۰۱ء چہار شنبہ

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد برکت اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صدر المدرسین دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد

"کلمات بابرکت"

اس اطلاع سے بے انتہاء مسرت ہوئی کہ طلبۂ دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد اپنی انجمن الفلاح سے اپنے دیواری جرائد (معمار، صبح نو، اور رضوان) کا مشترکہ سالنامہ نکال رہے ہیں۔ میں اس پر ان کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

یہ دارالعلوم سبیل السلام کی حسین علمی روایات کا ایک حصہ ہے۔ یہاں ہر دور میں علم وادب کی اسی طرح آبیاری ہوتی رہی ہے اور ذوق و شوق کی انجمن اسی طرح یہاں سرگرم عمل رہی ہے۔ کاروان سبیلی اور اس کے قافلہ سالار حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم ناظم جامعہ ہذا نے یوم آزادی سے علمی و دینی جدوجہد کی جس شاندار روایت کی بنیاڈالی تھی یہ کارواں آج تک اس روایت پر قائم اور روزافزوں ترقیات کی طرف گامزن ہے اور اس کا دائرہ فیض ملک سے بیرون ملک تک وسیع ہو رہا ہے۔ اللھم زد فزد۔

طلبہ دارالعلوم سبیل السلام کی انجمن الفلاح بھی اسی سلسلے کی ایک حسین کڑی ہے۔ اس انجمن کی اپنی روایت رہی ہے۔ اور اس نے بہت سے ارباب علم و قلم کو تیار کیا ہے۔ اس انجمن سے سالنامے بھی نکلتے رہے ہیں۔ یہ تازہ سالنامہ جس کا نام "گلہائے رنگ رنگ" دیا گیا ہے اس انجمن کی شاندار روایات میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مضامین کا تنوع اور جدت دیکھ کر یہ صحیح معنی میں "گلہائے رنگ رنگ" کا گلدستہ معلوم پڑتا ہے۔

اللہ جزائے خیر دے حضرت ناظم صاحب کو جنہوں نے طلبہ جامعہ کے لئے یہ مواقع فراہم کئے۔ اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائے ان طلبہ عزیز کے جن کی محنت و دلچسپی سے یہ شاندار مجلّہ تیار ہوا۔

ایں دعا، از من و از جملہ جہاں آمین باد

حضرت مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب قاسمی استاذ حدیث
وصدر کلیۃ الشریعہ دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد

احساس مسرت

طلبہ دارالعلوم سبیل السلام کا یہ سالنامہ فکر و فن کے شہ پاروں کا مجموعہ، اور زبان وادب کے گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ ہے۔ اس میں مضامین کا تنوع بھی ہے۔ اور زبان و بیان کی حلاوت بھی، مسائل و مشکلات کا حل بھی ہے اور خطرات سے آگاہی بھی، ماضی سے رابطہ بھی ہے اور حال کی بصیرت بھی، حسن کارکردگی کا اظہار بھی ہے اور آئندہ کا لائحۂ عمل، شاید ذوق نے ایسے ہی کسی جہاں رنگارنگ کا تصور کر کے کہا تھا

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن ☆ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

انجمن الفلاح طلبہ دارالعلوم سبیل السلام کی اس عظیم پیشکش پر مجھے بے پایاں مسرت ہے۔ کہ طلبہ عزیز کا یہ کارواں تعلیمی سال کے آغاز پر علم وادب کے جس سفر پر روانہ ہوا تھا۔ وہ اب اپنی ایک منزل پر پہنچ رہا ہے۔ اور ذوق و جستجو کی جو آگ ان تشنگان علم و تحقیق کے دلوں میں بھڑکی تھی اس کی چنگاریاں سامنے آرہی ہیں۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

یہ طلبہ عزیز کی سال بھر کی قلمی کاوشوں کا خلاصہ، اور ان کی محنتوں کا نچوڑ ہے، طلبہ عزیز کے تین اردو جریدے (معمار، صبح نو، اور رضوان) ہر ماہ جامعہ کی دیواروں پر آویزاں ہوتے ہیں۔ اور یہ سالنامہ اسی جہد مسلسل اور طلب پیہم کا مشترکہ شاہکار ہے۔

اور خاص بات یہ ہے کہ اس سالنامے کی ترتیب سے لیکر مضامین کی پروف ریڈنگ تک کا سارا کام خود طلبہ عزیز نے انجام دیا ہے، یہ ایک خوشگوار علامت ہے۔ اور ان طلبہ عزیز کے تابناک مستقبل کی شاندار ضمانت بھی،

اس طرح کے سالنامے اور قلمی یادگاریں یقیناً اقبالؒ کے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں کہ

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں ☆ نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

میں ان تمام طلبہ عزیز کو جنہوں نے اس سالنامے کی ترتیب و پیشکش میں حصہ لیا، دلی مبارکباد دیتا ہوں، اور اپنی نیک تمناؤں کے ساتھ ان کو یہ پیغام دیتا ہوں۔ کہ وہ اپنا یہ علمی اور قلمی سفر جاری رکھیں اور یہ عزم اور حوصلہ اپنے لئے حرز جان بنالیں کہ

ہم کہاں رکتے ہیں عرش و فرش کی آواز پہ ☆ ہم کو جانا ہے بہت آگے حد پرواز سے

اداریہ

تقریر و تحریر اور خطابت و صحافت کی اہمیت وافادیت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور آج بھی یہ نہایت موثر ذرائع ابلاغ میں سے ہیں لیکن ان دونوں میں بھی قلم کی اہمیت کہیں بڑھی ہوئی ہے کہ اس کی تاثیر دیرپا ہوتی ہے اور حاضر و غائب سب اس سے مستفیض ہوتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے تخلیق انسانی کے تذکرہ کے بعد قلم کا تذکرہ کر کے انسانی زندگی میں قلم کی حیثیت کو واضح فرمادیا ہے بلکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اپنے کلام میں اس کی قسم کھائی ہے۔ "ن و القلم و ما یسطرون "اس طرح قرآن نے فنِ تحریر کی ترغیب دی ہے تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں قلم کو دین اور علوم دین کے تحفظ میں ایک خاص مقام حاصل ہے قلم کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائی ہے اور ان کے سوا باقی مخلوقات کو کلمۂ "کُنْ" کے ذریعہ پیدا فرمایا اور ان چار چیزوں میں ایک قلم بھی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے قول و عمل سے قرطاس و قلم کی اہمتی وافادیت کی تصدیق فرمائی ہے نیز کاتبان وحی کی خصوصی اہمیت اس کی ایک واضح مثال ہے دور حاضر جو قرطاس و قلم اور اطلاعاتی انقلاب کا عہد ہے اس میں اس کی اہمیت اور دوبالا ہو جاتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج اگر کوئی شخص امت مسلمہ کے لئے مفید کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے اندر ذوق تحریر پیدا کرے اور اپنی قوت تحریر کو مستحکم اور آراستہ کرے موجودہ دور میں مسلمانوں کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں اور شریعت اسلامیہ کے خلاف بے شمار پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں جو آئے دن اخبارات میں ہم پڑھتے رہتے ہیں ان کے دفاع کے لئے قلم ایک بہترین رول ادا کر سکتا ہے اگر آج ہم نے قلم کی حیثیت واہمیت کو نہ سمجھا اور اپنے ذوق تحریر کو نہ سنوارا تو ہم اسلام اور ملتِ اسلامیہ کا صحیح دفاع کرنے میں (خدانہ کرے) ناکام رہ جائیں گے اور آنے والی نسل ہمیں معاف نہیں

کریں گی۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم سبیل السلام کے ارباب انتظام نے اس کا بھرپور احساس کیا ہے چنانچہ انہوں نے درسیات کے ساتھ ساتھ زبان و قلم پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ یہ اس جامعہ کا خاص وصف ہے جو اس کو ہندوستان کے بہت سے مدرسوں سے ممتاز کرتا ہے ، علمی کاموں کی حوصلہ افزائی، کتابوں کی فراہمی اور بآسانی دستیابی نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ اس میں زبان و قلم کو بحسن خوبی پروان چڑھایا جاسکتا ہے اور مستقبل قریب میں امید ہے کہ یہاں سے امت کو ایسے افراد ملیں گے جن کی فکر و نظر اور زبان و قلم سے ایک عالم مستفید ہوگا۔ انشاءاللہ

ہماری انہی قلمی تمرینات کی یہ ایک طالبانہ کوشش ہے جو سالنامہ گلہائے رنگ رنگ کی صورت میں آپ کے سامنے ہے ہم اپنے اندر بے حد خوشی و مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ درمیان میں کئی سالوں کے بعد ہم پھر ارباب علم وذوق کی خدمت میں گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ پیش کر رہے ہیں۔

اس سالنامہ میں آپ ایسے عنوانات پر مضامین پڑھیں گے جو موجودہ دور میں نہایت ہی اہمیت وافادیت کے حامل ہیں۔ ہمارا معیار ہی کیا۔ لیکن پھر بھی ہمیں امید ہے کہ ہماری طالبانہ سطح کے لحاظ سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی انشاءاللہ

اس موقع پر ہم اپنے بلند حوصلہ اور عالی ظرف علم پرور اور خورد نواز سرپرست حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم بانی و ناظم جامعہ ھذا کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی مشفقانہ سرپرستی اور خصوصی دلچسپی سے ہمیں لکھنے پڑھنے کے مواقع حاصل ہوئے اور کچھ کر گذرنے کا عزم و حوصلہ پیدا ہوا۔ اللہ ان کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے آمین

ہم صدر المدرسین حضرت مولانا محمد برکت اللہ صاحب قاسمی کے بھی شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ہماری بہت سی مشکلات کو آسان فرمایا

ہم اپنے استاد و مربی اور انجمن الفلاح کے نگران اعلیٰ حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی کے بھی بیحد شکر گزار ہیں جنہوں نے ہر میدان میں ہماری رہنمائی فرمائی ہماری علمی فکری اور قلمی کاوشوں کو سمت سفر دیا، اور جن کی مشفقانہ عنایات ہی کا ثمرہ ہے کہ ہم آپ کے سامنے ایک وقفہ کے بعد سالنامہ پیش کرنے کے لائق ہو سکے۔ اللہ ان کو بہت بہت جزائے خیر سے نوازے آمین

ہم حضرت مولانا فضل اللہ الرحمان صاحب قاسمی نائب شیخ الحدیث، حضرت مولانا مفتی عبد الوود

صاحب مظاہری نائب صدر المدرسین، حضرت مولانا مفتی مصطفیٰ مفتاحی صاحب، مولانا سیف اللہ صاحب قاسمی، مولانا خورشید انور صاحب ندوی، مولانا عبد الباسط صاحب ندوی، مولانا احمد عبد المجیب صاحب قاسمی ندوی، مولانا مفتی اظہار صاحب قاسمی، مولانا مفتی شکیل احمد صاحب قاسمی مولانا محمد رحمت اللہ صاحب رشادی، مولانا مفتی برکت اللہ صاحب قاسمی مولانا محمد ثوبان اعظم صاحب قاسمی اور دیگر تمام اساتذہ کا بھی دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کی مشفقانہ رہنمائی ہمارے شامل حال رہی اللہ ان تمام بزرگوں کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔

ہم برادر محترم مولانا محمد احسان اللہ صاحب (استاذ شعبۂ کمپیوٹر جامعہ ھذا) کے بھی شکر گزار ہیں کہ جن کی شبانہ روز محنتوں سے سالنامہ کی کمپوزنگ کا کام مکمل ہوا۔

اس موقع پر اپنے ان ساتھیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے مخلصانہ تعاون بے پناہ جدوجہد اور خون جگر کی آمیزش نے اس سالنامہ کو رونق بخشی، جن میں بالخصوص محمد ایوب صدیقی دعوہ سال دوم، عبد الوحید دعوہ سال دوم، سجاد انور شریعہ سال اول، رحمت حسین لغہ سال دوم، رئیس احمد لغہ سال دوم، ابو المکارم لغہ سال دوم، محمد سابق لغہ سال دوم، مرشد عالم دورہ حدیث، محمد شمشاد قمر چہارم عربی، حافظ محمد لقمان اول عربی،

ہمیں امید ہے کہ ہمارے سابقہ علمی و ادبی سالناموں کی طرح اس سالنامہ کو بھی نظر تحسین سے دیکھا جائے گا انشاء اللہ

اہلِ علم اور ارباب ذوق حضرات سے گذارش ہے کہ وہ ہماری ان کاوشوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں اور اگر کوئی خامی نظر آئے تو ہماری طالب علمانہ کمزوری پر محمول فرمائیں۔

محمد عمران دورۂ حدیث

۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

☆☆☆

﴿ قرآنیات ﴾

محمد عادل
متعلم : چہارم عربی

تدوینِ قرآن کی مختصر تاریخ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اپنا آخری نبی ورسول بنا کر اس دنیائے فانی میں بھیجا اور آپ ﷺ کے ذریعہ اس امت پر بہت سے احسانات کئے ان میں سب سے بڑا احسان اللہ کی جانب سے یہ ہے کہ اس امت میں قرآن کریم کو نازل کیا آپ ﷺ پر یہ قرآن تیس (۲۳) سال کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً اترتا رہا مگر آپ کے زمانہ میں قرآن کریم ایک جگہ جمع نہ ہو سکا قرآن کی آیتیں مختلف چیزوں پر نقش تھیں یہ کام خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے دور حکومت میں پائے تکمیل کو پہنچا جو آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا (انشاءاللہ)

جمع قرآن بصورتِ حفظ

نزولِ قرآن کی پوری مدت میں نبی کریم ﷺ نے اس کے حفظ و حفاظت کی جانب ہمہ تن متوجہ رہے آپ ﷺ قرآن کو یاد رکھنے کا انتہائی اہتمام فرماتے خوب تلاوت فرماتے رات کی نمازوں میں طویل قرأتیں کرتے یہاں تک کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا آپ ﷺ پر جو کچھ نازل ہوتا اسے آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو سنا دیتے اور صحابہ کرامؓ اسے حرف بحرف یاد کر لیتے اس طرح صحابہ کرامؓ میں ایک بڑی تعداد حفاظ قرآن کی ہوئی جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دورِ رسالت میں بیر معونہ پر ستر (۷۰) بڑے بڑے حفاظ و قراء شہید ہوئے ۔

حفاظ مہاجرین

وہ حضرات مہاجرین جو حافظِ قرآن تھے ان میں چند مشہور نام یہ ہیں خلفاء راشدین! حضرت طلحہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ وغیرہ۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حفظِ قرآن کی تکمیل کی۔

حفاظِ انصار

حضرات انصار کے چند مشہور حفاظ یہ تھے۔ حضرت عبادہ ابن صامتؓ، حضرت معاذ ابو حلیمہؓ، حضرت مجمع

ابن جاریہؓ، حضرت فضالہ ابن عبیدؓ، حضرت مسلمہ ابن مخلدؓ۔ ان میں بعض وہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد حفظ کی تکمیل کی۔

قرآن پڑھانے والے صحابہ

قرآن پڑھانے کے سلسلہ میں سات (۷) صحابہ کرامؓ کا نام مشہور ہے حضرت عثمان ابن عفانؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ ان میں سے بہت سے صحابہ کرام نے قرآن کریم پڑھایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں جمع قرآن

پورا قرآن عہد رسالت میں لکھا جاچکا تھا۔ مگر اس کی آیتیں اور سورتیں یکجا نہ تھیں اولین قرآن کی کتابت کوئی نئی چیز نہ تھی نبی کریم ﷺ بذاتِ خود اس کے لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے البتہ وہ کاغذ کے ٹکڑوں شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی ٹہنیوں پر بکھرا پڑا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے متفرق جگہوں سے اس کو یکجا کرنے کا حکم دیا خود آنحضرت ﷺ کے گھر میں اوراق منتشر پڑے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو جمع کر کے ایک دھاگہ سے باندھ دیا تاکہ ان میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہونے پائے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تدوین قرآن کا آغاز جنگ یمامہ کے بعد ۱۲ھ میں کیا یہ جنگ اہلِ اسلام اور مسیلمہ کذاب کے متبعین کے مابین ہوئی تھی اس میں ستر حفاظ قرآن صحابہؓ نے شہادت پائی حضرت عمرؓ اس سے بہت خوفزدہ ہوئے اور بارگاہ صدیقی میں حاضر ہو کر قرآن جمع کرنے کا مطالبہ کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے مجھے بلایا اور کہا کہ عمرؓ جمعِ قرآن کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ کرام نے شہادت پائی اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہی حال رہا تو قرآن کا کافی حصہ ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اس لئے قرآن کو یکجا کر لینا چاہئے میں نے کہا ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول ﷺ نے نہیں کیا عمرؓ نے کہا بخدا یہ بہتر کام ہے عمرؓ مجھ سے بارہا مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں مجھے شرح صدر سے نواز دیا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا بخدا یہ بہتر ہے پھر حضرت ابو بکرؓ تاکید یہی بات کہتے رہے حتیٰ کہ ابو بکرؓ عمرؓ کی طرح مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں شرح صدر عطا کر دی میں نے قرآن کو پتھر کی باریک سلوں کھجور کی ٹہنیوں اور آدمیوں کے سینوں سے تلاش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ ابو خزیمہ انصاریؓ کے پاس ملا جو کسی اور کے پاس نہ مل سکا وہ آیت یہ تھی "لقد جائکم رسول من انفسکم (الآیہ)" اس طرح عہد صدیقی میں جمع و تدوین قرآن کا یہ عظیم الشان کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا اس لئے کہ آپ نے حضرت زید کو اس خدمت پر جنگ یمامہ کے بعد مامور فرمایا تھا۔ جنگ یمامہ اور حضرت صدیق کی وفات کے درمیان صرف ایک سال کی مدت تھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کو کس طرح کاغذ کے ٹکڑوں کھجور کی ٹہنیوں پتھر کی سلوں چمڑے کے ٹکڑوں اور کجاوہ کی لکڑیوں سے فراہم

کیا گیا تھا تو ہمیں صحابہ کے بلند پایہ عزم اور عالی ہمتی کی داد دینی پڑتی ہے امام بخاریؒ نے جو روایت حضرت زید سے نقل کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس صحیفہ میں قرآن جمع کیا گیا تھا وہ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے پاس رہا جب آپ نے وفات پائی تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ ان کی حفاظت کرتے رہے آپ کی شہادت کے بعد یہ صحیفہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی تحویل میں رہا کیوں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے وصیت کی تھی کہ اس صحیفہ کو حفصہ کی تحویل میں رکھا جائے اس لئے کہ محترمہ موصوفہ ام المومنین ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھیں پورا قرآن آپ کے سینہ میں محفوظ تھا۔ اور اس کی قرأت و کتابت میں پوری مہارت رکھتی تھیں علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کا معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ بنائے جانے سے پہلے یہ امانت حضرت عثمان غنیؓ کو کیسے تفویض کی جاسکتی تھی۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو مصحف کا نام سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں دیا گیا تھا جب قرآن کو جمع کر کے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اس کا کوئی نام مقرر کیجئے بعض نے السفر (پیغامات) تجویز کیا آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے بعض لوگوں نے المصحف نام رکھنے کی تجویز پیش کی یہ نام حبشہ میں رائج تھا اسی پر اتفاق ہو گیا اور قرآن کو المصحف کہا جانے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ قرآن پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کو متواتر کا درجہ حاصل ہے اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن کریم کو قرأت سبعہ کے مطابق مدون کیا جس طرح وہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا جیسا کہ اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے جو حضرت عثمانؓ نے حضرت عباسؓ کو دیا تھا اور ساتھ ہی انہوں نے اس راز سے بھی پردہ اٹھایا کہ سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے ساتھ بسم اللہ کے بغیر کس لئے ملا دیا گیا سورۃ انفال آغاز ہجرت میں ناز ہوئی تھی جبکہ سورۃ توبہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی ان دونوں سورتوں کے مضامین باہم ملتے جلتے ہیں آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ نے یہ نہ بتایا کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی ہیں یا الگ الگ اس لیے حضرت عثمانؓ نے دونوں یعنی سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ کا فاصل نہ رکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پورا قرآن عہد رسالت میں لکھا جا چکا تھا۔ مگر اس کو کتابی صورت میں یکجا کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کیوں کہ قرآن صحابہ کے سینوں میں اس طرح محفوظ تھا۔ عہد رسالت میں قرآن کو ایک مصحف میں اس لئے نہ لکھا گیا تاکہ اس کو بار بار تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اس لئے تکوینی طور پر قرآن کی کتابت کو اس وقت تک ملتوی رکھا گیا جب تک کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کی وجہ سے نزول قرآن کی تکمیل نہ ہو گئی۔

عہد عثمانی میں تدوین قرآن

امام بخاری صحیح بخاری میں اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ انس بن مالک نے انہیں بتایا کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے موصوف نے آمینہ اور آذربائیجان کی جنگ میں شرکت کی تھی۔ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لوگ تلاوت قرآن میں بہت اختلاف کرنے لگے تھے۔ حذیفہ نے حضرت عثمانؓ

سے کہا امیر المومنین قبل اس کے کہ یہ امت کتاب الٰہی میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگیں اس کو سنبھال لیجئے۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ کو کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن کے جو صحیفے محفوظ ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کو کتابی صورت میں جمع کریں۔

حضرت عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ صحیفوں سے نقل کر کے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کر دیں، حضرت عثمانؓ نے تینوں صحابہ سے کہا کہ جب تمہارے اور زیدؓ کے مابین قرآن کی کسی آیت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو قرآن کو قریش کی زبان میں لکھا جائے کیوں کہ یہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا۔

مستشرقین نے جمع و تدوین کے بارے میں حضرت عثمانؓ کی نیت پر جو حملے کئے ہیں وہ قطعی طور پر بے بنیاد ہیں۔ مستشرقین کے اس بے بنیاد الزام کی کیا دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ذاتی غرض سے اپنی اور دیگر مہاجرین کی اہمیت جتانے کے لئے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ معاذ اللہ۔ یہ اہتمام فقط مستشرقین کی الزام تراشی اور عبث قیاس آرائی کا آئینہ دار ہے ورنہ کسی صحیح تاریخی روایت سے ان کے دعویٰ کی تائید نہیں ملتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس کمیٹی کو یہ خدمت تفویض کی گئی تھی وہ چار آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اگر زید بن ثابتؓ مدنی انصاری کو شمار نہ کیا جائے تو باقی تینوں حضرات مکہ کے رہنے والے قریش تھے اس میں شبہ نہیں کہ یہ چاروں بزرگ ثقاوت اور افاضل صحابہ میں شمار ہوتے تھے تیسری بات یہ ہے کہ صحابہؓ کی اس کمیٹی نے کتابت قرآن کے سلسلہ میں حضرت حفصہؓ کے صحیفہ کو اصل واساس قرار دیا تھا اور یہ صحیفہ حضرت ابو بکرؓ سے منقول تھے !

چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا تینوں قریش صحابہؓ اور زیدؓ کے درمیان اختلاف رونما ہونے کی صورت میں اس زبان کو ترجیح کا مستحق قرار دیا گیا تھا (ہمارا خیال یہ ہے کہ زبان قریش میں قرآن کی کتابت حروف سبعہ کے مطابق تحریر کرنے کے منافی نہیں ہے قرآن کو حروف سبعہ کے مطابق نازل کیا گیا تھا اور لکھتے وقت اس پر نقطہ و اعراب نہیں لگائے گئے تھے تمام صحیفوں میں حروف سبعہ کے طریق تلاوت کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ چاروں صحابہ نے جو قرآن شریف جمع کیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں اطراف ملک میں بھیجوادیں جدل و نزاع کے استیصال کے لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ لوگوں کے پاس قرآن کریم کے جو ذاتی اور عمومی نسخے تھے ان کو نذر آتشی کر دیا جائے اس لئے کہ حضرت عثمان کے ابتدائی عہد خلافت میں ایک طرح پڑھاتا اور دوسرا دوسری طرح جب ان کے شاگرد باہم ملتے تو مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ایک دوسرے کی تغلیط کرتے ہوئے معاملہ تکفیر تک پہنچ جاتے حضرت عثمانؓ کے ان اقدام کو لوگوں نے بڑی وقعت اور پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا البتہ عبداللہ بن مسعودؓ جن کے پاس اپنا ایک ذاتی مصحف تھا انہوں نے اس کو بظاہر ناپسند کیا اور مصحف جلانے سے انکار کر دیا !

حضرت عثمانؓ کی تعمیل ارشاد میں ۲۵ھ میں ان چاروں صحابہ نے کام شروع کر دیا یہ چاروں صحابہ حافظ

قرآن تھے اس کے باوجود حضرت عثمانؓ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت حفصہؓ کے صحیفوں سے قرآن نقل کریں تاکہ ان کا تحریر کردہ قرآن حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ صحیفہ کے بالکل مطابق ہو کر ظاہر ہے کہ خلافت صدیقی میں جمع کردہ صحیفہ ان نسخہ ہائے قرآنی کے بالکل مطابق تھے عہد رسالت میں آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق اور آپؐ کی موجودگی میں تحریر کئے گئے تھے۔ اس طرح قرآن کریم کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ بہر کیف عثمانی مصاحف کی صحیح تعداد کچھ بھی ہو یہ سب کے سب پورے قرآن پر مشتمل تھے۔ ان میں ایک سو چودہ سورتیں تھیں نقطے اور اعراب کا وجود نہ تھا سورتوں کے نام اور فواصل بھی مرقوم نہ تھے اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جمع کردہ نسخہ قرآن میں یہ چیزیں موجود نہ تھیں حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف جمع کروائے تھے وہ ان زیادات سے پاک تھے جن کو توضیح و تفسیر تفصیل مجمل یا اثبات محذوف کے طور پر پڑھایا گیا تھا انفرادی مصاحف میں جو شاذ کلمات تھے ان کو بھی خارج کر دیا گیا تھا۔ مصحف عثمانی میں آیتوں اور سورتوں کی ترتیب وہی تھی جو موجودہ قرآنی نسخوں میں ہے چونکہ عثمانی مصاحف میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض الفاظ کو کئی طریقوں سے پڑھایا جا سکتا تھا۔ حضرت عثمانؓ یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف تحریر کردہ قرآنی نسخوں ہی پر قانع نہ ہو جائیں بلکہ براہِ راست صحابہ کے منہ سے قرآن سن کر اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں اس لئے حضرت عثمانؓ جب کسی ملک میں قرآن کا نسخہ بھیجتے تو اس کے ساتھ ایک قاری بھی بھیجتے جو اس لہجہ میں قرآن پڑھاتا جس میں وہ نسخہ لکھا گیا ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن کا جو نسخہ مدینہ میں رکھا گیا تھا اس کے قاری حضرت زید بن ثابتؓ تھے حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ مصاحف میں زیادہ تر مشہور وہ مصحف ہے جو آج کل ملکِ شام کی جامع دمشق میں رکن کے پاس مقصورہ کی مشرقی جانب موجود ہے یہ مصحف پہلے طبریہ میں تھا ۵۱۸ھ میں اسے دمشق لایا گیا۔ اور آج تک وہیں موجود ہے اس طرح تدوین قرآن کا جو طرز عمل من جانب اللہ صحابہ کرام کے ذریعہ اختیار کیا گیا وہ بالکل فطری اور پوری طرح محفوظ تھا۔ اس طرح خدائی حفاظت کا وہ نظام قائم ہوا جس کا وعدہ خود قرآن میں کیا گیا تھا۔

مآخذ

۱) قرآنی علوم : لحضرت مولانا مسعود احمد الہاشمی

۲) علوم القرآن : لحضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

☆☆☆

محمد عمران

متعلم: دورۂ حدیث

قرآن کے اعجازی عناصر

قرآن کا چیلنج

دنیا میں جتنے نبی آئے ان کو ان کے زمانہ اور حالات کے مطابق معجزہ دیا گیا حضرت موسیٰ کا زمانہ جادوگری کا زمانہ تھا ہر طرف جادو کا زور تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو عصائے موسیٰ عطاء فرمایا بڑے بڑے جادوگر عصائے موسیٰ کے سامنے بے بس ہوگئے حضرت عیسیٰ کے دور میں تو طب کا عروج تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو یہ معجزہ دیا کہ وہ کوڑھی پر ہاتھ پھیرتے تو شفا ہو جاتی مادر زاد اندھے پر ہاتھ ڈالتے تو وہ بینا ہو جاتا حضور پاک ﷺ کا زمانہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا عرب کے لوگ میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار تھے معمولی اونٹ اور بکریاں چرانے والے ایسا برجستہ کلام کہتے کہ دوسروں کے لئے کافی فکر و تامل کے بعد بھی ایسا کلام کہنا مشکل ہوتا چند جملوں میں جذبات کو برانگیختہ کر دیتے بولتے تو رعد کی طرح گرجتے بجلی کی طرح چمکتے بارش کی طرح برستے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں گہے بر آب و گہے بہ آتش کا سماں کھینچ دیتے تھے فصاحت و بلاغت ان کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑتی تھی ان کی مجلسوں کی رونق ان کے میلوں کی رنگینی ان کے فخر و ناز کا سرمایہ اور ان کے نشر و اشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر و ادب تھا اور انہیں اس پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے ایسے حالات میں نبی امی ﷺ کو قرآن کا معجزہ دیا گیا جو فصاحت و بلاغت زبان و ادب کا شاہکار ہے عرب اپنے قصیدے بیت اللہ کی دیوار پر لٹکا کر چیلنج کرتے تھے رب کریم نے نبی امی ﷺ پر قرآن اتار کر کھلے عام پوری انسانیت کو چیلنج کیا "لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا" (اسراء ۸۸) (اگر تمام انس و جن مل کر اس قرآن جیسا (کلام) پیش کرنا چاہیں تو نہیں کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کریں) قرآن کا یہ دعویٰ کفار مکہ کے لئے کوئی معمولی دعویٰ نہ تھا۔ اس لئے کہ اگر یہ اعلان سچا ثابت ہو جاتا تو ان کے آبائی دین کی ساری عمارت ڈھہ جاتی اور ان کے صدیوں پرانے رسوم و روایات کا سارا ذخیرہ بے معنی ہو جاتا اس لئے یہ اعلان در حقیقت ان کے ادبی غرور کو ایک زبردست چیلنج تھا یہ ان کے دینی تصورات پر ایک کاری ضرب تھی یہ ان کی غیرت کو للکار تھی جس کا جواب دیئے بغیر کسی غیور عرب کے لئے چین سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا لیکن ہوا کیا؟ اس اعلان کے بعد ان آتش بیاں خطیبوں اور شعلہ نوا شاعروں کی

محفل میں سناٹا چھا گیا کوئی فرد اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا کچھ دنوں بعد قرآن نے پھر چیلنج کیا کہ کہ پورا قرآن پیش نہیں کر سکتے تو کم از کم اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ (فاتوا بعشر سور مثله مفتريت (ھود ۱۳) لیکن اس پر بھی پورا عرب خاموش رہا اور کوئی شخص اس کے بالمقابل چند جملے پیش کرنے کی جسارت نہ کر سکا قرآن نے پھر للکارا کہ یہ بھی نہ ہو سکے تو (فاتوا بسورة من مثله البقرة ۲۳) اس کی ہم پلہ دس سورتیں نہ سہی ایک ہی سورہ لے آؤ مگر اس پر بھی بدستور خاموشی چھائی رہی تو اخیر میں قرآن نے انتہائی تنزل کر کے چیلنج کیا کہ اس جیسا ایک کلمہ ہی لے آؤ "فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین طور ۳۴" لیکن جو قوم دوسروں کے چیلنج کیا کرتی تھی اور ساری دنیا کو گونگی تصور کرتی تھی قرآنی چیلنج کے بعد اس نے گھٹنے ٹیک دیئے اور وہ قرآن جیسی ایک آیت بھی بنا کر پیش نہ کر سکے بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ امام حاکم اور بیہقی نے قرآن کریم کے بارے میں ولید ابن مغیرہ کے یہ لفاظ نقل کئے ہیں۔ والله ان لقوله الذی یقول حلاوة و ان علیه لطلاوة و انه لیعلوا و ما یعلیٰ۔ خدا کی قسم جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرنی اور رونق ہے یہ کلام سب پر غالب و فائق ہے یہ کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اس طرح خود قرآن نے دنیا والوں پر یہ ثابت کر دیا کہ میں کسی انسان کا کلام نہیں مجھے کسی بشر نے تخلیق نہیں کیا اور نہ کسی آدم زاد کے تصور نے مجھے وجود بخشا میں صرف اور صرف خدائے واحد کا معجزانہ کلام ہوں جس کی نظیر پیش کرنا کسی انسانی طاقت سے باہر ہے قرآن سراپا معجزہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ قرآن کتنے اعتبار سے معجزہ ہے۔ ان کے تمام اعجازی عناصر کا احاطہ کرنا بشری قوت سے بالاتر ہے تاہم اس موقع پر قرآن کے چند اعجازی عناصر کا ذکر کر دینا مناسب ہے جس سے اس کے مختلف اعجازی حیثیتوں کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔

تعبیری اعجاز

کوئی شاعر یا ادیب خواہ وہ اپنے فن کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہو وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے کلام میں کسی جگہ کوئی غیر فصیح لفظ استعمال نہیں ہوا ہے لیکن یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ الحمد سے لیکر الناس تک اس کا ایک ایک لفظ فصاحت کا شاہکار ہے۔ عربی زبان اپنے ذخیرۂ الفاظ کے اعتبار سے دنیا کی دولت مند زبانوں میں سے ایک ہے مثلاً زمانہ جاہلیت میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے تقریباً ۲۴/ الفاظ مستعمل تھے مثلاً موت، ہلاک، فنا، تلف، قاضیہ، عول، نبط وغیرہ ان میں سے بیشتر الفاظ میں اہل عرب کے اس تصور کی جھلک ملتی ہے۔ کہ موت سے انسان بالکلیہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں مگر قرآن نے موت کی حقیقت کے اظہار کے لئے ایسا لفظ استعمال کیا اور عربی زبان کو ایسا خوبصورت فصیح اور جامع لفظ عطاء کیا جس نے ایک طرف موت کے حقیقی معنی کو ظاہر کیا اور دوسری طرف عقائد فاسدہ کی بھی تردید کر دی وہ لفظ ہے " **تَوَفّیٰ** " جس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اس لفظ نے یہ واضح کیا کہ موت ابدی فنا کا نام نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے روح قبض کر لینے کا نام ہے چنانچہ جب اللہ چاہے گا جسم کے منتشر اجزاء کو یکجاء کر کے دوبارہ ان کو زندہ کر دے گا۔

(علوم القرآن ، صفحہ: ۲۵۵ لمولانا تقی عثمانی)

ترکیبی اعجاز

الفاظ کے بعد جملوں کی ترکیب ساخت اور نشست کا نمبر آتا ہے اس معاملے میں بھی قرآن کریم کا اعجاز اوجِ کمال پر ہے قرآن کریم کے جملوں کے دروبست میں وہ شوکت سلاست اور شرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی مثال کے طور پر قاتل سے قصاص لینا اہلِ عرب میں بڑی قابلِ تعریف بات تھی اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لئے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے۔ مثلاً "القتل احیاء للجمیع" (قتل اجتماعی زندگی ہے) اور "القتل انفی للقتل" (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے) اور "اکثروا القتل لیقل القتل" قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائے) قرآن کریم نے بھی اسی مفہوم کو ادا کیا مگر کس شان سے؟ ارشاد ہے۔ "ولکم فی القصاص حیوۃ" (اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے) اس جملے کے اختصارِ جامعیت، سلاست، شوکت اور معنویت کو جس پہلو سے دیکھئے بلاغت اپنے اعجازی شان کے ساتھ جھلکتی نظر آتی ہے۔ اور سابقہ تمام جملے اس کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

(علوم القرآن، صفحہ: ۲۵۹ لمولانا تقی عثمانی)

معنوی اعجاز

قرآن نے متعدد مقامات پر ذو معانی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو معنی بھی مراد لئے جائیں اپنی جگہ درست ہے، اور سارے معانی مراد لئے جائیں تب بھی کوئی ابہام نہیں ہوتا یہ بھی قرآن کی بلاغت کا زبردست اعجاز ہے جس میں بداعت وانوکھے پن کے سارے انداز موجود ہیں اور کلام کی فصاحت سلاست بھی دوچند ہے۔ اس کی مثال کے لئے شورۂ شوریٰ کی یہ آیت ملاحظہ ہو "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی" (شوریٰ: ۲۳) (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا سوائے رشتہ داری کی محبت کے) اس مضمون میں یہ اعلان کیا گیا کہ آپ نصیحتوں کے لئے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے ہیں صرف اتنا چاہتے ہیں کہ لوگ قرابت داری کا لحاظ کریں قربیٰ کے یہاں پر تین معانی کئے جاسکتے ہیں (۱) قرابت داری (۲) اللہ کی قرابت (۳) رسول کے اقرباء سے محبت یہاں جو بھی معنی مراد لیا جائے اپنی معنویت کے لحاظ سے مکمل اور اپنے مقصد کے لحاظ سے تام ہے کثیر المعانی الفاظ کے استعمال کی نمایاں خصوصیت صرف کلام الٰہی میں پائی جاتی ہے کسی اور میں نہیں

صوتی اعجاز

قرآن کریم کی ہر آیت وسورت ہر مقطع ومطلع اور ہر آغاز وانجام میں ایک خاص قسم کا صوتی حسن وجمال پایا جاتا ہے یہ حسن ایک خاص اسلوب وانداز کے حامل موسیقی سے بھرپور اور نغمہ سے معمور ہوتا ہے قرآن کا ہر لفظ اپنا ایک جداگانہ حسن صورت اور ایک منفرد رنگ وڈھنگ رکھتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ کسی میں یہ رنگ ہلکا اور کسی میں شوخ وشنگ مثلاً سورۂ نجم کی آیتوں میں اس صوتی حسن کو ملاحظہ کیجئے "ولقد راہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی

عند ها جنة الماوی اذیغشی السدرة ما یغشی مازاغ البصر و ماطغیٰ لقد رای من آیات ربه الکبری "(نجم ۱۸۔ ۱۳) (انہوں نے ایک بار اور بھی اس (فرشتہ) کو دیکھا ہے سدرہ المنتہیٰ کے قریب کہ اس کے قریب جنت الماوی ہے جبکہ اس سدرہ کو پلٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ پھٹ رہی تھیں ان (پیمبر) کی نگاہ نہ ہٹی اور نہ بڑھی (انہوں نے) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائب دیکھے) (علوام القرآن لمولانا صبیحی)

معجزانہ جامعیت

قرآن پاک جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے وہیں اپنی جامعیت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے قرآن کریم چونکہ قیامت تک ہر زمانہ کی رہنمائی کے لئے آیا ہے اس لئے اس نے مختصر جملوں میں وہ وسیع مضامین سمیٹ دئے ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اس سے ہدایات حاصل کی جاسکتی ہیں چودہ سو سال گذر جانے پر بھی اس کے مضامین پرانے نہیں ہوئے اس عرصے میں انسانی زندگی نے کتنے پلٹے کھائے کیسے کیسے عظیم انقلابات رونما ہوئے لیکن قرآن کریم سدا بہار رہا اور رہے گا یہ تاریخ کی کتاب نہیں مگر تاریخ کا مستند ترین ماخذ ہے یہ سیاست و قانون کی کتاب نہیں ہے لیکن اس نے چند مختصر جملوں میں سیاست اور جہاں بانی کے وہ اصول بیان فرما دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گے یہ فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کے بے شمار عقدے کھول دیئے ہیں یہ معاشیات و عمرانیات کی کتاب نہیں ہے لیکن ان دونوں موضوعات پر اس نے اختصار کے ساتھ ایسی جامع ہدایات دی ہیں کہ دنیا کے علوم وفنون سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہونچنے کی کوشش کر رہے ہیں غرض اس کتاب میں تہذیب و اخلاق طریق تمدن و معاشرت اصولِ حکمت و سیاست ترقی روحانیت تحصیل معرفت تزکیۂ نفوس تنویر قلوب تنظیم و تربیت بے شمار علوم و معارف وہ تمام بنیادی مواد موجود ہیں جن کی ضرورت کسی بھی دور میں انسانیت کو پیش آسکتی ہے

معجزانہ پیشن گوئیاں

قرآن مجید کا ایک اعجاز اس کی پیشین گوئیاں ابھی ہیں جو حرف بہ حرف ثابت ہوئیں کاہنوں اور منجموں کے اٹکل بیانات کی طرح نہیں کہ سو میں ایک دو دفعہ تیر نشانے پر جالگا بلکہ قرآن نے جن واقعات کی خبر دی وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح نور افزائے دیدہ بصیرت ہوئے مثلاً قرآن پاک کی ایک صاف صریح اور محیر العقول پیشین گوئی غلبہ روم کی پیشین گوئی ہے وہ بھی ان حالات میں جبکہ روم سکشت کھا چکا تھا۔ اور اس کی سیاسی قوت دم توڑ چکی تھی قرآن نے فتح روم کی بشارت دی اور سورۂ روم کی ابتدائی ایات نازہوئیں "الم غلبت الروم فی ادنی الارض و هم من بعد غلبهم سیغلوبن فی بضع سنین لله الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون " (اہلِ روم مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے چند ہی سالوں میں پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔ جو

لوگ روم وایران کے جنگی حالات سے باخبر تھے ان کے لئے یہ پیشن گوئی قطعی طور پر نا قابل یقین اور محیر العقول تھی مگر یہ کہ پیشین گوئی حرف بہ حرف ثابت ہوئی اور مسلمانوں کو عین میدان بدر میں خوش خبری ملی کہ رومیوں نے ایران کو شکست دے دی ہے اس وقت قرآن کے اس جملہ کا مطلب واضح ہوا کہ " یومئذ یفرح المومنون بنصر الله " اس میں مسلمانوں کی دوھری خوشی کی طرف اشارہ تھا ایک رومیوں کی فتح اور دوسرے جنگ بدر کی فتح مبین

فتح مکہ کی پیشین گوئی

آپ جس وقت ظلم وستم سے تنگ آکر بحکم خدا ہجرت مدینہ کو روانہ ہوئے راستہ میں طبعی طور پر وطن عزیز مکہ کے چھوڑنے پر رنج ہوا قرآن نے یہ بشارت سنائی "ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الی المعاد" (بلاشبہ جس ذات نے قرآن (کے احکام) آپ پر فرض کئے ہیں وہ آپ کو دوبارہ لوٹائے گا) اس بے سروسامانی کے عالم میں اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کی کوئی توقع نہ تھی لیکن تھوڑی ہی مدت میں فاتح مکہ بن کر آپ داخل ہوئے اور یہ پیشن گوئی پوری ہو کر رہی یہ دو پیشین گوئیاں بطور مثال کے ذکر کر دی گئی ورنہ قرآن کی بے شمار پیشن گوئیاں ہیں جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

عہد ماضی کے واقعات

قرآن مجید میں انبیاء سابقین اور گذشتہ قوموں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ان اطلاعات کا سرچشمہ اور ان روایات کا ماخذ علم الٰہی اور وحی خداوندی کے سوا کچھ نہیں تھا قرآن نے ایسے ایسے علمی تاریخی حقائق کی نشاندہی کی جو اس زمانہ میں نہ صرف یہ کہ نامعلوم تھے بلکہ اس وقت ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا واقعہ بیان کر کے فرمایا" تلك من انباء الغیب نوحیها الیك ما كنت تعلمها انت و لا قومك من قبل هذا فاصبران العاقبة للمتقین " یہ حالات منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

حفاظت قرآن

قرآن سے پہلے کے تمام آسمانی صحیفے تحریف وترمیم کا نشانہ اور تلف وتباہی کا تختہ مشق بنے جس کا اعتراف خود ان کتابوں کے حاملین کو بھی ہے اس کے برخلاف قرآن کریم نے اپنے بارے میں پیشگی خبر دیدی ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون " چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی ایسی سچائی اور حیرت انگیز ذرائع سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب اور مغرور مخالفوں کے سر بھی نیچے ہوگئے جس طرح قرآن کی بے نظیر فصاحت و بلاغت نے لمبے چوڑے دعوے کرنے والوں کے وعدے کھوکھلے ثابت کر دیئے ہیں اس کی بے عدیل حفاظت و خدمت نے بھی ایک مرتبہ اور تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ اور چودہ سو سال کے اس طویل عرصے

میں قرآن کریم کا کوئی نقطہ یا کوئی شوشہ تک نہ ضائع ہو سکا اور نہ اس میں تحریف و ترمیم کی کوئی کوشش کامیاب ہو سکی اسلام ہمیشہ مخالفوں اور عداوتوں کے نرغہ میں رہا ہے اور اس کے دشمنوں نے اسے مغلوب کرنے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن دنیا کی کوئی طاقت قرآن کریم کے مٹانے، ضائع کرنے یا بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکی اور نہ آئندہ کبھی کامیاب ہو سکے گی۔ اور قرآن کا یہ وعدہ کبھی جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔

محمود الحسن

متعلم : کلیۃ القرآن

قرآنی مثالوں کی معنویت

قرآن کریم پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام اور علم ہدایت کا ایک ایسا قلزم ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی دولت اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ اس قلزم میں غوطہ زنی کرنے سے انسان کا دامن مالا مال ہو جاتا ہے۔

قرآن جا بجا اپنے مخاطبین کو اپنی بات سمجھانے اور دل کی گہرائیوں تک اتار دینے کے لئے آسان ترین پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ اور یہ اس کی امتیازیات میں ہے۔ کیوں کہ قرآن کا مقصد لوگوں کو ہدایت سے آراستہ کرنا ہے۔ اور یہ مقصد دوسرے انداز سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قرآن گذشتہ قوموں کی تاریخ کی مختلف مثالیں دے کر راہ ہدایت واضح کرتا اور ان کے عروج وزوال کی داستانیں بیان کر کے ان کے عروج وزوال کی وجوہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ مشرکین کو توحید کا فہم دینے، منافقین کو اخلاص فی الدین کا راستہ سمجھانے اور مؤمنین کو راہِ حق میں عزیمت کا سبق دینے کے لئے تمثیلات پیش کرتا ہے اور یہ تمثیلات قرآن کے بیشمار صفحات پر ثبت ہیں۔ دعوتی میدان میں اس طرح کی تمثیلات پیش کرنا ہر آسمانی کتاب کا معمول رہا ہے، حتی کہ حضرت سلیمانؑ پر جو صحیفہ نازل ہوا تھا اس کا نام ہی امثال تھا جو آج بائبل کا ایک حصہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سیدنا عیسیٰ مسیحؑ تمثیلات کے بادشاہ ہیں اور ایسی ایسی تمثیلیں دیتے ہیں کہ بڑے سے بڑا عقلی استدلال بھی وہاں رکیک معلوم ہوتا ہے۔ اور حکماء و صوفیاء میں تشبیہات کا امام شاید علامہ رومیؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے

تمثیل ادب کی ایک دلنواز قسم ہے جو بات سمجھانے کے لئے تیر بہدف کا اثر رکھتی ہے۔ اس کے متعدد مقاصد، اہمیت اور فوائد ہیں:

مقصد

قرآن پاک نے خود ان تمثیلات کے کئی مقاصد بتلائے ہیں۔ مثلاً:

(۱) ایمان کا امتحان جیسے مچھر کی مثال سن کر اہل ایمان اسے من جانب اللہ حق تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اہل کفر اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسے قرآن میں "فاما الذین اٰمنوا فیعلمون انه الحق من ربهم و اما الذین

کفروا فیقولون ماذا اراد الله بهذا مثلا یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا و ما یضل به الا الفاسقین " (سورۃ البقرہ:۲۶)

سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے اور وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو چاہے کچھ بھی ہو جاوے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے وہ کون مطلب ہو گا جس کا قصد کیا ہو گا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے، گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت دیتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنے والوں کو۔

(۲) تفکر یعنی غور و فکر۔" و تلك الامثال نضربها للناس لعلّهم یتفکرون "(سورۃ الحشر:۲۱) اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے (نفع) کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

(۳) تذکر جس کا معنی یاد کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے" ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل لعلهم یتذکرون " (سورۃ الزمر ۲۷) اور ہم نے لوگوں کی (ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین بیان کئے ہیں، تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

اہمیت

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قرآن کریم پانچ اقسام میں نازل ہوا حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ سو حلال پر تم لوگ عمل کرو، حرام سے اجتناب کرو، محکم یعنی جس کا معنی ظاہر ہے اس کی اتباع کرو۔ متشابہ یعنی غیر ظاہر المعنی آیات پر ایمان رکھو اور امثال سے نصیحت حاصل کرو۔

(الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ، النوع السادس و الستون ۔ جلد ۲، صفحہ:۲۷۱۔

(۲) علامہ ماوردیؒ نے فرمایا : علوم قرآن میں سب سے اہم علم، علم امثال ہے۔ حالانکہ لوگ اس سے غافل ہیں اور مثال بغیر تمثیل ایسے ہی ہے جیسے گھوڑا بغیر لگام اور اونٹ بلا نکیل۔

(الاتقان للسیوطی ۔ جلد ۲، صفحہ:۲۷۱)

(۳) امام شافعیؒ نے کہا مجتہد کے لئے علوم قرآن میں جن چیزوں کا واقف ہونا ضروری ہے ان میں سے قرآنی مثالوں کا علم بھی ہے، (الاتقان للسیوطی ،جلد ۲۔ ۲۷۲)

فوائد

علامہ زرکشیؒ نے اپنی کتاب "البرهان فی علوم القرآن "میں فرمایا: قرآنی تمثیلات میں بہت سی

حکمتیں ہیں۔ان میں سے ایک تعلیم البیان ہے اور یہ اس شریعت کی خصائص میں سے ہے۔

(الاتقان للسیوطی۔جلد،۲صفحہ:۲۷۲)

(۲)بعض دفعہ جوبات دیگر طریقوں(عقلی و منطقی استدلال وغیرہ)سے مفہوم نہیں ہوتی ہے وہ تشبیہات و تمثیلات سے بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔ بیشمار انسان دنیا میں ایسے ہیں جن کے دماغوں کی ساخت دوسرے طریقہائے تفہیم کو جلدی قبول نہیں کرتی مگر تشبیہات و تمثیلات کو فی الفور قبول کرلیتی ہے۔

(۳)امثال کے بیشمار فوائد میں سے وعظ و نصیحت،ترغیب وترھیب،عبرت اور مقصود کو فہم کے قریب کر دینااوراس کو محسوس صورت میں پیش کر دیناوغیرہ بھی ہے۔

اجزاء تمثیل

تمثیل کے تین(ضروری)اجزاء ہوتے ہیں۔مثال(ممثل)ممثل لہ اور وجہ تمثیل،مثلاً: چاند جیساچہرہ اس میں چہرہ مثال ہے،چاند ممثل لہ اور حسن و جمال وجہ تمثیل،مثال میں ایک اور چیز کا بھی خیال رکھناپڑتا ہے۔وہ یہ ہے کہ خوبی ہویا خرابی، ممثل لہ کو بالعموم مثال سے برتر ہونا چاہئے۔ جیسے اس آیت کریمہ میں " و له الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام " اسی(احتیار اور ملک میں)ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچ کھڑے نظر آتے ہیں۔(سورۃالرحمٰن۔۲۴)اس آیت میں جہاز کو پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو پہاڑ جہاز سے بڑائی کے اعتبار سے بہت بڑا ہے۔

پھر تمثیلاتِ قرآنی کی دو قسمیں ہیں : (۱) امثال ظاہرہ جس میں مثال کی صراحت ہو (۲) امثال کامنہ جس میں مثال کا کوئی ذکر نہ ہو۔

امثال ظاہرہ

پہلی قسم میں سے باری تعالیٰ کا فرمان "مثلهم کمثل الذی استوقد ناراً فلما اضاء ت ماحوله أوکصیب من السماء فیه ظلمات ورعد و برق ..... والله محیط بالکفرین "

(سورۃالبقرۃ۱۷۔۱۹)

ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کوایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔ بہرے ہیں۔ گونگے ہیں۔اندھے ہیں۔سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے۔یاان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق

بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کافروں کو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ایک میں آگ کے ساتھ اور دوسری میں بارش کے ساتھ تشبیہ دی۔ان مثالوں کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے برگزیدہ بندے (رسول اللہ ﷺ) نے ہدایت کی روشنی پھیلائی اور حق کو باطل، صحیح کو غلط راہ، راست کو گمراہیوں سے چھانٹ کر بالکل نمایاں کر دیا، تو جو لوگ دیدہ بینا رکھتے تھے ان پر ساری حقیقتیں روشن ہو گئیں، مگر نفس پرستی میں اندھے منافقوں کو دن کی روشنی میں بھی کچھ نظر نہ آیا" ذهب الله بنورهم " کے الفاظ سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ ان کے تاریکی میں بھٹکنے کی ذمہ داری خود ان پر نہیں بلکہ یہ اللہ ہی کیجانب سے ہے، اس لئے کہ اللہ نور بصارت اسی کا سلب کرتا ہے جو خود حق کا طالب نہیں ہوتا، ہدایت کے بجائے گمراہی کو خود ہی پسند کرتا ہے اور جو صداقت کا روشن چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ جب خود انہوں نے نور حق سے منہ پھیر کر ظلمت باطل میں بھٹکنا پسند کیا تو اللہ نے ان کے لئے اسی کے اسباب پیدا کر دیئے۔

ایک اور مثال: ارشاد باری ہے الم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فى السماء تؤتى اكلها كل حين باذن ربها و يضرب الله الامثال للناس لعلهم يتذكرون " (سورۃ ابراھم: ۲۴۔۲۵)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ (یعنی کلمہ توحید) کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ (ایسی) مثالیں لوگوں کے واسطے اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو شجرۂ طیبہ سے تشبیہ دی ہے، کیوں کہ کلمۂ طیبہ ہی عمل صالح کا پھل دیتا ہے جس طرح کہ شجرۂ طیبہ فائدہ مند پھل دیتا ہے۔

حضرت ربیع بن انسؒ نے فرمایا: کلمہ طیبہ سے ایمان مراد ہے اور ایمان شجرۂ طیبہ کے مانند ہے۔اصلها ثابت سے مراد ایمان میں اخلاص، فرعها فى السماء سے مراد اللہ کا خوف و خشیت ہے۔اس تفسیر کو علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اصح اور احسن قرار دیا ہے۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین لابن قیم الجوزیہ، جلد ا۔ صفحہ: ۱۷۱)

امثال کا منہ

دوسری قسم وہ ہے جسے اردو میں کہاوت کہتے ہیں۔اس کی امثال قرآن کریم میں دو طرح مذکور ہوئی ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جو نزول قرآن کے بعد ہی کہاوت بنیں، گویاان کا موجد ہی قرآن ہے مثلاً" هل جزاء الاحسان الاالاحسان "(سورۃ الرحمٰن:۶۰) احسان کا بدلہ احسان کے سوااور کیا ہو سکتا ہے۔ اور" و ان تعفوآ اقرب للتقوی" (سورۃالبقرۃ:۲۳۷) اور تمہارا معاف کر دینا(بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

کہاوتوں کی دوسری قسم وہ ہے جس میں صراحۃ کوئی کہاوت تو مذکور نہیں، مگر آیت کے مفہوم سے نکلتی ہے ،اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں ہیں۔ان مذکورہ دونوں کہاوتوں کو "امثال کا منہ "کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً مضارب بن ابراہیم نے کہا: میں نے حسین بن الفضل سے پوچھا: آپ قرآن کریم سے عرب و عجم کی مثالیں نکالتے ہیں، کیا آپ کو قرآن میں "خیر الامور اوسطها"(معاملات میں میانہ روی بہترین چیز ہے) کے ہم معنی کوئی آیت ملی؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں ملیں۔ جیسے "لا فارض و لا بكر عوان بين ذالك " (سورۃالبقرۃ:۶۸) (وہ ایسا بیل ہو کہ)نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔اور "ولا تجهر بصلاتك و لا تخافت بها و ابتغ بين ذالك سبيلا" (سورۃالاسراء:۱۱۰) اوراپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھئے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے۔ پھر میں نے پوچھا! فی الحرکات البرکات (حرکت میں برکت ہے) اس کے ہم معنی ملی؟ جواب دیا: ہاں ملی، جیسے " و من يها جر فی سبيل الله يجد فی الارض مراغما كثيرا و سعة" (نساء۱۰۰) اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔ پھر میں نے پوچھا "كما تدين تدان "(جیسی کرنی ویسی بھرنی) کے ہم معنی؟ جواب دیا: ہاں ملی، جیسے "من يعمل سوء ايجز به" (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، جلد،۲۔ صفحہ:۲۷۴)

اس طرح قرآن میں سیکڑوں مثالیں ہیں جن سے فہم دین کی راہیں کھلتی ہیں اور مومنین کے لئے شرح صدر کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ قرآن کریم کی مثالیں اور قصص زیادہ غور و فکر سے پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔

☆☆☆

محمد عطاء اللہ

متعلم : چہارم عربی

قرآن اور سائنس کا رشتہ

اس دور کو ترقی پذیر دور سے یاد کیا جاتا ہے، اور اس دور میں جہاں نئے نئے انکشافات وایجادات رونق ہوئے ہیں وہیں سائنس نے بھی خوب ترقیکر کے شہرت حاصل کی ہے، یہ قرآن کے مخالف نہیں بلکہ فہم قرآن میں بہت معاون ہے، آج یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کہ کس لئے صدیوں تک مفسرین قرآن نے (بشمول ان تصانیف کے جو اسلامی تمدن کے انتہائی عروج کے زمانہ میں منصۂ شہود پر آئیں) ناگریز طور پر بعض ان آیات کی توضیح وتشریح کے سلسلے میں غلطیاں کی ہیں، جن کے ٹھیک ٹھیک مفہوم کو امکانی طور پر آج پیش کرنا ممکن ہوا ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ زبان سے مکمل واقفیت ہی بذاتِ خود قرآن کی ان آیات کی تفہیم کے لئے کافی نہیں ہے اس کے ساتھ ہی ضروری ہے کہ سائنس کی بے انتہا گوناگوں معلومات بھی ہونی چاہئے۔ لیکن قرآن کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ ان قوانین کی وضاحت کرے جو کائنات میں کارفرما ہیں بلکہ بنیادی طور پر اس کا مقصد مطلقاً مذہبی اور قومی معلومات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ واقتدار کاملہ کے متعلق بیانات خاص طور پر انسان کو تخلیق کے کاموں پر غور وفکر کرنے کے لئے ابھارتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان واقعات اور حقائق کے حوالے بھی ہوتے ہیں جن تک انسانی مشاہدہ کی رسائی ہے۔ ان دعاوی کا ایک جز تو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے لیکن دوسرے جز کا مفہوم صرف اسی صورت میں مکمل طور پر فہم وادراک میں آسکتا ہے جب کہ اس طرح کی لازمی سائنسی معلومات حاصل ہوں جو اس کے لئے درکار ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قرآنی نظریات محکم اور قطعی ہیں جب کہ سائنسی نظریات تغیر پذیر ہیں۔ آپ کو ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی کہ سائنس ایک مرتبہ جو نظریہ قائم کرتا ہے مزید کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد اس کی شکل ہی بدل جاتی ہے، اس کے برخلاف قرآن نے جو نظریہ ۱۴/ سو سال قبل قائم کیا وہ نظریہ اپنی جگہ برحق ہے اس میں کبھی بھی تغیر وتبدیلی واقع نہیں ہو سکتی، اور نہ ان کے بیان کردہ

واقعات غلط ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود قرآن اور سائنس کے درمیان جو تعلق ہے وہ بنیادی طور پر تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ اور خصوصیت سے یہ بات اس وقت حیران کن ہو جاتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان یکسانیت پائی جاتی ہو، دونوں کے نظریات میں ہم آہنگی ہو، کوئی اختلافِ نظریاتی نہ ہو، آج سائنسدانوں کی اکثریت کا نظریہ صرف اور صرف مادی چیزوں سے وابستہ ہے جس کی بنا پر وہ مذہب اور ان سے متعلق مسائل کے سلسلے میں نفرت اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کو خرافات اور روایات پر مبنی قرار دیتے ہیں، اور جب کبھی مذہب و ملت کی بات آتی ہے اور ان سے متعلق مسائل کا تذکرہ آتا ہے تو یکسر مذہبِ اسلام کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف یہودیت و عیسائیت کے تذکرے پر قناعت کرتے ہیں۔ اس بات کو ہم شروع ہی میں واضح کر چکے ہیں کہ قرآن اور سائنس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ قرآن ہم کو سائنس کی ترقی کی دعوت دیتا ہے اس لئے کہ وہ تمام واقعات و حوادثات جو قرآن میں موجود ہیں، ان تمام واقعات و حوادثات کی تصدیق جدید سائنسی تشریحات و تفصیلات سے ہوتی ہے (بائیبل قرآن اور سائنس ر ۱۸۴)

ایک سائنسی نظریہ اور باقاعدہ طور پر مشاہدہ شدہ واقعہ کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہے۔ نظریہ کا مقصد کسی ایسے حادثہ یا حوادث کے ایسے سلسلے کی تشریح ہونا ہے جو فوری طور پر قابلِ فہم و ادراک نہیں ہوتا بہت سی مثالیں ایسی ہیں جن میں نظریہ میں ردوبدل ہو جاتا ہے اس کی یا تو شکل ہی تبدیل ہو جاتی ہے یا اگر سائنسی ترقی کی وجہ سے یہ بات آسان ہو کہ واقعات کے تجزیے سے ایک زیادہ قابلِ قبول تشریح و توضیح سامنے آجائے تو ایک دوسرا نظریہ اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ چنانچہ یہ بات پوری طرح تسلیم کرلی گئی ہے کہ زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور یہ موضوع اب ایسا ہو گیا ہے کہ اس پر نظرِ ثانی نہیں ہو گی، آئندہ صرف اتنا ہو گا کہ ان مداروں کا زیادہ وضاحت سے تعین کر لیا جائے قرآن کا نظریہ بھی یہی ہے مگر قرآنی نظریات میں نتائج کے لحاظ سے جو عافیت ہے وہ سائنسی تصورات میں نہیں ہے، اگر انسان قرآن کی بتائی ہوئی ہدایات اور ان کے مقرر اور نافذ کردہ اصولوں اور ضابطوں پر عمل کریں تو زندگی سنور جائے گی کبھی اس کی زندگی میں مصائب و آلام نہیں آئیں گے بلکہ وہ خوشی خوشی خوشحال زندگی بسر کرے گا اس لئے کہ قرآن کے اصول کے مطابق تمام انسان برابر ہیں غریب و امیر دونوں میں کوئی فرق نہیں، اسی لئے شریعت نے ان مسلمانوں پر جو مالدار ہیں اپنے مال کی زکواۃ نکالنا فرض قرار دیا ہے تاکہ جس طرح وہ اس دنیا کے اندر خوشحالی کی زندگی گزارتا ہے اسی طرح اس کا غریب بھائی بھی ان کی خوشیوں میں شریک ہو سکے، وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ اور زکواۃ میں یہی ہوتا ہے کہ وہ مالداروں سے لیکر غریبوں پر صرف کیجاتی ہے مگر سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے سب سے پہلے دنیا کو جو چیز دی ہے وہ یہ تھا کہ سرمایہ رکھنے والے گروہ کو ایسے وسائل و ذرائع ہاتھ آگئے جس کے بل بوتے پر وہ چھوٹے کاریگروں اور پیشہ وروں کو ختم کر کے دولت کا تمام

بہاؤ اپنی طرف کرلیں اور عام باشندوں کو محض اپنا محتاج مزدور بنا کر رکھ دیں۔ یہ بہت ہی ہولناک انجام ہے۔

اسی طرح سائنس اور ٹکنالوجی نے جو نظام بنایا ہے وہ کچھ مادی طور پر ہر انسان کو دے دئے مگر خوشی اور اطمنانِ قلب کی دولت پھر بھی سے لہن دیتا۔ ایک مشہور سائنسداں کا اعتراف ہے کہ ہماری دنیا کے جانور خوش و خرم ہیں لہذا انسان کو بھی خوش ہونا چاہئے۔ مگر جدید دنیا میں انہیں یہی نعمت نصیب نہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے صرف مکانوں کو ترقی دی اس نے مکینوں کے دل کا سکون چھین لیا ہے اس نے شاندار بحر المعقول مشینین کھڑی کی ہیں۔ مگر ان مشینوں میں کام کرنے والے انسان کو چین سے محروم کردیا، یہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ۴ر سو سالہ تاریخ کا آخری انجام ہے (علم جدید کا چیلنج ر ۱۱۱) آج ضرورت ہے کہ سائنسی نظریات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھا جائے اور جہاں جہاں ان کی تحقیق اور ان کے نظریات قرآن و حدیث کے خلاف ہوں ان سے لوگوں کو واقف کرایا جائے تاکہ لوگوں کو صحیح حقائق کا علم ہو اور باطل نظریات سے آگاہی ہو۔

محمد تنویر

متعلم : ششم عربی

قرآنی جغرافیہ پر ایک نظر

جغرافیہ کے معنی ہیں، صورت زمین کا علم، لیکن اصطلاحی معنی کرۂ ارض پر بشری زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کی داستان کی تاریخ اور مظاہر قدرت کی تقسیم و تربیت کو کہا جاتا ہے دنیا کے مختلف ملکوں کے طبعی ماحول میں عدم یکسانیت ہے، جس کے سبب مختلف ملکوں کے رہنے والوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عجیب و غریب رنگا رنگی پائی جاتی تھی

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن کریم سارے علوم کا منبع ہے لیکن یہ کوئی مستقل جغرافیہ کی کتاب نہیں اور نہ کسی داستان کی تفصیل ہے، وہ انسانیت کو کامیابی کا راز فراہم کرتا ہے اس کا طریقہ کبھی ترغیب اور کبھی ترہیب کا ہوتا ہے، یعنی دنیا پر گذری ہوئی قوموں کی مختصر سے حالات جن میں انعام واکرام اور کفران نعمت پر مشتمل نصیحت امیز پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے، صفحۂ ہستی پر جتنے پیغمبر تشریف لائے ان سب کی دعوت ایک ہی تھی انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی اور بُرے دن کے عذاب سے ڈرایا تو ان میں سے اکثر نے انکار کیا، تھوڑے لوگ ایمان لائے اور اطاعت اختیار کی تو ان حضرات کے انعام کو قرآن نے جگہ بجگہ بیان کیا ہے، ہم اللہ کے فرستادہ بندوں میں سے چند کا ذکر ان کی قوم کے ساتھ جغرافیائی و تاریخی لحاظ سے کرتے ہیں"

عرب، جغرافیائی پس منظر میں

عرب کا ملک حدود طبعی، صفحۂ زمین کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے، اہل عرب سدا اس کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں، اس کی تصدیق جدید تحقیق سے بھی ہوتی ہے کہ وہ در حقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے، اس سے قریب ترین ممالک مشرق میں فارس جنوب میں ہندوستان مغرب میں حبشہ، سوڈان اور مصر، شمال میں ملک شام اور عراق ہے، عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے مغرب میں بادیہ شام کے بعض حصہ یعنی مقام بلقاء سے مقام ایلہ تک جو عقبہ کے قریب ہے، مغرب اور جنوب میں بحر احمر، مدین اور جدہ سے سواحل یمن تک، اور بحر ہند، عدن اور ظفار سے مہرہ تک اور مشرق میں بحر عمان، خلیج فارس، بحرین سے بصرہ کوفہ تک، شمال میں دریائے فرات و بلقاء تک ہے اس خاکہ سے یقیناً ظاہر ہو گیا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان جنوب میں بحر ہند

مغرب میں بحر احمر مغرب و شمال میں خلیج عقبہ، شام اور فلسطین، اور شمال و مشرق میں نہر فرات واقع ہے۔

ابو الفداء نے تقدیم البلدان میں عرب کی مربع مسافت سات مہینے گیارہ دن بیان کی ہے، جدید تحقیق کی رو سے عرب کی پیائش صحیح طور سے نہیں ہوئی تاہم وسعت کے لحاظ سے عرب کوئی چھوٹا ملک نہیں، وہ جزیرہ نما ہندوستان سے بڑا جرمنی و فرانس سے چار گونہ زیادہ ہے شمال سے جنوب کی جانب یا العریش سے عدن تک طول میں ۱۵۰۰ میل اور مغرب سے مشرق تک عرض میں ۶۰۰ میل ہے اور مجموعی رقبہ ۱۳۰۰۰۰۰ میل مربع ہے (ارض القرآن)

عرب کا ملک اس وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آباد، خشک، ریگستان ہے تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے، جابجا بے آب و گیا صحرا ہے حقیقی دریا کا وجود نہیں عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے تالابوں، اور میدانوں کے تالابوں پر گذر ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے میدانوں میں باد سموم چلتی ہے تو زندگی دشوار ہو جاتی ہے اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے اس کی سب سے بڑی چوٹی ۸۰۰۰ فٹ بلند ہے حجاز کا سب سے مشہور پہاڑ جبل الہدیٰ اور یمن کا کوکبان ہے، جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطح آب سے ۳۰۰۰ فٹ بلند ہے دوسری طرف عرب کی پیداوار میں زیادہ تر کھجور سیب، انجیر اور ہر قسم کے بہترین نوع کے فواکہ پیدا ہوتے ہیں، کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے، حیوانات کے اعتبار سے بھی یہ ملک قابل دید ہے، عرب گھوڑا خوبصورتی اور سرعت میں دنیا کے اندر اپنا مثال نہیں رکھتا اونٹ عرب کی خاص چیز ہے ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے ان کے علاوہ گائے، بیل، ہرن، بکری، شیر اور دیگر جانور بکثرت پائے جاتے ہیں۔

عرب اپنے صوبہ کے اعتبار سے بہت وسیع ہے اور عرب کا ہر صوبہ ایک زمانہ میں تمدن کا پیکر رہا۔ اللہ نے اپنے نبی کو وہاں مبعوث فرمایا انہوں نے توحید و رسالت کی دعوت دی، قوم کے اکثر لوگوں نے ان کو جھٹلادیا اور اپنے مال و دولت، طاقت و قوت پر اترانے لگے چنانچہ اللہ نے جھٹلانے کے پاداش میں ایسی خطرناک سزا دی اور ان کے قلعوں کو ان کے اوپر مسمار کر دیا جو آنے والی قوم کے لئے عبرت و موعظت کا سامان ہو گیا قرآن نے جگہ جگہ ان کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان میں سے چند معروف صوبوں کا جغرافیائی پس منظر درج ذیل ہے۔

حجاز

بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جس کا نام تورات میں فاران بتایا گیا ہے حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کا بندرگاہ ہے اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ کا بندرگاہ ہے اندرون ملک کے بڑے بڑے شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں،

ام القریٰ، مولد النبی ﷺ

مکہ معظمہ جس کا دوسرا نام ام القریٰ ہے، حجاز کا دار الحکومت ہے، یہ شہر ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر آخر الزماں جناب سرکار دو عالم ﷺ کا مولد ہے اس شہر کا عرض ۲۱/ درجہ ۳۸/ دقیقہ اور طول البدل ۴۰/ درجہ ۹/ دقیقہ پر واقع ہے سطح آب سے تقریباً ۳۳۰/ میٹر بلند ہے چاروں طرف پہاڑوں سے قدرتی دیواریں کھینچی ہوئی ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح میں اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کو یہاں لا کر آباد کیا۔ آپ ﷺ کا سلسلۂ نسب حضرت اسماعیل اور پھر حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے، غرض باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا، قرآن نے اس کو "بیت العتیق" کے نام سے موسوم کیا ہے، یہ سارے مسلمانوں کا قبلہ ہے ایام حج میں لوگ دنیا کے کونے کونے سے آتے ہیں اور فریضۂ حج ادا کر کے خدا کو راضی کرتے ہیں اور خوب ثواب لوٹتے ہیں قرآن نے "مکہ" کو وادیٔ غیر ذی زرع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ابرہہ جو لوگوں کی آمد خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر جل اٹھا اس کور مغز کو اس کے نفس نے اس بات پر ابھار دیا کہ اپنے شہر میں ایک گرجا گھر تعمیر کریں اور کعبہ کو ڈھادیں چنانچہ اس نے گرجا گھر تیار کیا اور کعبہ کو منہدم کرنے ایک لشکر جرار لیکر آیا اللہ نے اس کو رسوا کر دیا اور قرآن مجید میں اصحاب فیل کے نام سے ایک مستقل سورت نازل ہوئی۔

یثرب۔ مدینۃ النبی ﷺ

یثرب جن کا نام ہجرت کے بعد مدینۃ النبی رکھا گیا جغرافیائی اعتبار سے یہ شہر سطح سمندر سے ۶۱۹/ میٹر بلند ہے اور طول ۳۹/ درجہ ۵۵/ دقیقہ اور عرض ۲۴/ درجہ ۱۵/ دقیقہ شمال خط استوار پر واقع ہے، مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے عمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آکر آباد ہوئے اس کے بعد قبیلہ آزر کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں، یہ اوس اور خزرج دو وہی قبائل ہیں جن کا نام اسلام میں انصار ہوا اور قرآن نے ان کی بڑی تعریف کی اور کہا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ مدینہ کے اطراف یہودی قدیم زمانہ سے آباد تھے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ایمان کی دعوت ان لوگوں کو دی تو بعض ایمان لائے اور اکثر نے انکار کر دیا جبکہ اللہ نے ان سے تورات میں معاہدہ لے رکھا تھا چنانچہ ان یہودیوں میں سے بعض ایسے بھی تھے جو بظاہر ایمان لائے، دھوکہ اور منافقت اختیار کرنے کے لئے بظاہر اپنا ایمان بتلا کر آستین کے سانپ بن گئے ہمیشہ دھوکہ بازی کیے۔ آپ ﷺ کو تکلیف پہونچانے کی کوشش، وعدہ خلافی و میدان کارزار سے واپسی ان لوگوں کی خاص علامت تھی۔ آپ ﷺ اس شہر میں دس سال رہے۔ یہیں سے ساری دنیا میں اسلام پھیلا جب آپ کی عمر ۶۳ سال

کی ہوئی تو اللہ کو پیارے ہوگئے۔

والی مدین أخاهم شعیباه

دنیا کے اکثر ممالک اپنی آبادی اور قومیت کے بزرگوں کے نام سے موسوم ہیں اسی روایت پر مدین کا نام بھی موسسِ خاندان مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب ہے حضرت مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسماعیل کے پہلو میں قائم کی یہ ملک طولاً خلیج عقبہ کے سواحل پر دبانہ، خلیج سے ساحلِ بحر احمر وارض ثمود و حجاز تک ہے جہاں ثمود و جرھم و عرب اسماعیل آباد تھے، مدین کا آغاز عہد ۲۰۰۰ق م فرض کرتے ہیں پدر مدین حضرت ابراہیم کا زمانہ ۲۲۰۰ق م ہے۔ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کے لئے کم از کم سو دو برس کی موت ہوگی، اسی لئے مدین تورات میں سب سے پہلے عہد یعقوب میں ۲۰۰۰ق م سوداگروں کے بھیس میں نظر آئے ہیں حضرت یوسفؑ کو جو کاروانِ تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا وہ یہی اہل مدین اور اسماعیلی عرب تھے (ارض القرآن)

اللہ رب العزت نے اہلِ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا نبی بنا کر بھیجا قرآنی الفاظ کے ترجمے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں جس سے اس قوم کی تہذیب پر روشنی پڑتی ہے۔

مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، شعیبؑ نے ان کو پیغام سنایا۔اے بھائیو خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے خدا کی جانب سے گواہی آچکی ہے، پیمانہ اور ترازو پورے کرو اور لوگوں کو ان کا حق کم نہ کرو، اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور ہر راستہ پر دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو مت روکو، سیدھی راہ کو ٹیڑھی کرنے کی کوشش مت کرو۔یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو خدا نے تم کو بڑھایا اور بغور دیکھو کہ مفسدین کا انجام کیا ہوا، تم میں تو کچھ لوگ جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان لا چکے ہیں اور بعض نہیں لائے تو اس وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور خدا بہتر فیصلہ کرنے والا ہے،

سرداران قوم میں جو مغرور تھے بولے ہم تم کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے۔یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کرلے۔شعیبؑ نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب بھی۔اگر تمہارے مذہب کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی۔ہم پھر قبول کرلیں تو ہم خدا پر جھوٹ وافترا باندھنے والے ہونگے۔خدا کی مشیت کے بغیر ہم کو پھر تمہارے مذہب میں جانا مناسب نہیں، ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شی پر محیط ہے، ہم نے اس پر بھروسہ کیا ہے، ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔کفر و جرائم پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا اگر شعیب کی تم نے پیروی کی تو

یقیناً تم اس وقت خسارہ اور گھاٹا اٹھانے والے ہو جاؤ گے شعیبؑ کے جھٹلانے والے گویا کہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ تھے اور جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارہ اٹھانے والے رہ گئے یعنی نیست و نابود ہو گئے"

یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سر سبز و شاداب، زیادہ آباد، زیادہ وسیع اور زیادہ متمدن صوبہ ہے۔ یہ قبل از اسلام اور اسلام کے بعد بھی علم و فن کا مرکز رہا، اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے، اس کے عمارات اور قلعوں کے کھنڈرات بہت زیادہ قدیم اور شاندار تہذیب و ثقافت کا پتہ دیتی ہے، یہی وجہ ہیں کہ یمن کے قرب وجوار کی سلطنتوں نے مثلاً روم فارس، اس پر متواتر حملے کر کے اپنے دائرۂ حکومت میں شامل کیا، تاہم اس کے طبعی حدود یہ ہیں جنوب میں بحر عرب مغرب میں بحر احمر شمال میں حجاز، نجد، یمامہ، مشرق میں عمان بحرین ہے تاریخ اور جغرافیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سرزمین کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں۔

بستی ہود

یہ جغرافیائی جھلکیاں ہوئیں، قرآن نے اس سرزمین پر بسنے والوں کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کیا ہے چنانچہ سب سے پہلے اس ملک پر قوم ثمود قابض تھیں قرآن نے ان کا حال جگہ بجگہ بیان کیا ہے قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے، قرآن کریم کے تفسیری خزانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت زبردست قوم تھی، عاد کی نسبت سورہ اعراف میں ہے کہ یہ لوگ نوحؑ کے بعد تھے اور بڑے طاقتور تھے، سورۃ الشعراء میں ہے کہ بلندیوں کی جگہ انہوں نے بڑی یادگاریں بنائی تھیں محلات ایسے مستحکم و مضبوط بنائے کہ شاید ہمیشہ دنیا میں رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے اختیارات بڑے وسیع اور گرفت بہت سخت تھی۔ خدا نے جانور، اولاد، باغات اور چشمے عنایت کئے تھے سورۂ والفجر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شہر ارم تھا جس کے مکانات عالیشان تھے اس کے عماد اور ستون ایسے تھے کہ ان کی مثل دنیا میں قیامت تک کسی شہر میں ملنا مشکل ہے سورہ احقاف میں مذکور ہے کہ یہ لوگ احقاف میں تھے۔ احقاف ریت کے بلند ٹیلے کو کہتے ہیں یہاں مراد یمن ہے ارض میرہ اور عمان کا درمیانی حصہ ہے اسی میں اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو آنکھ، کان اور دل دیا تھا یعنی وہ بڑے بیدار مغز ہوشیار اور دلیر تھے لیکن خدا کے پیغام کو ان لوگوں نے فراموش کر دیا یہ پیغمبر کے ساتھ ظلم وزیادتی کا بازار گرم کیا اس کے پاداش میں چیخ وپکار کا عذاب ان کو آلگا اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔

وادیٔ ثمود

قوم ثمود کی نسبت سورہ اعراف میں ہے کہ یہ قوم عاد کے بعد ان کے قائم مقام اور خلیفہ تھی۔ زمین کی

حکومت ان کی تھی۔ نرم زمین پر انہوں نے قصور و محلات تیار کئے اور پہاڑوں کو کاٹ کر اس میں مکانات بنائے، سورہ الشعراء میں ہے کہ ان کے باغات چشمے اور کھیتیاں تھیں، کھجور کے درخت تھے جن کے خوشے ٹوٹے پڑے تھے، بڑے خوش و خرم اور انتہائی چین و سکون کی زندگی تھی سورہ حجر میں ان کو اصحاب الحجر کہا گیا ہے اور سورہ والحجر میں ان کی جگہ وادی القریٰ بتائی گئی ہے۔ مقام فجر اور وادی القری دونوں جگہیں قریب قریب ہیں بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ تبوک کے سفر پر جب رسول ﷺ مقام حجر پہونچے تو اس کو آپ نے دیار ثمود بتایا، اور منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ اور وہاں سے نکل جانے میں جلدی کی وہاں کا پانی پینے سے منع فرمادیا وہاں کے پانی سے صحابہؓ نے آٹا گوندھا تھا۔ اس کو پھینک دینے یا اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیا قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے مکانات کی نشانیاں رسول ﷺ کے وقت موجود تھیں۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کا ڈر سنایا تو ان لوگوں نے آپ کے نبی ہونے پر اونٹنی کی شکل میں نشانی طلب کی تو آپ نے اللہ سے دعا کی اللہ نے ایک حاملہ اونٹنی پہاڑ سے بر آمد فرمائی پھر بھی انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا پھر اللہ کا عذاب متوجہ ہوا اور پاش پاش کر دیا۔

سبا

قوم سبا کا اصلی مرکزِ حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا اس کا دارالحکومت شہر مارب تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضر موت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ یہ تاجر قوم تھی اس لئے بہت سی بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا تھا۔ اسی سلسلہ میں شمالی عرب میں سبا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، سبا ایک صلح پسند اور پر امن۔ نظریات رکھنے والا ملک تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کے بجائے عمارتوں پر صرف کیا اور امن پسندی میں اپنی ایک تاریخ بنائی قوم سبا کے ابتک جو کتبات ملتے ہیں وہ زیدہ تر انہی عمارتوں کی یادگاریں ہیں، نشوان بن سعید حمیری نے قصیدہ حمیری میں تقریباً ۲۵ر عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے۔

ملک سبا کا مدوجزر

"ملوک سبا کے عروج کمال کی داستان بہت طویل ہے مگر ہم اسی قدر لکھتے ہیں جس قدر قرآن میں صاف و صریح مذکور ہے سبا کے تمدن کا نقشہ خدا نے سورہ سبا کی آیتوں میں بتایا ہے کہ سبا کا عروج جس حد تک پہنچ گیا تھا وہ خود خدا کی قدرت کی نشانی تھی اگر وہ غور کرتے۔ ان کا شہر ہر قسم کی خرابیوں سے پاک و صاف تھا۔ دائیں بائیں باغات کی قطاریں تھیں، جس میں خدا کی عطا کی ہوئی رمق کی انتہا نہ تھی ارضِ سبا سے شام تک مسلسل ملی ہوئی آبادیاں تھی ہر جگہ منازل بنے ہوئے تھے عمدہ کھانا اور اچھے پانی کا سامان ہر جگہ بافراط تھا، رات ہو یا دن ہر وقت سفر

میں امن تھا۔ مسافر کو زادراہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن نے بیان کیا۔

"سبا کے لئے ان کی آبادی میں غور کرتے تو خدا کی نشانیاں تھیں، دائیں اور بائیں دو باغ تھے، حکم تھا کہ خوب کھاؤ خدا کا رزق اور شکر کرو، لطیف شہر رہنے کو ہے اور خدا معاف کرنے والا ہے۔ لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے سیل عرم بھیجا اور ان کے دونوں باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جس میں بدمزہ پھل تھے۔ جھاؤ کا درخت تھا اور بیری کے درخت تھے۔ میں نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو سزا دیتے ہیں، ہم نے سبا اور شام کے درمیان نزدیک نزدیک بستیاں بنادیں اور منزلیں مقرر کردی تھیں کہ رات و دن جب چاہے امن سے سیر کریں" (سورہ سبا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ملک کی مادی اور انتظامی ترقی مرتبہ کمال تک پہنچ گئی تھی۔ شہر کی انتظامی حالت بہت ہی اچھی تھی رمق کی کثرت اور معاشی خوشحالی تھی مگر جب انہوں نے اس پر ناشکری و مرتابی کی تو سیل عرم کی شکل میں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور سارا ملک ریگستان ہو کر رہ گیا، قرآن نے سورہ نمل میں ملکہ سبا (بلقیس) کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے اس کے تمدن کا حال ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسا تھا۔

"ہدہد نے کہا میں نے ایسی بات معلوم کی ہے جس کا علم آپ کو نہیں ہے میں سبا سے ایک صحیح خبر لے کر آیا ہوں، میں میں نے دیکھا کہ اس کی مالکہ ایک عورت ہے جس کو دنیا کی ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں اور اس کے پاس تخت بڑا عظیم الشان ہے، میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم آفتاب کو سجدہ کرتی ہے خدا کے سوا۔ (سورہ نمل)

ملک مصر

مصر براعظم افریقہ کے شمالی مشرقی گوشے میں واقع ہے اس کا رقبہ ۱۰۰۱۴۴۹ مربع کلو میٹر ہے، اس کے شمال میں بحیرۂ روم پھیلا ہوا ہے جبکہ مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان مشرق میں بحر قلزم اور اسرائیل مصر کی سرحد ہے ارضی خدوخال کے اعتبار سے مصر کا علاقہ جو بحر قلزم کے مغرب میں واقع ہے پہاڑی ہے، صحرائے سینا میں جو پہاڑ ہے جس کو کوہ سینا کہتے ہیں وہ سب سے اونچا ہے اس کے نزدیک کوہ طور واقع ہے (جس پر اللہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور نبوت ملی) دریائے نیل کے دونوں طرف ایک تنگ پٹی ہے جس میں سینچائی کا معقول بندوبست ہے نیل کی وادی نہایت زرخیز ہے۔

☆☆☆

ریاض

متعلم : ششم عربی

قرآنی نباتات پر ایک نظر

زمین کے جن پودوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں ان کو دیگر زمینی پودوں پر ایک امتیاز اور برتری حاصل ہے یوں تو تمام نباتات اور پودے خالق ارض و سماء کے پیدا کردہ ہیں لیکن جن چند پودوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کیا ہے ان کا نام ابد الآباد تک کلام الٰہی میں محفوظ ہو گیا اور کلام الٰہی میں ان کا ذکر آنے سے ان کو جو خصوصیت حاصل ہوئی اور جن واقعات کے ساتھ ان کا تذکرہ آیا ان واقعات کی وضاحت میں ان نباتات کی خصوصیتوں کا سمجھنا ایک علمی و دینی ضرورت بن گئی لہذا اس مضمون میں ان چند نباتات کا ذکر کیا جارہا ہے جن کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے قرآن مجید میں آنے والے نباتات کل تئیس ہیں نمبر وار یہ ہے

(۱) زیتون (۲) انجیر (۳) انار (۴) ریحان (۵) طوبیٰ (۶) من
(۷) کھجور (۸) انگور (۹) سدرہ یا بیری (۱۰) جھاؤ (۱۱) شجر مسواک (۱۲) جبا کافور
(۱۳) اورک (۱۴) مسور (۱۵) پیاز (۱۶) لہسن (۱۷) ککڑی (۱۸) ببول
(۱۹) لوکی یا کدو (۲۰) رائی (۲۱) زقوم (۲۲) ضریع (۲۳) برگ

O زیتون

زیتون اور انجیر کا ذکر سورہ تین میں آیا ہے " والتین والزیتون " زیتون کا نباتاتی نام Oleaeuropaea ہے یہ ایک چھوٹا سا درخت ہے جس کی اونچائی ۲۵ فٹ ہوتی ہے اس کی پیداوار قلم لگا کر کی جاتی ہے کیوں کہ بغیر قلم لگائے ہوئے پودے اچھے پھل نہیں دیتے ان کے کچے پھل چٹنی اور اچار کے کام میں لائے جاتے ہیں جب کہ پکے ہوئے پھل انتہائی شرین و رلذیز ہوتے ہیں حدیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے زیتون کی بابت حضور ﷺ نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کرو اور مالش میں بھی اس لئے کہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے روغن زیتون چراغ کی روشنی کے لئے زمانہ قدیم سے بہت مشہور اور بڑا اہم رہا ہے عمدہ قسم کا تیل نہایت شفاف ہوتا ہے اسے اگر کسی صاف برتن یا گلاس کی قندیل میں رکھ دیا جائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ کوئی شئی ہے جو خود ہی روشن ہے اور اگر اس سے چراغ جلایا جائے تو ایسا لگے گا گویا کہ نور سے نور نکل رہا ہے

(نباتات قرآن، صفحہ: ۳۸)

انجیر

اس کا قرآنی نام تین ہے اردو پنجابی بنگالی اور ہندی میں انجیر ہے اس کا نباتاتی نام Ficuscorica ہے تفسیر ماجدی میں ہے کہ تین، زیتون، طور سنین اور بلد الامین در اصل چار شریعتوں کی طرف اشارے ہیں "البد الامین" کا حوالہ شریعت محمدی ﷺ کی جانب ہے طور سنین کا مطلب شریعت موسوی ہے اور زیتون کا مفہوم سچی مواعظہ ہیں حضرت عیسیٰ نے اپنا مشہور وعظ کوہ زیتون پر ہی ارشاد فرمایا تھا اور انجیر کا اشارہ بعض علماء عصر کے خیال میں ہندوستان کے مہاتما گوتم بدھ کی طرف ہے۔

انجیر ایک عمدہ میوہ ہے جس میں فضلہ نہیں ہوتا ہے اسی لئے طویل بیماری کے بعد صحت یابی کے دوران انجیر کھانا بہت مفید سمجھا جاتا ہے یہ طبعیت کو نرم کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے اس کے خشک پھلوں میں پچاس فیصد سے زائد شکر ہوتی ہے۔ نباتات (قرآن، صفحہ: ۵۹)

انار

اسی طرح سے قرآنی پھلوں میں سے ایک انار کا پھل بھی ہے قرآنی نام "رمان" اور فارسی اردو ہندی اور پنجابی نام انار ہے اور نباتاتی نام Punicagranalum ہے انار ایک حیرت انگیز پودہ ہے پھل سمیت اس کے ہر حصے کے طبی فوائد مسلم ہیں انار کے دانوں کا رس ایک ہلکی اور فرحت انگیز غذا ہے جو دل کے امراض میں مفید ہے میٹھا انار قبض کشا ہوتا ہے جبکہ تھوڑی سی کھٹاس والے انار کے دانے معدہ کے ورم اور دل کے درد کے لئے لاجواب دوا اور ٹانک ہے تیار شدہ شربت Dyspepsia جیسے معدہ کے رگوں میں فائدہ کرتا ہے اسہال یا حونی پیچش میں مبتلا مریضوں کے لئے پچاس گرام انار کا رس ایک بہترین علاج بھی ہے اور کمزوری دفع کرنے کا طریقہ بھی انار کا پھل دل و دماغ کو اس حد تک فرحت اور تازگی بخشتا ہے کہ ایک پیغمرانہ قول کے مطابق اس کے استعمال سے انسان میں بغض اور حسد کا مادہ زائل ہو جاتا ہے انار کے جڑ کی چھال ایک ایسی بے مثال دوا ہے۔ جیسے پانی میں ابال کر مریض کو پلانے سے Tapworm سمیت پیٹ کے سارے کیڑے ختم ہو جاتے ہیں نیز ایسا ابلا ہوا پانی (ٹی۔بی T.B) اور پرانے بخار کو ختم کرنے میں مؤثر ثابت ہوا ہے مزید بر آن ملیریا کے بعد کی کمزوری کو بھی دور کرتا ہے انار کے پھلوں سے ایک لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے جو غذائی اشیاء میں استعمال کیا جاتا ہے انار کے پھل اسقاط حمل کو روکنے کی دوا ہے انار کے پھل کا چھلکا بھی طبی اہمیت کا حامل ہے دودھ میں چلکا ابال کر پلانے سے پرانی خونی پیچش کے مریض کو فوراً افاقہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نعمتوں میں انار ایک بڑی نعمت ہے جس کی بابت خدائے برتر نے فرمایا" فیھا فاکھة و نخل و رمان ط فبای الاء ربکما تکذبان "

ریحان

خدا کی عجیب قدرت دیکھئے کہ قرآن شریف میں ایک سورہ کا نام رحمٰن ہے جس کی پہلی آیت بھی اسم رحمٰن

سے شروع ہوتی ہے اسی طرح سے ایک وہ لفظ ہے کہ اگر رحمٰن کے حرف میم کو حذف کر دیا جائے اور اس کے بدلے حرف حاء سے پہلے حرف یاء ملا دیا جائے تو یہ ایک پودہ کا م ہو جاتا ہے جس کو اردو میں سبزہ ہندی میں اور عربی میں ریحان کہا جاتا ہے جس کے متعلق آیت قرآنی ہے "والحب ذوالعصف الریحان فبای الاء ربکما تکذبان " ریحان کے متعلق آیت مولانا دریابادیؒ نے تفسیر ماجدی میں لکھا ہے کہ زیتون سے ایسی چیزیں بھی نکلی ہیں جن کی براہ راست غذائی اہمیت نہیں ہے لیکن خوشبو کے لئے بہر حال انسان کے کام آتی ہے اس کا پھول اور پتی دونوں خوشبودار ہوتے ہیں ریحان کے پھول اور پتیاں آنکھوں اور دلوں کو نور اور سرور پیدا کرتے ہیں سائنسی اعتبار سے ریحان وہ پودہ ہے خود رو ہوتے ہیں اور کاشت بھی کیا جاتا ہے اور ریحان کی بیج انتہائی لعاب دار ہوتی ہے جریان اور پیچش جیسے امراض کی بہترین دوا ہے اس کے علاوہ کھانسی میں بھی فائدہ مند ہیں اور اس کی پتیوں کو ہاتھ پر رگڑ کر زخم پر لگانے سے زخم ختم ہو جاتا ہے جس کا خوب تجربہ کیا گیا

طوبیٰ

خصوصیت و اہمیت والے پودوں میں سے ایک پودہ طوبیٰ بھی ہے یہ قرآنی نام ہے اور انگریزی نام Treebleseed ہے اور اس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس لفظ کا معنی جنت کے ہیں کہ اس لفظ کی بنیاد ہندوستانی لفظ پر ہے اس کے معنی بھی جنت کے ہیں جو انتہائی بلند اور سایہ دار ہے ایک حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہتے ہیں اسی طرح طوبیٰ کا مفہوم ایسے درخت سے لیا جاتا ہے جو سدر کی طرح باعظمت اور شاندار ہے (نباتات قرآن، صفحہ: ۱۴۵)

بہر کیف قسام ازل نے اپنی تمام مخلوقات کو اقسام ثلاثہ میں مربوط رکھا ہے (۱) (حیوانات) لفظ حیوانات کے تحت ساری چیزیں آجاتی ہے جس میں روح نمو بالیدگی اور قوت ادراک بھی پائی جاتی ہے جیسے انسان جانور (۲) جمادات) اس کے ذیل میں وہ تمام مخلوق پائی جاتی ہے جس میں نہ تو روح پائی جاتی ہے اور نہ ہی نمو اور بالیدگی پائی جاتی ہے جیسے پہاڑ پتھر مٹی وغیرہ مخلوقات کی تیسری اور آخری قسم (۳) نباتات ایک ایسی مخلوق ہے جس میں زمین کے اگنے نمودگی اور بالیدگی کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے درخت پھول پودے وغیرہ انہی نباتات میں سے کچھ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں کیا ہے جس میں بطور رمشت نمونہ از خروارے کہ ذکر کیا گیا ہے جس کے اندر بے حد و حساب فوائد ہیں جنہیں متنوع امراض میں بطور علاج و دواء کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ساری چیزیں اپنے مخلوق ہونے اور اپنے خالق کے وجود بھی دلالت کرتی ہیں کہ ہمارا بھی کوئی خالق و مالک ہے جو زمین کا سینہ چاک کر کے ہمیں باہر نکالتا ہے!

ہر گیا ہے کہ از زمین روید وحدہ لا شریک لہ گوید

محمد حمید اللہ

متعلم : ششم عربی

تفاسیرِ قرآنی میں اسرائیلی روایات

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ دستور عمل رہا ہے کہ دنیا میں جب بھی بگاڑ و فساد کی آندھیاں چلیں تو ان کے استیصال کے لئے انبیاء اور رسل کو ہادی و مبلغ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور انمیں بعض کو نئی شریعتیں عطا فرما کر بعض سے ممتاز کیا۔ ان میں بعض کو کتابیں اور بعض کو صحیفے عطا فرمائے اور یہ سلسلہ برابر چلتا رہا، نبی آخر الزماں ﷺ پر آکر ختم ہو گیا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ رب العزت نے ان کتب سماویہ کے نازل کرنے میں اہلِ زمانہ کی رعایت کی ہے کہ کما قال: لکل جعلنا منکم شرعة و منها جا اسی اعتبار سے آپ ﷺ کو آخری رسول اور قرآن مجید کو آخری آسمانی کتاب بنا کر ساری انسانیت پر احسان کیا۔

جہاں تک بقیہ کتابوں اور صحائف کا معاملہ ہے انمیں کے اکثر معدوم اور نایاب ہیں۔ آج ہمارے سامنے صرف توراۃ اور انجیل اور ان دونوں کے ماننے کے دعویدار یہودی اور عیسائی موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے صحیح اور غیر صحیح کا معاملہ ہے تو اہلِ توراۃ کے متعلق کہا گیا۔ تجعلوا نه قراطیس تبدونها و تخفون کثیراً تو کہیں یحترفون الکلم عن مواضعه و نسواحظاً مما ذکروا به سے حقیقت کا انکشاف کیا گیا۔ اور اہلِ انجیل کے متعلق قالوا انا نصاریٰ اخذنا میثاقهم فنسوا حظا مما ذکروا به کے ذریعہ سے حقیقتِ حال کو واضح کیا گیا۔

جہاں تک آخری کتاب قرآن مجید ہے وہ اس جیسے کتر و بہونت حذف و اضافہ سے محفوظ ہے کیوں نہو جبکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود مالک الملک نے لی ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ قیامت تک یہ کلام اللہ محفوظ رہے گا۔ ارشاد گرامی ہے۔"انا له لحافظون ۔ لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه " اس سے پتہ چلا کہ قرآن غیر محرف اور غیر متبدل ہے اس کے بعد حدیث رسول ﷺ کو شرح کی حیثیت اور خود رسول پاک کو شارح کی حیثیت حاصل ہے۔ لہذا اس کو بھی غیر محرف اور غیر متبدل ہونے کی حیثیت حاصل ہے مزید اس لئے بھی کہ " ان هو الاوحی یوحی " کہا گیا اب مرجع کی حیثیت قرآن مجید اور حدیث شریف اور ضمناً اجماع و قیاس کو حاصل ہے۔

اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ترکت فیکم ثقلین لن تضلوا بعدها

کتاب اللہ و سنتی (حاکم) اس لئے علمائے اسلام نے ان دونوں کی حفاظت کے لئے کچھ حدود مقرر کئے اور ایسے قواعد بیان کئے جن سے صحیح غیر صحیح سے ممتاز ہو جائے۔ روایتوں کے لئے کچھ اصول بنائے اور راویوں کے لئے کچھ شروط مقرر کئے۔ انہیں حدود و شروط کی بنا پر دین کے اصل اور صحیح حصہ کو غلط اور باطل کی آمیزش سے پاک کیا لیکن ان حدود کا مقرر کرنا اور دینِ اسلام سے غلط اور باطل کی آلائش کو دور کرنا چھٹی ساتویں صدی ہجری میں ہوا اس سے قبل کیا ہوا؟

(ماخوذ من الاسرائیلیات بتصرف یسیر)

دشمنانِ اسلام کی سازش

اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی میں سب سے آگے یہودی تھے۔ انہوں نے چاہا کہ قرآن کی اس بے لوث صداقت کو داغدار بنائیں لیکن ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن میں تحریف و تبدیل کی جسارت کریں البتہ انہوں نے ایک زبردست سازش یہ کی کہ قرآن میں جو واقعات مختصر و مجمل ہیں۔ ان کی تفصیلات میں غلط، گندے، جھوٹے، مہمل، خلافِ عقل، محیر العقول کہانیاں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دئے تاکہ قرآن کے ان مختصر مجمل واقعات کے ساتھ ساتھ ان تفصیلات کو بھی ذکر کیا جائے اس طرح اسلام اور قرآن کی بے لوث صداقت کو داغدار بنائیں۔ ان شرارت پسند لوگوں میں ایک عبداللہ ابن سبا ئیس کا درجہ رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ علماء کرام اسرائیلیات کی تعریف میں منافقین۔ مشرکین اور دشمنانِ اسلام کی جانب سے گھڑے ہوئے واقعات کو بھی شامل کرتے ہیں۔ مثالوں میں ایک اور نام آتا ہے جس کو حافظ ابو عمرو بن صلاح نے "علومِ حدیث" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ابو عصمہ بن نوح بن مریم نامی ایک شخص تھا جو سورتوں کے فضائل بیان کرتا تھا اور سند بعض صحابہؓ کی جانب منسوب کرتا جب اس سے پوچھا جاتا کہ کیوں ایسے کرتے ہو تو کہتا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن کو چھوڑ کر فقہ حنفی میں مشغول ہو رہے ہیں تو میں نے یہ حدیثیں گھڑی ہیں۔ کما قال۔"قیل له من این لك عن عکرمه عن ابن عباس فی فضائل القرآن سورة سورة فقال رایت الناس قد اعرضوا عن القرآن و اشتغلوا بفقه ابی حنیفةؒ و مغازی محمد ابن اسحٰق فوضعت هذه الاحادیث حسبة "

(علوم الحدیث ، ص : ۴۷-۴۸۔ حاشیہ اسرائیلیات ، ص : ۷)

چونکہ ایمان لانے والوں میں بعض علماء اہلِ کتاب جیسے عبداللہ ابن سلام وغیرہ تھے۔ اہلِ اسلام کو جب انبیاء سابقہ کے متعلق کچھ پوچھنا ہوتا تو ذوق اور دینی جذبہ کی بنیاد پر اہلِ کتاب علماء سے دریافت کرتے لیکن نہ تو پوچھنے والوں کو ان کی سچائی کا یقین تھا اور نہ ہی سنانے والوں کو ایمان ان پر اسلام لانے کے بعد رہ گیا تھا۔ اسی طرح یہ باتیں آگے بڑھتی گئیں۔ صحابہ تابعین کو تابعین تبعِ تابعین کو سناتے دوسری تیسری صدی بیت گئی۔ اس کے بعد فن تفسیر ایک الگ فن قرار پایا، جب کتابیں لکھی گئیں تو انمیں انہیں قصے اور کہانیوں کے رواۃ صحابہ، تابعین اور تبعِ تابعین ٹھہرائے گئے۔ بعض مفسرین متقدمین نے انہیں محیر العقول واقعات کو دلچسپی یا غفلت کی بنیاد پر تلاش کر کے

دسیوں صفحے سیاہ کئے۔ ایسے ہی بے بنیاد خلافِ عقل، خلافِ فطرت اور بے سند قصوں کو اسلامی اصطلاح میں اسرائیلیات یا اسرائیلی روایات کہا جاتا ہے" جس کا اصل منبع و سرچشمہ حقیقتاً قومِ یہود ہے۔
(مفہوم تفسیروں میں اسرائیلی روایات)

اسلامی اصطلاح میں اسرائیلی روایات

حقیقتاً اسرائیلی روایات اسلامی اصطلاح کی روشنی میں بے سند قصوں اور بے بنیاد واقعات کو کہا جاتا ہے۔ اور لفظ "اسرائیلی" میں نسبت اسرائیل کی جانب ہے۔ جو حضرت ابوالاسباط کا لقب ہے انہیں کی جانب یہود منسوب ہیں۔ جیسے "التفسیر و المفسرون" کے مصنف علامہ محمد سید حسین الذھبی نے "الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث" میں فرمایا۔ وھی قصة اوحادثة والنسبة فیھا الی اسرائیل و ھو یعقوب ابن اسحاق ابن ابراھیم ابو الاسباط الاثنی عشرو الیه ینسب الیھود۔

(الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث ، ص: ۱۹)

مذکورہ تعریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسرائیلی روایات سے مراد صرف قصص اہلِ کتاب ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ علمائے تفسیر نے بیان کیا ہے کہ قصص اہلِ کتاب کے علاوہ دشمنانِ اسلام کی جانب سے جن چیزوں کی آمیزش ہوئی ہے ان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا۔ ان کان یدل بظاھرہ علی القصص الذی یروی اصلاً عن مصادر یھودیه ۔ بل توسع بعض المفسرین و المحدثین فعدوا من الاسرائیلیات مادسه اعداء الاسلام من الیھود و غیرھم علی التفسیر والحدیث من اخبار لا اصل لھا فی مصدر قدیم

(الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث ، ص:۲۰)

اور ایسے ہی "المدرسة العقلیهِ والحدیثة فی التفسیر" والوں نے بھی صفحہ ۳۱۲ جلد ۱ پر لکھا ہے یراد بالاسرائیلیات ماھو اعم من لفظھا (الخ)۔

غیر اسرائیلیات کو اسرائیلیات میں شامل کرنے کی وجہ

علمائے تفسیر نے کتابوں میں یہ وجہ لکھی ہے کہ اس جیسے باطل خرافات بے سند باتیں بیان کرنے میں یہود اول نمبر پر تھے لہٰذا غیر اسرائیلیات کو بھی انہیں میں شامل کر لیا گیا۔ کما قال صاحب اسرائیلیات ..... لان غالب ما یروی من ھذہ الخرافات و الا باطیل یرجع فی اصله الی مصدر یھودی والیھود قوم بھت اشد الناس عداوة و بغضا للاسلام و المسلمین کما قال تعالیٰ لتجدن اشد الناس عداوة الذین آمنوا الیھود (الخ)

(الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث ، ص:۲۱)

تفاسیر قرآنی میں اسرائیلی روایات کیسے؟

مختلف کتابوں کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں اہلِ کتاب عرب میں آبسے تھے تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے اٹھالئے گئے تو اہلِ کتاب ملک شام سے خروج کر کے عرب میں آئے۔ جب آئے تو اپنے مذھبی اور ثقافتی طور طریق کو ساتھ لے آئے۔ اور ان طور و طریق کی حفاظت کے لئے عرب میں کچھ مراکز بھی قائم کئے۔ اور عبادت خانے بھی بنوائے اور ان عبادت خانوں میں اس کے مذہبی علماء اپنے روایات کو بیان کرتے جو ان کے درمیان خاندان در خاندان پشت در پشت چلے آرہے تھے۔ اور اہلِ عرب اپنے کاروبار اور تجارتی سلسلہ میں سفر کے عادی تھے جاڑوں میں یمن کی طرف اور گرما میں شام کی طرف سفر کیا کرتے تھے ان دونوں ملکوں میں یہودیوں اور عیسائیوں سے سابقہ پڑتا۔ اندرونِ ملک تو یہودی ان کے پڑوسی ہیں ہی اور اسفار میں غیر ملک سے میل جول چلتا رہا اور اہلِ عرب اپنی بدویت اور جہالت کی وجہ سے ان کی تہذیب و تمدن سے مرعوب ہوگئے۔

ظہورِ اسلام

اسی دوران مطلع عرب سے خورشید اسلام طلوع ہوا خدا کی آخری کتاب نازل ہوئی اسلامی دعوت عرب میں عام ہونے لگی مدینہ کو اسلامی مرکز ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہوا۔ مسجد نبوی تعلیماتِ اسلامی کا سرچشمہ بنی جہاں حضورِ اکرم ﷺ صحابہ کرام کی دینی تربیت فرماتے تھے اس کا چرچہ مدینہ اور اس کے اطراف میں زور و شور سے ہونے لگا مسلمانوں کی خبریں دینی سرگرمیوں کی اطلاع ایک نئے دین، ایک نئے پیغمبر کا ظہور اور اس کی تعلیمات کے عام ہونے کا تذکرہ مدینہ کے اطراف میں آباد یہودیوں کے کانوں تک پہنچنے لگا جو مدینہ سے تھوڑی دور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے قبیلے آباد تھے۔ اور اسی طرح خیبر، تیما اور فدک کی یہودی آبادی میں دعوت اسلام کے چرچے ہونے لگے۔ وہ اسلام کی کامیابی پر اور اپنی تہذیبی مغلوبیت پر تلملانے لگے "صحابہ کرام اور یہودیوں کے درمیان معاشرتی ضرورتوں کی بنا پر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں لیکن یہ بالعموم دنیاوی حیثیت رکھتی تھیں۔ کبھی علمی اور مذہبی گفتگو بھی آپس میں ہو جاتی۔ آپ ﷺ بھی ان سے دعوت اسلام کی بنیاد پر ملاقات کرتے اور وہ بھی آپ ﷺ کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آتے اس طرح کچھ اہلِ کتاب ایمان لائے اور عام مسلمانوں میں قبولیت عامہ حاصل کی اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ اسی بنیاد پر جب قرآن کی کوئی آیت مجمل نازل ہوتی تو صحابہ کرام ان سے مزید واقعہ کی تفصیل کے لئے جذبہ ایمانی اور شوق کی وجہ سے دریافت کرتے اور وہ انہیں تفصیلات کو بتلاتے جو قبل از اسلام ان کے درمیان مشہور تھیں، یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن میں انبیاء بنی اسرائیل کے واقعات مجمل ہیں ان کی تفصیلات میں انہیں اہلِ کتاب علماء کا اکثر حصہ ہے۔

اصل ظالم کون ؟

اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ یہی صحابہ تفصیلات بتلانے والے ان واقعات کو گھڑتے ہوں۔ حاشا کلا ہر گز ایسا نہیں وہ تو علمائے اسلام اور تمام امت کے نزدیک ثقہ ہیں۔ بلکہ اصل ظالم تو وہ ہیں جو توراۃ و انجیل کے اندر تحریف و تبدیل کر کے ان کی صداقت کو ختم کر دیئے ہوں اور جھوٹے واقعات کو ان میں مخلط کر دیئے ہوں اور عوام میں پھیلا دئے ہوں۔

فنِ تفسیر مستقل فن کب قرار پایا؟

فنِ تفسیر با قاعدہ ایک فن کی حیثیت سے تیسری صدی کے آخر میں جانا پہچانا گیا۔ تیسری صدی نصفِ اول تک صرف صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کے مجموعے تیار ہوئے اور یہ مجموعے تنقید و تبصرہ سے خالی تھے۔ تیسری صدی کے آخر میں محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے "جامع البیان فی تفسیر القرآن "۳۰ جلدوں میں ایک نئے طرز کی تفسیر لکھی جس میں بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی، اعراب و قرأت پر بحث کیا اور الفاظ و معانی متعین کئے اس لحاظ سے فنِ تفسیر میں پہلی کتاب "جامع البیان فی تفسیر القرآن " کے نام سے (۳۰ جلدوں میں) موسوم ہے ۔

ان بے بنیاد واقعات کا حد سے تجاوز کرنا

اسلامی تاریخ میں بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں ان کا بڑا حصہ انہیں علمائے اہلِ کتاب کے ذریعہ اسلامی تاریخ میں داخل ہو گیا۔ اس میں ہر طرح کے رطب و یابس قصے اور کہانیاں آگئیں پھر یہی بے سند اور بے بنیاد قصے تفسیر کی کتابوں میں شامل ہو گئے۔ قدیم تفسیروں میں مقاتل بن سلیمان یا ابن جریر طبری کی تفسیریں بطورِ مثال کے پیش کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح اور دیگر اہلِ علم نے بھی ان واقعات اور قصص کو اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ ان اسرائیلی روایتوں نے واقعات و قصص سے تجاوز کر کے بحث و مناظرہ اور علم کلام پر اثر ڈالا اور بہت سے ایسے عقیدے مسلمانوں میں آگئے جن کا اصل سرچشمہ یہودی ہی ہیں اس کی ایک مثال کامل ابن اثیر کی ساتویں جلد ص ۲۶ پر ہے خلقِ قرآن کا عقیدہ جس نے ایک زمانہ میں اسلامی دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا انہیں یہودیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے ایک طبقہ میں آیا تھا۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں احمد بن ابو داؤد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خلق قرآن کا مدعی تھا۔ اس نے یہ عقیدہ بشر المریسی سے لیا بشر نے جہم بن صفوان سے اور جہم نے جعد ابن درہم سے اور جعد نے ابان بن سمعان سے اور ابان نے لبید بن اعصم کے بھانجے اور داماد طالوت سے لیا اور طالوت نے یہ عقیدہ خود لبید ابن اعصم سے لیا یہی لبید وہ یہودی ہے جس نے آپ پر سحر کیا تھا اور ایک عرصہ تک اس سحر کا اثر رہا لبید خلقِ قرآن کا دعویدار تھا۔ (تفسیروں میں اسرائیلی روایات ۱۵)

ابن خلدون نے اپنی کتاب کے ایک مقدمہ میں لکھا ہے کہ ان اسرائیلیات کے اسلامی تاریخ میں داخل

ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علمائے متقدمین نے تفسیریں لکھنا جب شروع کیا تو ان کے سامنے روایات کا جو ذخیرہ تھا وہ بلا تحقیق تھا۔ ان روایات کے بلا تحقیق ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اہلِ کتاب جب عرب میں آئے تو عامی زندگی اختیار کئے اور اپنے پُرانے روایات کو عام انداز میں (جو ہر ملک کے گاؤں میں چوپایوں پہ کچھ کہانیاں ہوتی رہتی ہیں) بے مقصد بیان کرتے تھے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنانِ اسلام اور مشرکین و منافقین اسلام میں تحریف کی جسارت تو نہ کر سکے مگر اس طرح کے غلط توہمات اور بنیاد واقعات کو عام کر کے اسلام کو بگاڑنا چاہا جنہیں نفاق اور ظاہری محبت کی بنیاد پر قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔

اسرائیلیات کی ایک جھلک

اسرائیلی روایات جو متقدمین کی تفسیروں میں ملتی ہیں ان میں غرانیق کا واقعہ جس کو علامہ جلال الدین محلی متوفی ۸۶۴ھ حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ ابن جریر طبری ۳۱۰ھ نے نقل کیا ہے۔ عن سعید بن جبیرؓ قال قرأ رسول الله ﷺ بمكه ، و النجم ، افرأيتم اللات والعزىٰ ۔ و مناة الثالثة الاخرىٰ ۔ قال القى الشيطان على لسانه تلك الغرانيق العلا ۔ و ان شفاعتهن لترتجى۔ اور اس جیسے زینب بنت جحش اور آپ ﷺ سے ان کی شادی کا قصہ جس کو علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ متقدمین کے حوالے سے روح المعانی، جلد ۲۔ صفحہ: ۲۳ پر ذکر کیا ہے۔ ان النبی ﷺ اتى بيت زيد فراى زينب و هى جالسة و سط حجرتها تسحق طيبا بفهرلها فلما نظر اليها قال سبحان خالق النور تبارك الله احسن الخالقين فرجع فجاء زيد فاخبرته الخبر فقال لها لعلك و قعت فى قلب رسول الله فهل لك ان اطلقك حتى يتزوجك رسول الله ﷺ فقالت اخشى ان تطلقنى ولا يتزوجنى فجاء الى رسول الله فقال له اريد ان اطلق زينب فاجابه بما نص الله، علامہ سید حسین الذھبی فرماتے ہیں انما هى اخبار من صنع اعداء الاسلام ضعوا ها بخبث نية و سوء طوية ثم دسوها على التفسير و الحديث ليفسدوا بها عقائد المسلمين

اس جیسے سینکڑوں روایات ہیں جن کو علمائے تفسیر نے اپنی کتابوں میں قلم بند کیا ہے خصوصاً علامہ آلوسی تیرھویں صدی کے محقق اپنی لیاقت اور علوم و فنون میں مہارت کی بنیاد پر تمام متقدمین کی تفسیریں سامنے رکھ کر بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور جو خلاف عقل محیر العقول روایات ہوں ان کی تردید بھی کرتے ہیں۔ جبکہ وہ بے سند ہوں یا مخالف شریعت محمدی ہوں۔

اسرائیلیات کی قسمیں

علامہ ذہبی نے اسرائیلیات کی مختلف اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) صحیح عدم صحیح اس کے اعتبار سے پھر دو قسمیں ہیں (۱) ضعیف (۲) موضوع (۲) اپنے موضع کے اعتبار سے اس کی پھر تین قسمیں ہیں۔ (۱) جنکا تعلق عقائد سے ہو (۲) جن کا تعلق احکام سے ہو۔ (۳) جن کا تعلق

واقعات و مواعظ سے ہو۔ (۳) شریعت محمدی کے موافق و مخالف ہونے کے اعتبار سے اس کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) جو شریعت محمدی کے موافق ہو (۲) جو شریعت محمدی کے مخالف ہو (۳) جو موافق اور مخالف سے خاموش ہو۔ ان روایات کے احکام سے قبل ان روایات کو بیان کرنے میں جواز عدم جواز کو ملاحظہ فرمائیں۔

عدم جواز کے دلائل: عن ابی هريرةؓ قال كان اهل الكتاب يقرؤن فى التوارة بالعبرانية و يفسرونها بالعربية لاهل الاسلام فقال النبیﷺ لاتصدقوا و لاتكذبوا و قولوا امنا بالله و ما انزل الينا (رواه البخارى فى صحيحه فى كتاب التفسير)

(۲) عن عبد الله بن عباس قال يا معشر المسلمين كيف تسألون اهل الكتاب و كتابكم الذى انزل على نبيهؐ احدث الاخبار بالله تقرؤنه لم يشب و قد حدثكم الله ان اهل الكتاب بدلوا ما كتب الله و غيروا بايديهم الكتاب فقالوا هذا من عند الله ليشتروا به ثمناً قليلا ۔

(رواه البخارى فى كتاب الشهادة)

(۳) عن عبد الله ابن مسعودؓ قال لاتسألوا اهل الكتاب فانهم لن يهدوكم و قداضلوا انفسكم فتكذبوا بحق او تصدقوا بباطل (فتح الباری ج ۱۳/ ص ۲۵۹)

ان روایات سے اس بات کا پتہ چلا کہ اہل کتاب کی روایات کو بیان نہ کیا جائے۔ اس کے بعد جواز کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

جواز کے دلائل: (۱) قال الله تعالىٰ فان كنت فى شك مما انزلنا اليك فاسئل الذين يقرؤن الكتاب من قبلك ۔

(۲) عن عبد الله ابن عمروا النبی ﷺ قال بلغوا عنى و لوآية و حدثوا عن بنى اسرائيل ولا حرج و من كذب على متعمداً فليتوأ مقعده من النار

(رواه البخارى فى كتاب احاديث الانبياء)

(۳) قال تعالىٰ مخاطب لنبيهؐ فاوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صدقين ۔

ان دونوں طرح کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہ سب منع تھا آپ ﷺ نے خود منع فرمایا تھا جب اسلام کو خوب غلبہ ہوا اور ترقی ہوئی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

مولانا امیر ادروی اپنی کتاب میں حافظ ابن حجر کا قول نقل فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ ابتداء میں آپ نے ان کی کتابیں پڑھنے اور ان کی روایتوں سے منع فرمایا تھا لیکن جب اسلامی احکام اور دینی مسائل مستحکم ہو گئے اور اصول دین سے ہر شخص واقف ہو گیا تو پھر آپ نے اجازت دیدی کیوں کہ اب کسی فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ رہا۔

(فتح الباری ، ج ٦۔ ص : ۳۸۸)

اسرائیلی روایات کا حکم : اب حکم ملاحظہ فرمائیں (۱) جو روایات شریعت محمدی کے موافق ہو ہم ان کی تصدیق کریں گے اور ان کو بیان کرنا بھی جائز ہے۔ ان ماجاء موافقا لما فى شرعنا صدقناه و جازت

روایته (الاسرائیلیات)

(۲)جو روایات شریعت محمدی کے خلاف ہوں ہم ان کی تکذیب کریں گے اور ان کو بیان کرنا حرام ہے مگر یہ کہ باطل قرار دینے کے لئے ہو و ما جاء مخالفا لما فی شرعنا کذبناه و حرمت روایته إلاببیان بطلانه۔

(۳) اور جو روایات شریعت محمدی کے موافق ہوں اور نہ مخالف ہوں بلکہ سکوت ہوں تو امن کے متعلق ہم توقف کریں گے۔نہ ان کی تصدیق کریں گے نہ تکذیب اور ان کو بیان کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان جیسے روایات عقائد واحکام سے تعلق نہیں رکھتے۔ وما سکت عنه شرعنا تو قفناه فلا تحکم علیه بصدق ولا بکذب و تجوز روایته لان غالب ما یروی من ذالك راجع الی القصص والاخبار لا الی العقائد و الاحکام۔ (الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص: ۶۸)

قال ابن تیمیة فی مثل هذا القسم الثالث اسماء اصحاب الکهف و لون کلبهم و عدتهم و عصی موسی من ای شجر کانت الخ۔

(و بمثله قال ابن تیمیه فی مجموع الفتاوی ج ۱۳ ص ۳۶۶ و فی مقدمه اصول التفسیر ص ۲۶۔۲۸)

☆

☆☆☆

☆☆☆☆☆

محمد شرف الدین
متعلم : کلیۃ اللغۃ (اول)

قرآن اور انسانی مسائل کا حل

قرآن کریم وہ بحرِ بیکراں ہے جو اپنے دامن دراز میں بیش بہا نعمت کبریٰ لیکر غریب وامیر، شاہ و فقیر کے درمیان حسب و نسب، نشیب و فراز، اونچ نیچ کی عمارت منہدم کر کے ہر ایکلو احکام خداوندی سے بہرہ ور کرتا ہے اور ہر دور میں انسانی مسائل کا حل کرنے کے لئے قرآن و حدیث کافی اور امراض روحانی کے لئے شافی ہیں، اور قرآن کریم ببانگ دہل یہ آواز دیتا ہے کہ جو شخص بھی میرا دامنگیر ہوگا میں اس کا دستگیر بن کر دنیا کے تمام مشاکل و مسائل سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن اور اپنی روحانی حلاوت سے سینے کو موجزن کروں گا،

اور یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کو سینے سے لگایا تو جہاں انہیں رضی اللہ عنہ کا طمغۂ امتیاز عطا ہوا وہیں معیار حق کی فضیلت بھی حاصل ہوئی کہ قیامت تک آنے والے نسلِ انسانی کے لئے صحابہ کرام سا مطالبۂ ایمان کا اعلان کر دیا گیا (امنوا کما امن الناس) نیز جس طرح ہر کتاب کی گفتگو کا ایک خاص لب و لہجہ ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم کا بھی ایک خاص طرز تکلم ہے کہ علمی تفصیلات اور فنی آداب کو چھیڑے بغیر اصل بات یعنی دعوتی اسلوب کو مؤثر انداز میں بندگان خدا کے سامنے پیش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وعظ و نصیحت، تذکیر و دعوت کو بے نظیر اپنایا ہے۔ بریں بناء قرآن میں قصص و اخبار کے تکرار کے باوجود روحانی غذا میں افضل ہونیکی وجہ سے تکرار کا ذہنی تصور نہیں ہوتا، قرآن شخصی پریشانی کے لئے باعثِ سکون اور اجتماعی سوسائٹی کے لئے اتحاد کا پیغام ہے جس سے آپسی تعلقات استوار اور ایک دوسرے کی مصیبت میں تڑپ جانے کا جذبۂ وجدانی پیدا کرتا ہے، قرآن کریم جہاں مالداروں پر زکوٰۃ واجب کرتا ہے وہیں فقیر و غریب کی آستین حسرت میں زخم کے کھلے ٹانکے دیکھ کر انہیں مصارف زکواۃ قرار دیتا ہے۔ تاکہ ان کے خون کے نمناک قطرے ٹپکنے سے پہلے اپنی جگہ تھم جائیں۔ اور مالداروں سے یہ گوش گذار کرتا ہے کہ مال کے دو مصرف ہیں۔

(۱) واقعی اپنی ضرورتوں میں صرف کرنا (۲) راہِ خدا میں اپنی دولت کو خرچ کرنا یقیناً اس دوسرے جملہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، یعنی دوسرے حاجتمندوں پر خرچ کرنا۔ اپنے علم و فن اور اپنی قابلیت سے ان کی کوئی خدمت کرنا، خود بار گراں کا حامل ہو کر دوسرے کے لئے مختلف وسائل سے راحت رساں ہونا (قرآن

ہم سے کیا کہتا ہے) نیز قرآن کریم نے اہل ایمان کیساتھ جس اجتماعی سلوک کا حکم پیغمبر کو دیا ہے وہی عام مسلمان سربراہ کے لئے ہے کہ جب کسی اجتماعی کار خیر کا وقت آئے تو اپنے معاشرہ کے اصحاب الرائے اور اولی النہی لوگوں سے رائے لیکر کثرت آراء یا متفقہ فیصلہ پر عملی جامہ پہنائیں۔ ہر ایک کی دور بیں دور اندیش نہ ہونے کی بناء پر فرداً فرداً رائے لینا ضروری نہیں، باشندگانِ ملک کو انفرادی طور پر بہت سارے حقوق حاصل ہوتے ہیں وہیں ایک حق ووٹ ڈالنے کا ہے لہذا اس انفرادی حق کو اجتماعی شکل دیدی جائے اور جس امیدوار کو ووٹ دینا ہو دانشورانِ قوم اپنی مجلس مشاورت میں حتمی یا کثرت آراء پر اتفاق کر کے ایک امیدوار کو اپنا ووٹ دیں تاکہ ملت کی ایک قیمتی ووٹ رائیگاں ہو کر معاشرہ کا شیرازہ بکھر نہ جائے نیز ووٹر کو اس بات کا لحاظ ہونا چاہئے کہ ووٹ بھی باعث ثواب یا وبال جان کی صورت اختیار کر سکتا ہے جیسا کہ فقیہہ الامت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ، نے لکھا ہے کہ ووٹ کی تین حیثیتیں ہیں۔(۱) شفاعت (۲) سفارش (۳) حقوق مشترکہ میں وکالت، بہر صورت امیدوار کے حق میں گواہی سفارشی وکالت کرنا ہے کہ اس امیدوار کے اندر دین و دنیا، قوم و ملت کی مصیبت میں کام آنے کی صلاحیت دیگر امیدواروں کے مقابلے میں بدرجہ اتم موجود ہے (جواہر الفقہ، جلد ۲۔ صفحہ: ۲۹۱ تا ۲۹۲) اب امیدوار بفضلہٖ تعالیٰ واقع کے مطابق ہے اور جیت گیا تو ووٹر اس کے تمام خدمات دینیہ و دنیویہ میں استحقاق اجر میں شریک ہوگا اسی طرح خلاف واقع کے مطابق میں بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ قرآن کریم وہ آسمانی کتاب ہے جس نے معاشرے میں پاکیزہ فضا کا بقا اور جان کی قدر و قیمت انسانیت کے رگ و ریشہ میں پھونک دی اور یہ درس دیا کہ جب کوئی شخص کسی کی جان بے وقعت سمجھ کر رائے گاں کردے تو اس کے بدلے میں اس کے قاتل کی گردن قصاص میں ماردی جائے اور قاتل کی گردن مارنے میں زندگی قرار دیا ہے۔(سورۃ البقرہ : آیت ۱۷۹) سوال یہ ہے کہ قِصاص میں یعنی گردن مارنے میں زندگی کیسے یہاں تو مقتول کے بدلے قاتل کی جان جارہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر قاتل کو قتل نہ کیا جائے تو اس کی جرأت متعدی ہو کر دوسروں کے لئے مضر ہوگا، اور اگر قتل کے بدلے میں قاتل کی گردن ماردی جائے تو سارے لوگ قتل سے محفوظ رہیں گے نیز اس قصاص نے دوسرے سرکشوں کے قدموں پر بیڑی ڈال کر جکڑدی ہے تو گردن زنی کا حکم دیکر اس کی مصلحت بھی بیان کردی ہے کہ ایک کا قتل پوری انسانیت کی بیخ کنی ہے "من قتل نفسا بغیر نفس کأنما قتل الناس جمیعا" (سورۃ المائدہ آیت، ۳۲) لیکن افسوس ہے کہ دور جدید کے دانشورانِ قوم و ملت معصوم بچیوں کو رحم مادر میں مشینوں کے ذریعہ معلوم کر کے دوا یا دیگر چیزوں سے ضائع کرادیتے ہیں اور معاشرے میں ناک اونچی ہونے کا سبب اور قابلِ فخر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی قتل ہے اور اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب انسان دو وجہ سے کرتا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ آرام طلبی عیش کوشی کی وجہ سے دوسرے فقر فاقہ، تنگئ رزق کے خوف سے لیکن واضح رہے کہ یہ دونوں صورتیں از نقطۂ شرع جائز و روا نہیں ہیں اول تو اس وجہ سے کہ انسانوں کو آرام طلبی، عیش کوشی کے لئے پیدا نہیں کیا گیا دوسری وجہ اس لئے جائز نہیں کہ تمام

جانداروں کا رزق رساں خدا کی ذات ہے اب ہم دورِ جاہلیت کی منظر کشی کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ جہل کی بناء پر بچیوں کو درگور کیا کرتے تھے اور آج تجاہل کی بنا پر قتل کرتے ہیں جو کتابوں کی روشنی سے عیاں ہے، اور عیاں راچہ بیاں، جس طرح قیامت کے دن زندہ درگور معصوم بچیوں سے یہ سوال کیا جائے گا کہ بتاؤ تمہیں کس جرم کی وجہ سے درگور کیا گیا؟ اسی طرح ان معصوم بچیوں سے بھی سوال ہوگا جن کو رحمِ مادر میں دوا کے ذریعہ ہلاک کیا گیا (القرآن الکریم سورہ التکویر) خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم وہ جامع ترین کتاب ہے کہ اخلاقی، معاشی، فطری، داخلی، خارجی، انفرادی ہو کہ اجتماعی، خلوت ہو کہ جلوت، انسانی مسائل کے ہر گوشہ پر گہری نظر ڈالی ہے اور قیامت تک جتنے بھی انسانی مسائل درپیش ہونیوالے ہیں کوئی بھی ایسا پہلو نہیں جس کو قرآن کریم نے تشنہ چھوڑا ہو۔

(واللہ اعلم بالصواب)

مصطفیٰ حسین خان

متعلم : سوم عربی

قرآن کا پیغام انسانیت کے نام

پڑھو قرآن سمجھ کر اور عمل دل سے کرو اس پر
فنا ہو حق کی مرضی میں نبو محبوب سبحانی

یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً پانچویں عیسوی صدی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت واخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی۔ اخلاقی وروحانی اعتبار سے زوال پزیر معاشرہ تھا۔ تہذیب وتمدن اور اخلاق ومروت سے عاری اہل عرب بہیمیت وحیوانیت کی تمام سرحدیں پار کر چکے تھے،

اصنام پرستی مکہ کا دین ومذہب وشعار بن چکا تھا، شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا وہ ایک بڑا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ الغرض ہر طرف بدامنی و انارکی، وشیطنت کا دور دورہ تھا۔ مروت ومحبت کے سوتے خشک ہوگئے تھے ہر طرف ظلمت، ضلالت، جہالت، شقاوت وعداوت کا منظر تھا۔ جس کو قرآن نے اپنے مختصر اور موثر ترین اسلوب میں یوں بیان کیا، "ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس"، بحر وبر میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد غالب آگیا۔

ایسے تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کی رشد وہدایت کے لئے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور اس قرآن کریم کو "جو سرچشمہ رشد وہدایت، منبع اسرار وحکم خزینہ رحمت وبرکت ذخیرۂ حکمت وموعظت اور معدن احکام وشریعت ہے"۔ مرکز ہدایت قرار دیا۔ جس کا تعارف خود خدا نے اپنے انداز میں یوں فرمایا کہ "ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم" یہ وہ کتاب ہے جو بالکل درست راستے پر لگادیتی ہے

الغرض قرآن مجید ایک زندہ جاوید کتاب ہے۔ اس میں ہر عہد، ہر نسل اور ہر حالات کے لئے رہنمائی ہے۔ تمام انبیاء کو معجزے عطا کئے گئے جن میں زمانہ کے حالات اور تقاضے لوگوں کے جذبات ورجحانات اور زمان ومکان کے حدود وقیود کا خیال رکھا گیا۔ لیکن جو معجزہ حضرت رسول ﷺ کو دیا گیا وہ ایک ایسا لازوال دائمی۔ تازہ اور تابندہ ہے جو عالمی مشکلات اور پیچیدگیوں کا بہترین حل پیش کرتا ہے جو زندگی کا آئینہ اور مرقع ہے۔ چنانچہ قرآن مجید توحید کے بارے میں یہ پیغام دیتا ہے کہ شرک میں مبتلا ونے والی دنیا کی قومیں اور امتیں توحید کی دعوت شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ ہی میں زیادہ تر مبتدا ہوئی ہیں، اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے دعائیں کیں اپنی حاجتیں اور

مرادیں ان سے مانگیں۔ قرآن کہتا ہے۔"له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئ" (حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اسی اللہ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دعائیں کرتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں) تو جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگتے ہیں حالانکہ وہ سب فانی ہیں۔ تو وہ لوگ خود غور کریں کہ یہ کتنی احمقانہ حرکت کرتے ہیں۔

شرک فی العبادۃ کے سلسلہ میں قرآن کریم یہ پیغام دیتا ہے۔" و قضى ربك الا تعبدوا الاایاه " (اور تمہارے پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔"اعبدو الله ولا تشركوا به شيئا" (بس اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ کرو) ہر مادی چیز کے کچھ خواص اور آثار ہوتے ہیں مثلاً آگ کی گرمی اور جلانے کی خاصیت، اسی طرح انسان کے ہر مادی عمل اور ہر حیوانی فعل کے بھی آثار و نتائج ہوتے ہیں جیسے کھانا کھانے سے پیٹ بھرتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ انسان کے اچھے یا برے اخلاقی اعمال (جو مادی اعمال و افعال سے یقیناً زیادہ اہم اور دور رس ہیں) ان کے بھی کچھ آثار و نتائج ہوں۔ لہذا اس سلسلہ میں قرآن یہ فرماتا ہے۔"وخلق الله السموت و الارض بالحق و لتجزى كل نفس بما كسبت و هم لا يظلمون" اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو صحیح اور حکیمانہ اصول پر پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا)

پورے سلسلۂ رسالت پر ایمان کی دعوت اسی طرح زندگی کی اہم اعتقادی بنیاد جس کے ماننے کی قرآن دعوت دیتا ہے اور جس کو اپنی دینی تعلیم و دعوت کی اصل و اساس قرار دیتا ہے۔ یہ ہے کہ رسالت و پیغمبری کے پورے سلسلہ کو مانا جائے،

نبوت اور رسالت کے بارے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل اور اس کے اجزاو عناصر قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ سورہ نحل میں ارشاد ہے۔" و لقد بعثنا فى كل امة رسولا" (اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں)

اسی طرح قرآن یہ بھی پیغام دیتا ہے کہ اللہ کے احکام اور اس کی نازل کردہ ہدایات کا مطیع و فرمانبردار ہو جائیں۔ ارشاد ہے۔"قل ان هدى الله هو الهدى ۔ و امرنا لنسلم لرب العالمين" (اے پیغمبر آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے۔ اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگار عالم کی حکم برادری کریں) اس اتباع ہدی اور اطاعت رسول خدا اور رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عمل صالح ہے۔ قرآن مجید نے بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب ہے۔ چنانچہ قرآن پیغام دیتا ہے۔" والذين آمنو وعملوا الصلحت سند خلهم جنت تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا۔ وعدالله حقا و من اصدق من الله حديثا " (انساء ۸) (اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گذاریں، ہم ضرور ان کو ان بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا بالکل

سچا۔اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ سے زیادہ سچی)

تقویٰ اور خوف خدا کی دعوت

اس کے بعد قرآن جن چیزوں کا پیغام دیتا ہے کہ گویا انسان کی فلاح وسعادت کا مدار ہے۔ان میں سے ایک تقویٰ بھی ہے۔چنانچہ ارشاد ہے۔"فاتقو الله ما استطعتم و اسمعو واطيعوا" (اللہ سے ڈرو اور تقوی اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اس کے سارے حکم سنو اور مانو) اس کے بعد قرآن مجید حسن سلوک کی بھی سخت تاکید کرتا ہے۔اور پیغام دیتا ہے۔وعبدو الله و لا تشركوا به شيئا و بالوادين احسانا و بذى القربىٰ واليتمى والمساكين والجارذى القربىٰ والجارالجنب والصاحب بالجنب و ابن السبيل و ماملكت ايمانكم (النساء ٦) (اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔اور دوسرے قرابت داروں کے ساتھ بھی،اور اسی طرح یتیموں، مسکینوں کے ساتھ بھی،اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو قرابت دار ہوں اور ان پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو اجنبی ہوں۔اور ان کے ساتھ بھی جن کا کہیں سنگھ ساتھ ہو۔اور مسافروں پر دیسیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے میں اور تمہارے زیر دست ہیں)

صبر کی دعوت

قرآن مجید نے اخلاق کے سلسلہ میں جو پیغام دیا۔اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ان میں سے ایک صبر ہے جس کا ایک مقام ہے۔چنانچہ ارشاد ہے۔"يا ايها لذين آمنوا اصبروا وصابروا و رابطو ا والتقوالله لعلكم تفلحون" (اے ایمان والو،صبر سے کام لو۔اور ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو (اور راہِ خدا میں جدوجہد کرنے کے لئے) مستعد اور کمربستہ رہو۔ اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔)

ساتھ ہی ساتھ صبر والوں کا انجام سن لیجئے۔ارشاد ہے۔"والذين صبروا اتبغاء وجه ربهم" (وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی رضا طلبی میں صبر کیا)

پھر ان کا اخروی انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔" والملئكة يدخلون عليهم من كل باب ، سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار " (رعد ٢) (اور وہاں (جنت میں) ان کے گھر کے ہر دو دروازے سے فرشتے ان کے پاس ان کے اکرام کے لئے آئیں گے۔ اور کہیں گے سلام ہو تم پر اس لئے کہ تم نے دنیا میں صبر کو اپنا شعار بنایا۔ تو کیا ہی اچھا ہے یہ عاقبت کا ٹھکانہ)

تواضع وخاکساری کی تلقین

اس کے بعد قرآن مجید تواضع پر زور دیتا ہے۔ اور یہ پیغام دیتا ہے کہ تواضع کا ظہور رفتار میں بھی ہونا

چاہیئے۔ گفتار میں بھی اور کردار میں بھی یہاں تک کہ نشست و برخاست میں بھی۔

چنانچہ ارشاد ہے۔" لا تمش فی الرض مرحا ۔ انك لن تخرق الارض و لن تبلغ الجبال طولا" (بنی ارائیل ۴) (اور زمین پر اکڑتے اور اینٹھتے نہ چلو، نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ پاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو) چونکہ تواضع کی ضد تکبر اور غرور ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کو جس قدر تواضع محبوب ہے۔ تکبر اور غرور اسی قدر مبغوض ہے۔

ارشاد ہے۔" ان الله لا يحب كل مختال فخور" (انساء۶)(یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا ہے جو متکبر و مغرور اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو)

حلم و درگذر کی ترغیب

بلاشبہ اخلاق میں حلم و درگزر کا بڑا مقام ہے۔ اور قرآن مجید میں اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ شوریٰ میں ہر ظلم و زیادتی کا مناسب بدلہ لینے کا قانونی جواز بیان کرنے کے بعد برداشت کر لینے اور معاف کر دینے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔

" و لمن صبر و غفر ان ذا لك من عزم الامور "(شوری ۴) (اور جو بندے برداشت کر لیں اور معاف کر دیں تو یہ بڑی عزیمت اور بلند ہمتی کی بات ہے)

عفت و حیاء پر زور

اسی طرح شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی بھی ان اخلاق میں سے ہیں جن پر قرآن نے خاص طور سے زور دیا ہے، ارشاد ہے۔" و ينهى عن الفحشاء و المنكر و البغى يعظكم لعلكم تذكرو ن " (النحل ۱۳) (اور وہ منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور عام برائی سے اور ظلم و زیادتی کرنے سے، اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔)

اخلاق و آداب ہی کے سلسلہ کی قرآن مجید کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے اپنے کو پاک صاف رکھا جائے۔

سورۂ مدثر میں رسول کریم ﷺ کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا۔" و ثيابك فطهر ، والرجز فاهجر " (مدثر ۱) (اور اپنے کپڑے (بھی) پاک صاف رکھو۔ اور ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل سے دور رہو)

صفائی معاملات کی دعوت

قرآن نے انسانی زندگی کے تزکیہ اور اس کی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں جو ہدایات اور پیغامات دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ہدایت اور پیغام یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لین دین کے معاملات میں پورے پاکباز ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔" و افوا الكيل اذا كلتم و زنو بالقسطاس المستقيم" (بنی اسرائیل ۴) (اور جب تمہیں کوئی چیز کسی کو ناپ تول کر دینی ہو تو پیمانہ پورا بھر کر دو، اور (جب کسی کو تول کر دینا ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو)

دوسری جگہ ارشاد ہے "واقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان " (رحمٰن ۱)(اور حق و

انصاف کے مطابق ٹھیک تولو۔اور وزن میں کمی نہ کرو) اور اکل حلال سے متعلق فرمایا گیا۔

یا ایھا الذین آمنو لا تحرموا طیبت ما احل الله لکم ولاتعتدوا ۔ ان الله لایحب المعتدین ۔ وکلو مما رزقکم الله حلالا طیبًا ۔ و اتقو الله الذی انتم به مومنون ۔ (مائدہ ۱۲) (اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو اپنے لئے حرام مت کرو۔اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ایسا کرنے والے اللہ کو سخت ناپسند ہیں۔اور اللہ نے جو حلال طیب چیزیں تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو بے تکلف کھاؤ اور پیو۔اور جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اسی سے ڈرو۔)

دعوتِ حق کا پیغام

ان ہدایات اور پیغامات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم ہم کو یہ پیغام بھی دیتا ہے کہ ان ہدایات و پیغامات کو دوسروں تک پھیلائیں اور عام کرنے کی جدوجہد کریں۔

اسی مطالبہ کو قرآن نے ان الفاظ میں دہرایا "کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون بالله" (ال عمران ۱۲) (تم بہتر امت ہو۔جو لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے۔تمہارا کام یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو۔اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

پھر ارشاد ہے۔" و من احسن قولا ممن دعا الی الله و عمل صالحاً و قال اننی من المسلمین ۔ (حم سجدہ ۵) (اور کون زیادہ اچھا ہے اس شخص سے وبات میں جس نے اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی نیک کرداری اختیار کی اور کہا کہ میں اللہ کے فرما. برداروں میں سے ہوں)

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات و پیغامات کو ماننے اور نہ ماننے والوں کا کیا انجام ہونا چاہئے۔قرآن اپنے الفاظ میں یوں فرماتا ہے۔(ترجمہ) جن بندوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی اور دعوتِ ایمانی اور پیغام ربانی کو قبول کیا۔ان کے لئے بڑی خوش انجامی ہے۔ اور جنہوں نے قبول نہیں کیا (ان کے لئے بڑا بُرا انجام ہے ان کا حال وہاں یہ ہوگا کہ) اگر بالفرض ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری دنیا میں ہے۔اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اپنی خلاصی کے لئے بطور فدیہ کے اس سب کو دے ڈالیں گے۔ان کے واسطے بڑا سخت حساب ہے، اور دوزخ ان کا آخری اور دائمی) ٹھکانہ ہے۔ اور وہ بڑی بری قرارگاہ ہے (اے پیغمبر!) جس (خوش نصیب بندہ) کو اس حقیقت کا علم و یقین نصیب ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے پروردگا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے کیا وہ اس۔(بدبخت شخص) کی طرح اور انجام میں) اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس حقیقت سے اندھا ہے۔ظاہر ہے کہ ان دونوں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا) نصیحت تو بس صحیح عقل و بصیرت رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔جو بندے اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔اور عہد شکنی نہیں کرتے اور جو ان روابط اور تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔اور اپنے مالک سے ڈرتے ہیں۔اور حساب و انجام کی برائی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔اور جو بندے اپنے مالک کی رضا جوئی میں اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں۔اور نماز اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ (نیکی کی

راہوں میں) اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور (جن کا طریقہ یہ ہے کہ) برائی کا جواب بھی وہ نیکی سے دیتے ہیں، بس یہ بندے ہیں جن کے لئے دارِ آخرت کی خوش انجامی ہے (یعنی) سدا بہار جنتیں ہیں جن میں داخل کئے جائیں گے اور ان کے (ساتھ ان کے) وہ ماں باپ اور وہ بیوی بچے جن میں کچھ اصلاح اور نیکی ہو گی۔ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور ان کو اس طرح سلامی دیں گے) "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" (یعنی سلام آپ لوگوں پر بہ سبب اس کے کہ آپ لوگ مضبوطی سے جمے رہے) (حق اور نیکی کے راستے پر) پس بہت اچھا ہے آپ لوگوں کا اخروی انجام اور اس کے برعکس جن لوگوں کی سیرت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ اور جن روابط و علائق کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو توڑتے ہیں۔ اور اللہ کی زمین میں فساد اور گمراہی پھیلاتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی لعنت ہے۔ اور دارِ آخرت کا برا انجام ہے۔

قرآن □ ساری انسانیت کے واسطے مجموعہ ہدایت ہے۔ اس میں فضائل اخلاق بھی ہے۔ اور رذائل سے بچنے کی تاکید بھی ہے۔ قرآن یہ چاہتا ہے کہ خدا سے انسان اپنے تعلق کو جوڑ لے اور اپنے رسول کو اسوۂ حیات بنالے۔

خدا اور رسول سے اس کا تعلق صرف عقیدہ کا نہ رہے بلکہ عمل کے اعتبار سے بھی اس کا ربط زندہ اور مستحکم رہے۔

اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور آپ کی لائی ہوئی شریعت انسان کا مقصود اور منتہائے نظر بن جائے۔

اسی پیغام کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

نبی کا اسوۂ حسنہ تجھے یہ درس دیتا ہے
کہ تیری زندگی قرآن کی تفسیر ہوجائے

محمد حسن
متعلم : کلیۃ الدعوۃ دوم

﴿ حدیث ﴾

حدیث کے موضوع پر عہد صحابہ کے نوشتے

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور محیط ہے، قرآن مقدس اس کا دستور اور حدیث رسول ﷺ اس کی شاہراہ عمل ہے، جس میں قرآن حکیم کے اسرار و رموز کو آپ ﷺ نے منشاء خداوندی کے مطابق وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم وعدہ الٰہی "انا نحن نزلنا الذکر و إنا له لحافظون" کے مطابق تاقیامت تحریفات سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور احادیث رسول ﷺ جو اصل میں قرآن مقدس ہی کی شرح و تفسیر ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے ایسے اسباب مہیا فرمائے جس کی وجہ سے یہ بھی انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔

لیکن پھر بھی اسلام دشمن عناصر ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ کسی بھی طرح ان دونوں مآخذ میں شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کا اعتماد اس پر سے ختم کر دیں، کیوں کہ وہ یہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا رشتہ ان میں کسی ایک سے بھی منقطع ہو جائے تو ان کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ چنانچہ انہوں نے بڑے ہی غور و فکر کے بعد احادیث رسول ﷺ کو تختۂ مشق بنایا، اور لوگوں کا اعتماد ذخیرۂ احادیث سے ختم کرنے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ اس کی تدوین جناب رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے دو سو سال بعد حضرات محدثین کے عہد میں ہوئی۔ بھلا اس پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اور جو اسلام کا اتنا مضبوط مآخذ تھا اس کی حفاظت کا اہتمام عہد اول سے کیوں نہیں کیا گیا؟

اس سے قبل کہ ہم دیکھیں کہ ان کا یہ شبہ صحیح بھی ہے یا نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ اجمالا جائزہ ہیں کہ امت نے حفاظت حدیث کے لئے کیا کیا طریقے اپنائے تھے؟

حفاظت حدیث کے تین طریقے

(۱) حفظ روایت : یہ بات مسلم ہے کہ عربوں کا حافظہ بہت ہی قوی تھا، نہ صرف یہ کہ ان میں ہر شخص کو اپنا مکمل شجرۂ نسب یاد ہوتا تھا، بلکہ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے جانوروں تک کا شجرہ نسب ان کو زبانی یاد تھا، پھر نبی اکرم ﷺ کی وہ جانثار جماعت جو آپ کے ایک ایک قول و فعل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی تھی بھلا آپ کی حدیثوں کو کیسے یاد نہ کرتی، جن کے سامنے آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی تھا، "نضر الله عبدا سمع مقالتی فوعاها ثم أداها إلى من لم يسمعها "(المستدرک کتاب العلم ر ۱۶۲) جس کی وجہ سے اس جماعت کا ہر ایک فرد اپنے کو اس حدیث کا مصداق بنانے کے لئے کوشاں رہتا، جیسے ہی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے کوئی بات نکلتی فوراً ہی اسے یاد کر لیتا، اور اپنی اولاد، عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو یاد کراتے تھے۔

(۲) تعامل حدیث : حفاظت حدیث کا یہ طریقہ بہت ہی قابل اعتماد ہے، جس کا حضرات صحابہؓ نے مکمل اہتمام فرمایا ہے، جو کچھ بھی حضور اکرم ﷺ سے سنتے اس پر عملی اہتمام فرماتے اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر ایک صحابی تعلیمات نبوی کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، اور ظاہر ہے کہ عملی طور پر جس کا اہتمام کیا جائے اس کی پختگی و مضبوطی کس قدر ہوگی۔ یہ عملی طریقہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں بڑا اہم ذریعہ ثابت ہوا۔

(۳) کتابت حدیث: احادیث رسول ﷺ کی حفاظت ان دو مذکورہ طریقوں کے علاوہ کتابت کے ذریعہ سے بھی ہوئی ہے، حضرات صحابہؓ کی معتد بہ تعداد ایسی ہے جو احادیث کو سن کر لکھ لیا کرتی تھی، جس کی وجہ سے بہت سارے صحابہ کے پاس بہت سارے نوشتے موجود تھے، یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ابتداء اسلام میں آپ ﷺ نے ایک خاص وجہ سے حضرات صحابہؓ کو کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا، لیکن جب وجہ ممانعت ختم ہوگئی۔ تو آپ نے حضرات صحابہؓ کو احادیث کو قلمبند کرنے کا حکم دیا، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں :

"حقیقت یہ ہے کہ کتابت حدیث کی یہ ممانعت ابتداء اسلام میں تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک قرآن کریم کسی ایک نسخہ میں مدون نہ ہوا تھا، بلکہ متفرق طور سے صحابہؓ کے پاس لکھا ہوا تھا، دوسری طرف صحابہ کرامؓ بھی ابھی تک اسلوب، قرآن سے اتنے مانوس نہ تھے کہ وہ قرآن اور غیر قرآن میں باول نظر تمیز کر سکیں، ان حالات میں اگر احادیث بھی لکھی جاتیں تو خطرہ تھا کہ وہ قرآن کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں۔ اس خطرہ کے پیش نظر اور اس کے انسداد کے لئے آپ نے کتابت حدیث کی ممانعت فرمادی۔ لیکن جب صحابہ کرامؓ اسلوب قرآن سے پوری طرح مانوس ہوگئے تو آپ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی،

(درس ترمذی جلد اول صفحہ ۳۶)

اس اجازت کے متعلق سے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

عن ابی هريرة ؓ قال كان رجل من الانصار يجلس إلى رسول الله ﷺ فسمع من النبی ﷺ الحديث فعجبه ولا يحفظه فشكا ذلك الى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله إنی لأسمع منك الحديث فيعجبنی و لا أحفظه ، فقال رسول الله ﷺ إستعن بيمينك و أومأ بيده الخط

(ندی شریف ۲/۹۵۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے حدیث سنی، جو اسے پسند آئی لیکن اسے یاد نہ کر سکا اس کی شکایت آپ سے کی کہ اے اللہ کے رسول، آپ کی حدیث مجھے اچھی لگتی ہے، مگر میں اسے محفوظ نہیں کر پاتا" تو آپ نے فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو، اور آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے خط کی طرف اشارہ کیا

عن ابی هريرة ؓ أن النبی ﷺ خطب فذكر قصة فی الحديث فقال ابو شاه اكتب لی يا رسول الله فقال رسول الله ﷺ اكتبوا لابی شاه

(ندی شریف ۲/۹۵۔ باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور حدیث کے درمیان ایک قصہ کا ذکر فرمایا، تو ابو شاہ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول میرے لئے اس کو لکھ دیجئے، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ابو شاہ کے لئے لکھ دو

حضرت عمر بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا" قيدوا العلم قلت و ماتقيده قال كتابته " المستدرك كتاب العلم : ۱/ص،۱۸۸)

علم کو محفوظ کرو، میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا صورت ہے فرمایا لکھا کرو"

عن ابن عمر قال قلت يا رسول الله إنی أسمع منك الشئ فأكتبه قال نعم ، قال فی الغضب و الرضاء قال نعم ، فإنی لا أقول فيهما إلا حق

(تدريب الراوی : ۲ / ۶۲)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں آپ سے کچھ باتیں سنتا ہوں تو کیا میں اس کو لکھ لوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا ہاں، تو میں نے سوال کیا۔ کیا حالت غضب اور حالت رضاء دونوں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کیوں کہ میں دونوں حالتوں میں حق ہی کہتا ہوں،

حضرت انسؓ جو خود بچپن ہی سے لکھنا جانتے تھے دوسروں کو بھی آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے۔ " قيدوا العلم بالكتاب" (دارمی ۱/۱۰۵) جلد اول)

اس حکم کے نتائج: صحابہ کرام کے علمی ذوق و شوق اور آنحضرت کی ترغیب و ہمت افزائی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بروقت آپ کی احادیث لکھ لیا کرتی تھی، چنانچہ متعدد صحابہ کرام کے پاس احادیث کے چند چھوٹے بڑے تحریری مجموعے عہدِ رسالت ہی میں تیار ہوگئے تھے۔

احادیث کے تحریری مجموعے

صحیفہ انس بن مالکؓ : حضرت انسؓ کا ذوق و شوق معروف ہے، آپ مسلسل دس سال تک آنحضرت ﷺ کے حادم خاص رہے، آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ عہد رسالت میں احادیث رسول کے مجموعے تیار کیا بلکہ یہ نوشتہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی پڑھ کر سنایا ہے تاکہ ان کی مزید توثیق ہو جائے بعد میں آپ انہی مجموعوں سے احادیث روایت کرتے تھے، آپ کے شاگرد سعید بن ہلال کا بیان ہے: "کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فأخرج إلینا محال عنده فقال هذه سمعتها من النبی ﷺ فکتبتها و عرضتها "

(مستدرك حاكم كتاب معرفة الصحابة ذكر انس بن مالك/ ۵۷۳)

ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ اصرار کرتے تھے تو وہ ہمیں اپنے پاس سے بیاض نکال کر دکھاتے تھے، اور کہتے کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنتے ہی لکھ لی تھی، اور پڑھ کر بھی سنادی تھی۔

صحیفۂ صادقہ : حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ بھی آنحضرت کی احادیث بروقت لکھ لیا کرتے تھے، جیسا کہ ان کا بیان پیچھے گزرا، ان کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ شہادت موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جن کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہوں۔ سوائے عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا

حضرت عمرو بن العاص نے جو احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا یہ مجموعہ حضرات صحابہ کے تمام مجموعوں سے ضخیم تھا، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی شہادت اس پر دلالت کرتی ہے، اس صحیفہ کا نام صحیفۂ صادقہ رکھا تھا، اور خود حضرت عبداللہ کا بیان گذر چکا کہ میں جو بات بھی آپ سے سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کی سنی ہوئی تمام احادیث ان کے پاس مرقوم تھی، یہ صحیفہ ہمیشہ ان کے خاندان میں رہا اور ان کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب کے پاس پہونچا، جو اکثر "عن ابیه عن جده" کی سند سے درس دیا کرتے تھے، حافظ ابن حجر نے "تهذیب التهذیب" میں امام یحی بن معین اور علی بن مدینی کا قول نقل کیا ہے کہ جو حدیث بھی "عمر و بن شعیب عن ابیه عن جده" کی سند سے آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسی صحیفہ سے منقول ہے۔

صحیفۂ ابوہریرہؓ : حضرت ابوہریرہؓ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ احادیث شریف روایت کرتے

ہیں جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ مشرف باسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی حدیث کی حفاظت اور نقل کے لئے وقف کردی تھی، دیگر حضرات صحابہ کرام کی طرح انہوں نے کسی قسم کا ذریعہ معاش اختیار نہیں فرمایا، بلکہ آپ مسجد نبوی ہی میں مقیم ہوگئے تاکہ اپنے محبوب کی احادیث سن سکیں، اس وجہ سے انہیں بہت ساری پریشانی بھی جھیلنی پڑی، عہد رسالت کے بعد انہوں نے احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ کیا۔ ان کے شاگرد حسن بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث سنائی، انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، حضرت حسن نے فرمایا کہ میں نے آپ ہی سے یہ روایت سنی ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "ان کنت سمعت فھوا مکتوب عندی "اگر ایسا ہے تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، اور اپنے صحیفہ میں اس حدیث کو تلاش کیا تو یہ حدیث مل گئی۔

(فتح الباری باب کتابۃ العلم :۱/ ۳۹)

صحیفہ علی..... حضرت علیؓ کے پاس بھی احادیث کا تحریری مجموعہ موجود تھا جس کو انہوں نے عہد نبوی ہی میں مرتب کیا تھا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے "ما کتبنا عن النبی ﷺ إلا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ " (بخاری کتاب الجھاد باب إثم من عاھد ثم غدر ۱/ص، ۴۵۱)

حضرت علیؓ اس صحیفہ کو بڑے اہتمام سے رکھتے تھے، اور اس کے مضامین موقع بموقع اپنی مجالس اور تقریروں میں بیان فرماتے تھے، آپ کا یہ صحیفہ کافی ضخیم تھا، اس میں دیت، خون بہا، فدیہ، قصاص، احکام اھل ذمہ اور نصاب زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق احکامات مندرج تھے۔

صحیفہ حضرت جابر بن عبد اللہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ کے ان مشہور صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کی ہیں، آپ نے دو مسودوں میں احادیث نبوی تحریر کی تھی صحیح مسلم ہے کہ آپ کا ایک مسودہ حج کے احکام پر مشتمل تھا جس میں "حجۃ الوداع" کی بھی تھوڑی سی تفصیل تھی۔

دوسرے مسودہ میں آپ نے متفرق احادیث مرتب کی تھی، جس کے بارے میں آپ کے شاگرد رشید حضرت قتادۃ فرماتے ہیں "لأنا الصحیفۃ جابر أحفظ منی لسورۃ البقرۃ " کہ مجھے حضرت جابر کا صحیفہ سورہ بقرہ سے بہتر طور پر یاد ہے، (تہذیب التہذیب ۱۳۵۔۳۵۳/۸)

صحیفہ ابن عباس: حضرت عبد اللہ بن عباس آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے جس لگن اور جانفشانی سے آپ کی حدیثیں یاد کی تھیں، (اس کے واقعات مشہور ہیں) کتابت حدیث کے میدان میں بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب بھی آپ کو کسی ایسے صحابی کے بارے میں

معلوم ہوتا جن کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو حضرت عبد اللہ اس حدیث کی سماعت کے لئے سفر کرتے اور اسے لکھ لیتے، آپ نے بے شمار مجموعوں میں احادیث لکھی تھیں، یہ مجموعے اتنے کثیر تعداد میں تھے کہ انہیں ایک اونٹ پر لادا جاسکتا تھا،

صحیفۂ عمر بن حزم : جب ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس موقع پر آپ نے حضرت ابی بن کعب سے ایک تفصیلی کتاب لکھوائی اور اسے حضرت عمرو بن حزم کے سپرد کیا جس میں نصیحتوں کے علاوہ طہارت، نماز، زکوۃ، حج وغیرہ کے متعلق احکامات مذکور تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد یہ دستاویز ان کے پوتے ابو بکر کے پاس منتقل ہو گئی ۔

صحیفہ سمرہ بن جندبؓ: حضرت سمرہ بن جندبؓ نے احادیث کا ایک رسالہ اپنے لڑکوں کے لئے تالیف کیا تھا، ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ اس میں علم کثیر پایا جاتا ہے، یہ رسالہ آپ کے صاحبزادے سلیمان کے پاس پہونچا، پھر ان کے صاحبزادے حبیب بن سلیمان کے پاس منتقل ہوا، یہ دونوں باپ بیٹے اس کی حدیثیں روایت کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ خاصا ضخیم تھا، کیونکہ حافظ نے متعدد مقامات پر اسے نسخۂ کبیرہ کہا ہے

(تہذیب التہذیب نمبر ۳۳۵۔ ص، ۱۹۸ ذکر سلمان بن سمرہ)

صحیفہ عبد اللہ بن عمر : حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جنہیں سنت رسول سے بہت ہی زیادہ محبت و شغف تھا انہوں نے بھی احادیث رسول کو ضبط تحریر میں لایا تھا، چنانچہ ان کے پوتے عبد الحمید بن عبد اللہ کے پاس وہ نوشتہ موجود تھا، جس میں حضرت عمر بن الخطابؓ کی زمین کے وقف کا واقعہ مذکور تھا، جس کو انہوں نے حضور ﷺ کے مشورے سے وقف کر دیا تھا، یحیٰ بن سعید انصاری فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کے پوتے عبد الحمید نے اس تحریر کی ایک نقل تیار کر کے مجھے دی، جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں" بسم الله الرحمان الرحيم " هذا ماكتب عبد الله بن عمر

(تہذیب التہذیب ج/۶، حدیث نمبر ۲۳۸۔ ص، ۱۱۸)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ ہی سے کتابت حدیث کا رواج شروع ہو گیا، تھا میں جس کے بعض نمونے یہاں پیش کے گئے۔ ان کے علاوہ حضور ﷺ کے خطوط، فرامین اور حضرات صحابہ کے انفرادی چھوٹی بڑی تحریریں اور بھی موجود ہیں، تفصیلات کے لئے مطولات کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆☆☆

محمد بلال اختر

متعلم : کلیۃ اللغۃ اول

علمائے دیوبند
اور
خدمت حدیث

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ علماء دیوبند کی تاریخ اس دورِ پُر فتن میں درحقیت مسلمانوں کے بلند دینی کارناموں کی ایک اہم دستاویز ہے علماء دیوبند کی یہ تاریخ اسلامی علوم وفنون اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کے بہت ہی نازک دور کی تاریخ ہے نیز علوم اسلامیہ کے انحطاط وزوال کے زمانے میں صرف علماء دیوبند ہی ایک ایسی جماعت تھی جس نے علم نبوت کے چراغ کو باد مخالف کے پیہم جھونکوں کے باوجود روشن رکھا علماء دیوبند نے دین محمدی ﷺ کے رُخ تاباں کو بدعات وحرافات کے اڑنے والے گرد وغبار سے ایسے حالات میں بے داغ رکھا جبکہ فضا مکدر ہورہی تھی اور شجر مصطفوی ﷺ کی آبیاری ایسے ماحول میں کی جبکہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کو سخت چیلنج درپیش تھے ان یاران باصفا نے اپنے اقدامی عمل کا آغاز اس وقت کیا جبکہ تیرہوی صدی رخت سفر باندھ رہی تھی اور چودہوی صدی کا آفتاب طلوع ہورہا تھا اور پھر کچھ ہی عرصہ میں اللہ کے ان نیک بندوں نے ہندوستان میں دین اور علم دین کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی لو اتنی تیز کردی کہ اس چراغ سے ہزار ولاکھوں چراغ جلتے چلے گئے اور کاروان اسلام کی راہیں جو شب دیجور میں ڈوبی ہوئی تھیں بقعہ نور بن گئیں !اسی لئے علماء دیوبند کے مساعی جمیلہ اور تفصیلی کارناموں کے دیکھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ شب بیداری، سبحہ خوانی، سجدہ ریزی، زہد وتکشف اور چلہ کشی کرنیوالی اس جماعت کا وجود منشاء خداوندی اور سنت الہیہ کے مطابق تھا اور قدرت کو اس جماعت خاصہ سے اپنے دین کی اہم ترین خدمت لینا منظور تھا چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ تیرہوی صدی کے آخر میں ہندوستان میں مسلمانوں کا ہزار رسالہ اقتدار ہی نہیں ختم ہوا بلکہ مختلف خطرات اور حوصلہ شکن حادثات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا، اسلام اور مسلمان پر اندرونی اور بیرونی طاقتیں پوری قوت سے یلغار کررہی تھیں اور ایسا محسوس ہورہا تھا کہ سرزمین ہند میں اسلام اور مسلمان دونوں چراغ سحری کی زیست جی رہے ہیں لیکن ایسے نازک ترین دور میں علماء دیوبند ہی کی جماعت تھی جس نے ان طوفانی حوادث کے سامنے اپنی قوت مدافعت اور خدادات صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایک سد سکندری کھڑی کردی اور تباہ کن سیلاب کا رُخ موڑ کر اسلام اور

مسلمان دونوں کو حصن متین میں محفوظ کر دیا اور نہ یہ کہ صرف اسلام دشمن طاقتوں کو شکشت دے کر امت کو بچایا بلکہ خود اسلامی زندگی کو بدعات و خرافات، مشرکانہ رسم و رواج ، ملحدانہ عقائد و خیالات سے پاک کر کے اس کے اندر فطری اور قدرتی توانائی پیدا کی علماء دیوبند نے جہاں امت مسلمہ کو ظالموں کے بے رحم پنجوں سے نجات دلائی ان خدا رسیدہ بندوں نے تجدید دین کا عظیم فریضہ بھی انجام دیا اسلامی تعلیمات اور روایات کو اس کے حقیقی خدو خال کے ساتھ پیش کر کے اس ملک میں شریعت اسلامیہ کو زندہ و جاوید بنادیا اور اس اعلان نبوت کو دورِ حاضر میں سچ کر دکھایا.....!

من يرد الله خيرا يفقه فى الدين لا تزال عصابة من المسلمين يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناؤا هم الى يوم القيامة.

صحيح مسلم ۱۴۴۰/۲

اللہ تعالی جس کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی فہم صحیح عطا کرتا ہے مسلمانوں میں ایک جماعت ہوتی رہے گی جو حق کی خاطر جان کی بازی لگاتی رہے گی اور اپنے مخالفین پر غالب آتی رہے گی

قیام دارالعلوم کے معاً پندرہ بیس سال بعد ایک ایسی جماعت عالم جود میں آئی جس نے متحدہ ہندوستان میں تجدید دین کی مہم سر انجام دینے کے لئے ہر امکانی جد و جہد کا آغاز کیا اور بدعات و خرافات، جاہلانہ رسومات، مشرکانہ عقائد، غیر اسلامی توہمات، باطلانہ مزعومات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے مساعی جمیلہ کا سلسلہ شروع کیا چشم فلک نے دیکھا زمین نے شہادت دی کہ تجدید دین کے میدان میں ان کے نقوش قدم بدر کامل کی طرح روشن و تابناک نظر آنے لگے، بحث و مناظرہ سے لیکر دینی تعلیم، قرآن و سنت کی تشہیر و تبلیغ ہزارہا ہزار کی تعداد میں دینی مدارس و مکاتب کا قیام تصنیف و تالیف نشر و اشاعت مسند رشد و ہدایت، اور خانقاہوں سے تزکیہ باطن اور اصلاح حال کی سرگرمیاں عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں، شیعیوں بدعتیوں، مودودیوں، کا تعاقب، وعظ و تبلیغ کے اسٹیج سے عامۃ المسلمین کی دینی رہنمائی غرضیکہ خدمت دین اور تجدید شریعت کا کوئی پہلو اور کوئی زاویہ باقی نہ بچا جس کے لئے ان یاران باصفا اور شہیدان عشق مصطفیٰ نے عظیم الشان اور انقلابی کارنامے انجام نہ دیئے ہوں! اگر یہ کہا جائے کہ چودھویں صدی میں تجدید دین کا یہ بار گراں قدرت نے انہیں علمائے دیوبند کے دوش تواناں پر رکھی تھی تو یہ مبنی بر حقیقت ہوگا علماء دیوبند کے تاریخی مطالعہ کے دوران یہ امر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اللہ کی اس برگزیدہ جماعت نے مختلف دینی خدمات کے ساتھ خدمت حدیث پر بھی خاص توجہ دی جس کی اس وقت کے ہندوستان کو سخت ضرورت تھی اور ایسی خدمت جس کی مثال عنقا دیکھائی دیتی ہے خدمت حدیث کا میدان علماء دیوبند کے لئے بہت وسیع میدان رہا ہے اور ہر دور میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے اور آج بھی ان پُر خطر حالات میں جبکہ ہر چہار سمت اسلام دشمن طاقتیں دندناتی پھر رہی ہیں علماء دیوبند کی یہ جماعت خدمت حدیث کے لئے کمر بستہ

تیار کھڑی ہے علماء دیوبند نے بڑی بڑی کتابوں کی ضخیم سے ضخیم شروحات لکھیں اور علوم حدیث پر کتابیں تحریر کیں اس لئے اس مختصر مضمون میں ان سب پر تبصرے کی گنجائش نہیں ہے مشت نمونہ از خروارے کے طور پر اشارات پر اکتفا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) حواشی بخاری

محشی مولانا احمد علی صاحب سابق محدث سہارنپوری مصحح بخاری متوفی ۱۲۹۷ھ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری براہ راست حضرت شاہ اسحاق دہلوی مقیم مکہ کے شاگرد ہیں انہوں نے بخاری شریف کے متن کی تصحیح کی اہم ذمداری اپنے سر لی، ہندوستان میں آج سے ایک صدی پیشتر تک جو نسخہ متداول تھا وہ نقل در نقل ہوتے ہوئے تصحیف و ترمیم کا شکار ہو چکا تھا اور بہت سی عبارتوں میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی ہو گئی تھی آپ نے اس کی تصحیح کر کے بخاری شریف کا صحیح ترین ایڈیشن شائع کیا۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری

افادات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جامع مولانا محمد یحیی صاحب کاندھلوی تعلیق و تحشیہ حضرت شیخ محمد ذکریا صاحبؒ زبان عربی یہ کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے کتاب کا رسم الخط فارسی ہے اور آغاز کتاب سے پہلے ایک مبسوط مقدمہ ہے جو بڑے سائز کی ایک سو بادن صفحات پر مشتمل ہے اگر اس مقدمہ کو دورِ حاضر کے طرز ٹائپ میں متوسط سائز پر طبع کرادیا جائے تو یقیناً تین سو صفحہ کی ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے زبان فصیح عربی ہے ابتدا میں بڑی حد تک عبارت مقفیٰ و مسجع ہے الفاظ دقیق ہیں لیکن عبارت بہت رواں اور صاف و شستہ ہے اس مبسوط مقدمہ میں امام بخاریؒ کی سوانح حیات کو بھی پیش کیا گیا ہے یہ کتاب محدثانہ، عالمانہ، محققانہ اور فقیہانہ ہر لحاظ سے دستاویزی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳) النور الساری علی صحیح البخاری

افادات حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مرتب مولانا خیر محمد صاحب زبان عربی سال اشاعت ۱۳۸۳ھ مجموعی صفحات ۱۷۴ ہیں۔

(۴) الابواب والتراجم

مصنف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند زبان اردو سائز متوسط کل صفحات ۵۳ ناشر کتب خانہ امدادیہ دیوبند بخاری شریف کے ترجمۃ الباب سے متعلق ہندوستان میں

غالباً یہ سب سے پہلی کتاب ہے دراصل یہ کتاب ایک مختصر سا رسالہ ہے جو مالٹا کی قید کے زمانے میں قلمبند کیا جارہا تھا اسی دوران آپ کی رہائی عمل میں آئی ہندوستان واپسی کے بعد حیات مستعار کے چند ایام باقی تھے قومی و ملی کاموں کی مصروفیتوں میں عمر عزیز کا یہ حصہ بھی ختم ہو گیا اور اس مسودہ پر نظر ثانی کی فرصت نہ مل سکی اور نہ اس کی تکمیل ہو سکی اس کے باوجود یہ اپنی جگہ پر انتہائی اہم کتاب ہے

(۵) فیض الباری علی صحیح البخاری

افادات محدث جلیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جامع و محشی حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی متوفی ۱۹۶۵ء زبان عربی سائز متوسط سن اشاعت ۱۳۵۷ھ یہ دراصل علامہ انور شاہ کشمیری کے درسِ بخاری کا ایک مجموعہ ہے جسے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی نے علامہ کے درس میں پانچ بار شریک ہو کر نوٹ کیا ہے اور پھر اپنی ضبط کردہ تقریر کو اپنے دو ہم درس ساتھیوں مولانا عبدالقدیر صاحب کامل پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب کامل پوری کی ضبط کردہ تقریروں سے مقابلہ کر کے حتی المقدور علامہ کشمیری کے ارشادات عالیہ اور نکات غامضہ اور افادات باہرہ کو صحیح شکل میں پیش کرنے کی سعی جمیل کی ہے اس طرح ان تینوں بزرگوں کی ضبط کردہ تقاریر کو پیش نظر رکھ کر فیض الباری کا مسودہ تیار کیا گیا جو شروح بخاری میں ایک خاص امتیاز کی حامل ہے کتاب خوبصورت روشن ٹائپ عمدہ اور دیدہ زیب جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے پہلی جلد میں علامہ کے تلمیذ رشید علامہ یوسف بنوریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریظ اور بلیغ مقدمہ بھی شامل ہیں دونوں ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور اصل کتاب ۴۱۲ صفحات پر ختم ہوتی ہے اس طرح جلد اول کے کل صفحات چار سو بانوے ۴۹۲ ہیں یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے کتاب علامہ کشمیریؒ کے تبحر علمی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

(۶) الابواب والتراجم للبخاری

مصنف مولانا محمد ادریس کاندھلوی سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کتاب مذکور کی ابتک صرف دو جلد شائع ہو پائی ہے

(۷) تحفۃ القاری بحل المشکلات البخاری

مصنف مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند یہ کتاب بھی اب تک صرف دو جلد میں شائع ہوئی ہے مزید امکان اور ہے جلد کے شائع ہونے کی

(۸) درس بخاری

افادات علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل مرتب مولانا عبدالوحید صاحب صدیقی استاذ مدرسہ اسلامیہ فتحپور سال اشاعت ۱۴۰۰ھ زبان اردو ناشر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

(۹) تقریر بخاری

افادات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند مرتب مولانا کفیل احمد صاحب فاضل دیوبند زبان اردو ضخامت ۲۰۰ اشاعت ۱۹۵۷ء ناشر مکتبہ اسلامیہ دیوبند

(۱۰) الابواب والتراجم لصحیح البخاری

مصنف مولانا محمد ذکریا صاحبؒ سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور زبان عربی رسم الخط فارسی سائز متوسط سال اشاعت ۱۳۹۱ھ یہ کتاب بخاری شریف کے ترجمۃ الباب پر ایک نادر اور گرانقدر تحفہ ہے جہاں جہاں ترجمہ الباب سے روایت کی مطابقت میں دقیق بحثیں اٹھتی ہیں اور درس دینے والوں کے لئے حیرانیاں اور پریشانیاں کھڑی ہوتی ہیں ان کو مصنفؒ نے بڑے دلنشیں اسلوب میں حل کیا ہے کتاب میں مصنف اپنی مدلل رائے پیش کرتے ہیں اور اس کی تائید میں مشہور شروح حدیث اور اقوال محدثین کے حوالے درج کرتے ہیں اس موضوع پر یہ کتاب ایک جامع ترین کتاب ہے اور اس میں بخاری کی تمام مشہور شروحات کا خلاصہ مل جاتا ہے یہ کتاب علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے نعمت عظمی ہے کل جلد ۳ ہیں ۔

(۱۱) انوار الباری شرح اردو لبخاری

مرتب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیری زبان اردو سائز متوسط انوار الباری کے مرتب موصوف علامہ کشمیری کے ارشد تلامذہ میں ہیں اور ڈابھیل میں رہ کر علامہ کشمیری کے افادات درس کو قلمبند کیا ہے لیکن یہ کتاب صرف علامہ کشمیری کے افادات ہی تک محصور نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کی تقریر کو جس طرح دلیل راہ بنایا ہے اسی طرح ان کی تمام تصنیفات کو بھی بوقت ترتیب پیش نظر رکھا گیا ہے ان کے علاوہ اکابر علماء دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی شیخ الہند مولانا محمود حسن شبیر احمد عثمانی مولانا حسین احمد مدنی وغیرھم کے افادات تقاریر پر درس اور ان کی کتابوں سے بھی پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے کتاب مذکورہ میں علامہ کشمیری کے علمی کمالات ان کی درسی خصوصیات کا بڑا حصہ سامنے آجاتا ہے علامہ کا حافظہ ان کی ژرف بینی، دقیقہ رسی، نکتہ سنجی، ذہانت و فطانت، علم حدیث پر کامل عبور کے جلوہائے صد رنگ اس کتاب میں بھرپور طور پر موجود ہیں حافظ ابن حجر ہو یا ابن ہمام جب

شاہ صاحب کی تحقیق اور تنقید کا سلسلہ چل پڑتا ہے تو اتنے ناقابل شکست دلائل سے ان اکابر شراح حدیث اور مشائخ عظام کے نقطہ نظر سے آپ اختلاف رائے پیش کرتے ہیں جو قدیم محدثین اور ائمہ فن کا طرۂ امتیاز تھا ان حقائق و معارف کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ علماء دیوبند کو حدیث دانی اور حدیث فہمی میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور دنیا میں دوسری جماعت نے من حیث الجماعت علم حدیث کے موضوع پر اتنا کام نہیں کیا جتنا علماء دیوبند نے کیا ہے۔

(۱۲) امداد الباری

مؤلف مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی محدث جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد زبان اردو جلد چار مکتبہ حرم مراد آباد

(۱۳) الخیر الجاری علی صحیح البخاری

مصنف مولانا خیر محمد صاحب مظفر گڈھی مہاجر مکی کتاب کی زبان عربی ہے۔

(۱۴) تجرید البخاری

مرتب مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی سال اشاعت ۱۳۴۲ھ زبان اردو یہ کتاب دو جلد میں ہے۔

(۱۵) انعام الباری فی شرح اشعار البخاری

مصنف مولانا عاشق الٰہی بلند شہری فاضل سہارنپور اس کتاب میں تقریباً نوے اشعار کا ترجمہ اور تشریح آگئی ہے کتاب کے صفحات ۱۳۶ ہیں زبان اردو ہے۔

(۱۶) ازالۃ القساس عن وجہ قال بعض الناس

مصنف مولانا مجیب الرحمٰن صاحب استاذ حدیث توکلیہ فاضل دیوبند زبان اردو ضخامت ۴۸ صفحات ناشر خلیل الرحمٰن خاص ہاٹ ہزاری چاٹگام

(۱۷) المعجم لرجال البخاری

مرتب حضرت مولانا اسیر ادروی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ بنارس فاضل دیوبند زبان عربی یہ چند وہ کتابیں ہی جو بخاری شریف کے ضمن میں لکھی گئی ہیں اور یہ مکمل فہرست نہیں ہے بلکہ اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہے بخاری کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں اور علوم پر علماء دیوبند نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی مقدار اس سے بھی بہت زیادہ ہے ان کی صرف فہرست بنائے جائے تو ایک مقالہ بن جائے گا ان میں سے چند کا ذکر بطور تبرک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸) الکوکب الدری

افادات محدث جلیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جامع حضرت مولانا یحیی صاحب کاندھلوی محشی مولانا محمد ذکریا صاحب سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور زبان عربی جلد ۲ کتاب کے کل صفحات ۸۰۸ ہیں ناشر مکتبہ یحیویہ سہارن پور

(۱۹) العرف الشذی

مرتب مولانا چراغ صاحب فاضل دیوبند سورہ دھکڑ صوبہ گجرات کتاب کی زبان عربی سن اشاعت ۱۳۳۸ھ مطبع رحیمیہ دیوبند

(۲۰) التقریر الترمذی

مصنف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند زبان عربی ناشر کتبخانہ اعزازیہ دیوبند

(۲۱) بذل المجہود

مصنف مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری زبان عربی کل جلد پانچ سائز کلاں سال اشاعت ۱۳۴۶ھ

(۲۲) فتح الملہم

مصنف علامہ شبیر احمد عثمانی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند زبان عربی خط نسخ سائز کلاں دوسرا ایڈیشن متوسط کل جلد دو

(۲۳) التعلیق الصبیح

مصنف مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی زبان عربی، پانچ جلدوں میں سال اشاعت ۱۳۵۴ھ مطبوعہ دمشق

(۲۴) اعلاء السنن

مؤلف مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی زبان عربی کل جلد اٹھارہ ناشر مکتبہ دارالعلوم کراچی سال اشاعت ۱۳۸۶ھ

(۲۵) ترجمان السنۃ

مصنف مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی زبان اردو سائز متوسط چار جلدوں میں ناشر ندوۃ المصنفین دہلی

(۲۶) مصنفہ ابن عبد الرزاق

تحقیق و تعلیق ابو لماثر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کتاب گیارضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے ہر جلد کے

صفحات پانچ سو چھ سو صفحات کے درمیان میں کتاب مجلس علمی ڈابھیل نے خوبصورت ٹائپ میں عمدہ کاغذ پر شائع کیا ہے۔

(۲۷) مصنفہ ابن ابی شیبہ: تحقیق و تعلیق ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

(۲۸) المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ

تحقیق و تعلیق ابولمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کتاب کویت مطبع عصریہ میں چھپی ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا کتاب چار جلدوں میں ہے مجموعی صفحات ۱۷۷۶ ہیں

(۲۹) معارف السنن

محدث کبیر مولانا یوسف بنوریؒ تلمیذ خاص علامہ کشمیری زبان عربی ۶ جلدوں پر کتاب مشتمل ہے ناشر مجلس علمی ڈابھیل سورت

(۳۰) الطیب الشذی

مصنف مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی زبان عربی سال اشاعت ۱۳۴۴ھ کتاب کے کل صفحات ۱۴۴ ہیں

(۳۱) احیاء السنن

جمع و ترتیب، زیر نگرانی مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ زبان عربی رسم الخط عربی نستعلیق حاشیہ پر بامحاورہ اردو ترجمہ

(۳۲) معارف مدینہ

افادات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مرتب مولانا طاہر حسن امورہی زبان اردو

(۳۳) تقریر ترمذی شریف

افادات مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری مرتب مولانا سعید الرحمٰن صاحب زبان اردو ناشر جامعہ اسلامیہ راولپنڈی (پاکستان)

(۳۴) شمائل ترمذی مترجم

مصنف مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور زبان اردو ناشر مکتبہ یحییہ سہارنپور

(۳۵) انوار المحمود

مصنف مولانا ابوالعتیق عبد الہادی محمد صدیق نجیب آبادی زبان عربی دو جلد میں سائز متوسط سال اشاعت ۱۳۵۶ھ

(۳۶) تعلیقات علی سنن ابی داود

تحشیہ مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی بانی مدرسہ حیات العلوم مراد آباد ناشر تاجران کتب کراچی صفحات ۷۱۵

(۳۷) زبدۃ المقصود فی حل قال ابو دلؤد

مصنف مولانا محمد طاہر رحیمی جامعہ رحیمیہ اشاعت القرآن ملتان زبان اردو ناشر انوار بک ٹریڈرس دیوبند کال صفحات ۱۰۴

(۳۸) حاشیہ سنن نسائی:

محشی مولانا اشفاق الرحمٰن کاندہلوی زبان عربی ناشر مکتبہ رحیمیہ دہلی سال اشاعت ۱۳۵۰ھ

(۳۹) اوجز المسالک

مصنف مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور زبان عربی سال تصنیف ۱۳۴۸ھ ناشر مکتبہ یحییہ سہارنپور کتاب مذکور کا پہلا ایڈیشن چھ ضخیم جلدوں میں ہندوستان سے شائع ہوا ہے اس کا ایک ایڈیشن مصر سے بھی شائع ہوا ہے مصر اور لبنان کے دونوں ایڈیشن پندرہ ضخیم جلدوں میں ہیں ہندوستانی ایڈیشن کی پہلی جلد مع مقدمہ ۵۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴۰) حاشیہ موطا امام مالک

محشی مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی ضخامت ۴۴۷ صفحات ناشر اصح المطابع کراچی پاکستان

(۴۱) امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار

مصنف مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی زبان عربی ناشر مکتبہ محبوبیہ سہارنپور سال اشاعت ۱۳۷۱ھ

(۴۲) الحاوی علی مشکلات الطحاوی

افادات مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مولانا عبد اللطیف صاحب مولانا اسعد اللہ صاحب مفتی قاری سعید احمد صاحب اساتذہ مظاہر علوم سہارنپور زبان اردو عربی صفحات ۲۱۹ ناشر موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ پاکستان

(۴۳) تبییج الراوی بتخریج احادیث الطحاوی

مصنف مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری فاضل مظاہر علوم سہارنپور

(۴۴) مبانی الآثار من شرح معانی الآثار

مصنف مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری زبان عربی سائز کلان ناشر مکتبہ قاسم العلوم کراچی کتاب کئی جلدوں

میں ہے اس کی پہلی جلد کے صفحات ۲۸۲ ہیں اور کتاب الطہارہ پر ختم ہوتی ہے اس کی دوسری جلد بھی طبع ہو چکی ہیں۔

(۴۵) مصباح الطحاوی

افادات مولانا اسعد اللہ صاحب استاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور مرتب مولانا یعقوب صاحب قاسمی مولانا اسلام الحق مظاہری زبان اردو کتاب قسطوار شائع ہوئی ہے اس کی پہلی قسط ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴۶) تصحیح الاغلاط الکتابیہ الواقعۃ فی النسخ الطحاویہ:

مصحح مولانا حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری متوفی ۱۴۰۷ھ مولنا موصوف نے غائرانہ مطالعہ کے بعد تقریباً ایک سو اٹھارہ غلطیاں دریافت کیں اور ان کی تصحیح فرمائی۔

(۴۷) تنظیم الاشتات

مصنف مولانا ابوالحسن صاحب استاذ حدیث دارالعلوم عین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام فاضل دیوبند زبان اردو سائز متوسط چار حصوں میں ناشر اصلاحی کتب خانہ یوبند۔

(۴۸) معارف المشکوۃ

مرتب مولانا عبدالروف صاحب عالی فاضل دارالعلوم دیوبند زبان اردو اشاعت قسطوار سن اشاعت ۱۹۶۰ء

(۴۹) تشریحات: مرتب مولانا اسلام الحق صاحب سہارنپوری فاضل مظاہر علوم سہارنپوری زبان اردو اشاعت قسطوار

(۵۰) قلائد الازہار

مصنف مفتی مہدی حسن صاحب صدیقی دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۳۹۶ھ زبان عربی سائز کلاں ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

(۵۱) مشکوۃ الاثار

مرتب مولانا سید محمد میاں صاحب سابق استاذ حدیث شاہی مراد آبادی و شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی متوفی ۱۳۹۵ھ زبان عربی ایک جلد ضخامت ۱۵۳ مطبع اعلیٰ پریس دہلی ناشر شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند

(۵۲) جزء حجۃ الوداع

مصنف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ زبان عربی رسم الخط فارسی ناشر مکتبہ محمودیہ سال اشاعت ۱۳۴۶ھ پوری کتاب کے صفحات ۱۲۰ ہیں۔

(۵۳) مسانید الامام ابی حنیفۃ

مصنف شیخ محمد امین الاور کزئی استاذ جامعہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی زبان عربی ناشر مجلس دعوۃ و تحقیق اسلامی کراچی

(۵۴) انتخاب الترغیب والترہیب

مصنف عبداللہ صاحب طارق دہلوی مظاہری زبان اردو چار جلدوں میں ناشر ندوۃ المصنفین دہلی

(۵۵) جواہر الحکم

مرتب حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی زبان اردو ترجمہ انگریزی فرانسیسی گرجاتی زبانوں میں

(۵۶) رحمۃ القدس

مصنف مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مصنف اعلاء السنن یہ کتاب علامہ ابو محمد عبداللہ ابن ابی جمرہ مالکی کی تصنیف بہجۃ النفوس کا اردو ترجمہ ہے کتاب ہذا دو جلد میں ہے۔

(۵۷) مسند الحمیدی

تحقیق و تعلیق حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی متوفی ۱۴۱۲ھ پوری کتاب چار جلدوں میں ہے ان تمام کتابوں کے مصنفین و مؤلفین و مرتبین کوئی اور نہیں یہی علماء دیوبند کی جماعت ہے جنہیں قدرت نے تاریخ کے بدترین دور میں عالمی پیمانے پر خدمت حدیث پر مامور کیا اور اس جماعت نے اس میدان میں وہ مثالی کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر کئی صدیوں تک نہیں ملتی۔

☆☆☆

﴿سیرت﴾

سید توفیق عبید شمس
متعلم : ششم عربی

عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کی معنویت

آپ کی سیرت ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جس کا حسن لازوال ہے اور جس کی خوشبو لافانی ہے، جس کی افادیت نہ کسی عہد کے لئے اور زمانہ کے لئے مخصوص ہے۔ اور نہ کسی علاقہ وخطہ کی ساتھ محدود ہے جو تمام انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ نت نئی ترقیات اور اکتشافات و ایجادات میں جس قدر اضافہ ہوگا پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی ضرورت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ یہ اکیسویں صدی کا زمانہ ہے۔ اس لئے نجانے کتنی ہی سماجی، معاشرتی اخلاقی تمدنی، معاشی، اور سیاسی فکری اور نظری تبدیلیوں کو دیکھا ہے۔ انسانیت ان مسائل کے حل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ کبھی اشتراکیت کی طرف لپکتی ہے، کبھی سرمایہ دارنہ نظام کو اپنے مسائل کا حل تصور کرتی ہے۔ لیکن حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ نظام بھی اس کے درد کا مداوا نہیں۔ جن لوگوں نے تنگ نظری کی عینک اتار کر حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے ان کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ آج انسانی مسائل کا حل "اسوۂ محمدی ﷺ" کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔ کیوں کہ اس کا سرچشمہ خود رب کائنات کی تعلیمات و ہدایات ہیں۔ جو ہمارا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نہیں جو ہمارے مسائل اور ضروریات سے آگاہ ہو۔ اس لئے آج کی مصیبت زدہ اور تشنہ لب انسانیت کو جس آب حیات کی ضرورت و تلاش ہے وہ چشمہ محمدی ﷺ کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔

قصۂ ماضی و عریضۂ حال:

نبی رحمت ﷺ کی آمد سے پہلے اور آمد کے زمانے میں یورپ، افریقہ، برصغیر، مشرق وسطی میں "بداخلاقی کا فی حد تک پھیلی ہوئی تھی اسلام نے پہلی بار دنیا کو نئی قدروں سے آگاہ کیا۔ توحید ناشناس دنیا نے دنیا کو تباہی کے کنارے تک پہنچادیا تھا۔

وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها

اور تم لوگ جہنم کے دہانے پر تھے سو اس سے ہم نے تمہاری جان بچائی۔ بے شک اس وقت دنیا کی یہی حالت تھی۔ جس کو مفسرین کرام اور مورخین اسلام اور سیرت نگاران نبوی "ارهاص النبوت" سے تعبیر کرتے ہیں (۱) (نبی رحمت) زاد المعار میں علامہ ابن قیم جوزیؒ نے ایک فصل اسی عنوان سے قائم کی ہے۔ لیکن یہ اخلاقی گراوٹ کیا اسی زمانہ کیساتھ مخصوص تھی ایسا نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اخلاقی زوال کا سلسلہ اب تک بھی چلا آرہا ہے۔ صرف شکلیں بدل گئیں ہیں۔ پہلے سے لوگ اونٹوں کی پیٹھوں پر سوار ہو کر راستہ طے کرتے تھے اب فضا کے دوش پر پرواز کر رہے ہیں۔ اخلاقی گراوٹ بھی ہر جگہ کی مقامی تھی۔ مگر بعد میں آنیوالے زمانہ میں کوئی برائی مقامی نہ رہی۔ شر و فساد کا کاروان کبھی گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتا تھا۔ اب ہوائی جہازوں میں راستہ طے کرتا ہے۔ ایک مرض ایڈس امریکہ میں ظاہر ہوا دوسرے روز وہ ہانگ کانگ اور آسٹریلیا میں پہنچ گیا۔ اسلحے ضرور بدل گئے ہیں مگر خونریزی وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ اس سے زیادہ پہلے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور اب ذبح کرنے کے آلات بدل گئے ہیں آپ ایک انفرادی واقعہ سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ اور آج رات دن دھڑلے سے اس سے زیادہ بھیانک طریقوں سے انسانیت ہلاک کی جارہی ہے۔ یہ حالات جن سے ہم گذر رہے ہیں وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ سیرت نبوی اور اسلامی تعلیمات کے ذریعہ ان کی داد رسی کی جائے۔ آج آئے دن جہیز کو لانے پر دلہنیں جلائی جارہی ہیں۔ کیا یہ جرم اس سے کم ہے جب کہ باپ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا۔ عقل کو ماؤف کرنیوالی ادویہ اور رگ و پے کو مفلوج کرنیوالی شرابیں جو کلب اور ناچ گھروں میں چل رہی ہیں کیا وہ جاہلیت اولیٰ کے شر و فساد سے کم ہیں۔ غرض یہ کہ پیغمبر اسلام کے عطا کردہ اصول مساوات و حریت، اصول زیست باہمی انسان دوستی کے سبق کو دہرانا کسی کہانی یا افسانہ کا اعادہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ آئینہ ہے جس میں عصر حاضر کا بھیانک چہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور نبوت محمدی کا چراغ آج بھی اس تاریکی کو روشنی سے بدل سکتا ہے جس طرح آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے بدلا تھا۔

(۱) (پیغمبر اخلاق و انسانیت)

سیرت نبوی ﷺ اور فلاح انسانیت

آفتاب رسالت اس لئے طلوع ہی ہوا تھا کہ اس کی شعاؤں سے عالم انسانیت جگمگا اٹھے اور ظلمت و تیرگی کا پردہ چاک ہو۔ اور انسان انسانیت کی زندگی بسر کر کے دونوں جہاں میں فوز و فلاح کامیابی و کامرانی حاصل کر سکے انہیں مقاصد کے حصول کے لئے اللہ رب العزت نے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جس کی آخری کڑی آقائے مدنی ﷺ ہیں۔ نبی رحمت کی سیرت مقدسہ اپنے دامن میں وہ سارے لوازمات سمیٹے ہوئے ہے جن سے

انسانیت کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی وابستہ ہے۔ آپ کی ذات گرامی اور آپ کی پیش کردہ تعلیمات، خواہ وہ کتاب اللہ کی شکل میں ہوں یا حدیث کی صورت میں۔ اسے صرف نظر کر کے انسان کامیابی کی راہ نہیں پا سکتا بلکہ ایسا فرد بشر ضلالت و گمراہی تیرگی و تاریکی کے غار میں بھٹکتا رہے گا۔ اور تباہی و بربادی اور ہلاکت کے اندھیروں میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ ایسے فرد بشر کو امن و چین سلامتی اور قلبی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ مشاہدات اور تجربات بتاتے ہیں کہ وحی الٰہی اور نبوی تعلیمات سے جو قومیں سرگرداں ہیں اگرچہ وہ دنیاوی اعتبار سے بہت ترقی پر ہیں مگر انہیں قلبی اطمینان حاصل نہیں۔ وہ امن و امان کی تلاش میں سرگرداں ہیں، دنیا کی نیرنگیاں اور زرق برق چیزیں ان کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں مگر ان کے دل مضطرب ہیں۔ ان کی زندگی میں راحت و سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ سکون قلبی صرف اللہ کے ذکر میں اور آقائے مدنی کی تعلیمات میں ملے گا۔ انسانی زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں نبوی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہو، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان ان تعلیمات کو اپنائیں اور دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔

رسول اکرم کی سیاسی زندگی اور نظام سیاست

خداوندے قدوس نے جس طرح انسانوں کو انسانیت کا بھولا ہوا سبق سکھانے کے لئے اور اس کے اخلاق و معاشرت اور عقائد کو درست کرنے کے ئے رسول اکرم ﷺ کو ایک نمونۂ ہدایت بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا اسی طرح ملکوں کی تہذیب و تمدن اور قوموں کی حالتِ زار سدھارنے کے لئے آپ کو سیاسی حکمت عملی کا پیکر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، مکہ کے اس امی رسول نے دنیا کے سامنے ایسی پاکیزہ اور مہذب سیاست پیش کی کہ آج تک دنیا اس کی نظیر بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس پُر فریب دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں بڑے سے بڑے بادشاہ اور حکمراں رونما ہوئے جنہوں نے چار دانگ عالم پر حکومت کی ایک ملک کو اجاڑا دوسرے کو بسایا، ایک سے چھینا دوسرے کو دیا، ایک کو گھٹایا اور دوسرے کو بڑھایا، مگر ان کی عام سیاست قرآن کے الفاظ میں یہی رہی کہ "ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها و جعلوا اعزة اهلها اذ لة "لیکن نبی العرب والعجم امام الاولین والآخرین جن کی حکومت جزیرہ نمائے عرب کے تمام انسانوں کے قلوب پر تھی جنہوں نے ہجرت مدینہ کے بعد انہیں سیاسی سوجھ بوجھ سے اپنے خانماں برباد ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا تھا اور ان کی مدد سے ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی اور ذات پات کو ختم کیا اور تمام انسانیت کو یہ نعرۂ اخوت دیا "المسلم اخو المسلم " اس دنیا کے نقشہ سے رنگ و نسل کے امتیاز کو ختم کر دیا تھا اور اپنی تدبیروں سے عرب کے صدیوں پرانے انتقام اور انتقام جھگڑوں کا قلع قمع کیا۔ آج جبکہ ہر طرف سیاسی بے شعوری اور بد نظمی اور ظلم و انار کی اپنے شباب پر ہے اور دنیا کا اچھے سے اچھا نظام حکومت بھی اس کا مداوا

نہیں کر سکا۔ اور خاص کر مسلمان اپنی خانہ جنگی اور مذہب بیزاری کیوجہ سے انتشار و افتراق کا شکار ہیں۔ اور مسلم سیاست و حکمران اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور قوم کی پستی اور شکستگی سے بے پرواہ ہیں اسے پس منظر میں جبکہ ہمارے اپنے وطن میں جس کی خو کو ہم نے اپنے خون سے سینچا تھا آج ہم پر اسی وطن کی سرزمین تنگ کیجارہی ہے اور دیگر ابنائے وطن کیجانب سے ہماری ذہنی اذیتوں میں اضافہ کیا جارہا ہے ایسے ماحول میں ہم کو اپنے نبی کی اپنے شہر کی حالت بسے بسی اور طائف کی وادیوں کی مظلومیت کو بنظر غائر دیکھتے ہوئے اپنے ماحول میں نبی رحمت کی سیرت کو اور اس کے اسوہ کو اور نظام سیاست کو اپنا رہنما بنانا پڑے گا۔

تحفظ حقوق انسانی

رسول اللہ ﷺ پوری نسل انسانی کے لئے راہ نما ہیں، وہ عدل وانصاف کے پیمبر ہیں اور حقوق کے علمبر دار ہیں، انہوں نے اس راہنمائی کا آغاز ہی انسانی حقوق سے کیا اور ماں کی گود سے کیا، آپ نے دنیا کو جو سب سے پہلا سبق اپنی دودھ پلانیوالی ماں کی گود سے دیا وہ دوسروں کے حق میں احترام کا سبق تھا۔ آپ کی رضاعی ماں کی یہ روایت سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم جس دور میں ان کی گود میں تھے آپ کیساتھ آپ کا دودھ شریک بھائی بھی تھا، حضرت حلیمہ کے نے ایک ایک حصہ دونوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا، فرماتی ہیں کہ کبھی کبھار بے دھیانی میں آپ کو دودھ شریک بھائی کے حصہ کے طرف کر دیتی تو آپ منھ پھیر لیتے اور دودھ نہیں پیتے، یہ جناب رسالت مآب ﷺ کی معصومیت اور خداداد شعور کا اظہار ہی تو تھا اس میں پوری نسل انسانی کے لئے ایک سبق ہے کہ انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ دوسروں کے حقوق کی طرف مت دیکھو۔ ان کے حقوق کا احترام کرو اور اگر کبھی اتفاق سے کسی دوسرے کا حق تمہاری دسترس میں آجائے تو منھ پھیر لو اور اپنے حقوق پر قناعت کرو۔ آج دنیا میں ہر طرف انسانی حقوق کے تحفظ کا چرچا ہے لیکن بقول اقبالؒ کے کہ کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کی مانند ہیں جن کے پیچھے دنیا کے گوشے گوشے میں قدر حریت برباد ہو رہی ہے اور شرف انسانیت کو مجروح کیا جارہا ہے۔ تہذیب حاضر نے انسان اور انسانیت پر ظلم و ستم کے نت نئے طریقے ایجاد کئے۔ اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں جن کی مثال تاریخ عالم کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ جو قومیں انسانی حقوق کی پاسبانی کے بلند بانگ دعوے کر رہی ہے وہی انسانی تباہی کے لئے نت نئے طریقوں میں سب سے پیش پیش ہیں (۱) (خطبات بنگلور) جائزہ لیجئے نبی رحمت ﷺ کی سیرت کا کہ آپ نے ہر موقع پر انسانی حقوق کی پاسداری کی خواہ وہ حالت جنگ ہو یا موقع صلح و آشتی، مولانا ابوالکلام آزاد نے حضور ﷺ کی ہدایات بہ سلسلۂ جنت کا بڑا بصیرت افروز جائزہ لیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ صلح وامن کا معاہدہ تو دوسرا ہے جنگ میں بھی حضور ﷺ نے عظیم الشان انسانی

اصولوں پر عمل کیا تھا(۲)(الحرب والاسلام) سنن ابی داؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے اعضاء کو کاٹنے سے منع فرمایا۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت دیکھا اس پر آپ نے بچوں اور عورتوں اور کمزوروں کو قتل سے منع فرمایا! جب مظلوم عوام کو ظلم و ستم کی شکار رومی و ایرانی رعایا کو اسلامی اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ مل گیا تو وہ یہ کہہ اٹھے کہ انسانیت کے دشمن نہیں یہ تو انسانیت نواز ہیں، جو نہ کھیتیاں جلاتے ہیں نہ مکانات پھونکتے ہیں نہ بچوں کو یتیم کرتے ہیں نہ عورتوں پر تلوار اٹھاتے ہیں۔ نہ بوڑھوں کو ستاتے ہیں نہ قتل و غارتگری کرتے ہیں • یہ انسان نہیں ہیں کوئی اور مخلوق ہیں، افسوس تو اس کا ہے کہ آج جس طرح امت اسلامیہ ایمانی ضعف کا شکار ہے اسی طرح اس کے احسن اخلاق میں بھی زوال پیدا ہو گیا ہے۔ مادیت پرستی اور خود غرضی کی وباء نے اسلامی اخلاق کی روح کو مجروح کر دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہم نے خود خزینہ اخلاق قرآن کریم کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ میں اخلاقی قدروں میں اغیار سے بھی زیادہ پست ہو گئے ہیں۔ ضرورت عصر حاضر میں اس پیغمبر انقلاب کے سیاسی مصلحتوں سے اور مدبرانہ دوراندیشانہ قیادت و سیاست سے سبق لینے کی ہے تاکہ مسلمان قوم بھی دیگر اقوام کی شانہ بشانہ چل سکے اور خیر القرون کے اس منشور پر عمل کریں جس کا خاکہ اقبال کی زبانی یہ ہے۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلمان ہو کر ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

غیر مسلموں سے تعلقات

عصر حاضر میں جبکہ موجودہ یورپی قومیں جو نبی رحمت ﷺ کی تعلیم کو اور ان کے اخلاق کو دنیا کے سامنے مسخ کر کے پیش کر رہی ہے۔ ہمیں ضرورت پڑتی ہے پیغمبر انسانیت کے اس اسوہ کو اپنانے کی جس کا تعلق دیگر مذاہب کے ماننے والوں کیساتھ ہے۔ اسلام جو کہ صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا مذہب ہے اور جس کا مادہ بھی "مسلم" یعنی سلامتی اور ایمان "امن" سے ہے گویا صلح و سلامتی اور امن و آشتی دین کی خمیر میں داخل ہے۔ اسلام کی تمام تعلیمات اس کے مزاج و مذاق کی آئینہ دار ہیں۔ اور اس نے محبت کا سبق سکھایا ہے۔ اللہ سے محبت، رسول سے محبت، مسلمانوں اور پوری انسانیت سے محبت، غرض یہ دین دین محبت ہے نہ کہ دین نفرت اور یہ مذہب اخوت کا مذہب ہے نہ کہ عداوت کا یہ صلح کی دعوت ہے نہ کہ جنگ کی، اس نے اس وقت محبت کی شمع جلائی جب ہر طرف بغض و عناد کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور انسانوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ انسانی عزت و تکریم اسلام کی بنیادی فکر میں داخل ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ اسلام میں اس کو عقیدہ کا درجہ حاصل ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ قرآن نے کہا

"و لقد کرمنا بنی آدم" کہ اللہ نے بنی آدم کو کرامت و شرف کا تاج پہنایا۔ یہ انسانی کرامت کا پہلو بلا

امتیاز مذہب تمام انسانوں کے احترام کا تصور عطا کرتا ہے۔اس نے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی تحقیر واہانت کا سلوک روا نہیں رکھا۔اور آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ یہ بتایا کہ مذہبی فرقت اپنی جگہ ہے لیکن کسی سے ذاتی دشمنی نہیں۔ صلح و جنگ دوستی و دشمنی، محبت وعداوت ہو سب اللہ کے لئے ہو"الحب فی الله والبغض فی الله" اسلام میں کسی سے موروثی یادائمی نفرت نہیں۔

فکر آخرت دنیوی زندگی کی کامیابی کا ضامن

سیرت نبوی سے خاندانی زندگی کا جو اسوہ انسان حاصل کر سکتا ہے۔ان میں سب سے پہلی بات تو عقیدہ کی پختگی ہے۔اور آخرت کی زندگی پر ایمان اور اس بات پر یقین کہ انسان کی کامیابیوں کا میدان دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے دنیا محدود ہے۔اس کی لذتیں بھی محدود ہیں اور لذت اندوزی کی عمر بھی محدود ہے۔لیکن تمنائیں لامحدود ہیں لہذا محدود وقت کی زندگی میں لامحدود تمنائیں پوری نہیں ہو سکتیں، عصر حاضر کی بے چینی اور مادہ پرستی کا سر سام اس لئے ہے کہ آخرت کی زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔بلکہ یہ طے کر لیا گیا ہے کہ ہمیں چند دنوں کی زندگی جو ملی ہے اس کا ایک ایک لمحہ لذت اندوزی میں صرف ہونا چاہئے۔حالانکہ قرآن مجید نے واضح اعلان کر دیا کہ یہ دنیا کی زندگی صرف لھو ولعب ہے اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔یعنی یہ کہ جس طرح کھیل تماشہ کو کوئی قرار و ثبات نہیں کہ ایک نہ ایک مرحلہ پر وہ ختم ہو جاتا ہے اسی طرح دنیا کی زندگی کسی نہ کسی لمحہ ختم ہو جاتی ہے۔اگر آخرت کی زندگی اور اس کی جزا و سزا کا حال نظروں میں ہو تو وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو تاجر، حاکم، گھر کا ذمہ دار، فوج کا سپہ سالار، وہ نبی کے اسوہ کو اپنی نظروں میں رکھے گا اور اسی طرح کی کامیاب زندگی گذارے گا۔ اگر آج ہم اس امین کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بددیانتی کا گزر نہ ہوتا۔اور اگر آج ہم اس رؤف ورحیم۔ کے پیرو ہوتے تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی جانب سے بے اعتمادی اور بدگمانی نہ ہوتی۔ اگر آج ہم کو اسم پاک "محمد" سے عملا کوئی واسطہ ہوتا تو اپنی موجودہ پستی سے اور بدنامی سے کوسوں دور ہوتے۔اگر ہم اس کے بتائے ہوئے اسوہ کو اپنالیں گے تو دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی ہماری منتظر رہے گی۔اور بقول علامہ اقبال کے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حافظ محمد امتیاز عالم
متعلم : سوم عربی

حضور اکرم ﷺ بائبل کی روشنی میں

یہ کس سراج منیر کی آمد کا اہتمام تھا کہ خالقِ کائنات نے اپنی عظیم کائنات کی تخلیق کی، آفتاب و ماہتاب روشن کئے ستاروں کے قمقمے سے آسمان کی محفل کو سجایا، زمین کا بچھونا بچھایا، کوہسار و آبشار پیدا کئے، وہ سب رنگ عالم ہستی میں بکھیر دیئے جو وجودِ حیات کے لئے ضروری تھا۔ خلقتِ آدم ظہور عالم وجود میں ہو گیا، پھر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے، سب کے آخر میں وہ ہادی بشریت بھی جلوہ گر ہوا جن کی آمد کی بشارت پچھلے پیغمبروں نے اپنی امت کو دی تھی، گو کہ آج کوئی آسمانی صحیفہ نہیں جو انسان کی دست درازیوں سے محفوظ ہو، اس کے باوجود ہمیں ان کتابوں میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی آمد کی بشارت ملتی ہے، جنہیں ان کے ماننے والے آسمانی کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مثلاً موجودہ انجیل مقدس، جو عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم کی کتابوں پر مشتمل ہے، عہد نامہ جدید میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں، جو مرقس، یوحنا۔ لوقا، متی کے نام سے یاد کی جاتی ہیں، اور موجودہ عیسائیت اناجیل اربعہ کو مقدس مانتی ہیں، اور عہد نامۂ قدیم میں وہ کتابیں شامل ہیں جو توریت، زبور، وغیرہ کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی پیشن گوئیاں نہ صرف موجودہ انجیل مقدس میں ہیں بلکہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ویدوں میں بھی ہیں بائبل سے چند نمونے ملاحظہ ہوں کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۲ میں مذکور ہے

Deuteronomy

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا اور وہ کوہِ فاراں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں میں سے آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"

خداوند کے سینا سے آنے کا مطلب خدا کا موسیٰ کو توریت عطا فرمانا ہے، اور کوہِ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا عیسیٰ کو انجیل عطا کرنا ہے کوہِ فاراں سے جلوہ گر ہونے کا مطلب اللہ کے قرآن کو نازل فرمانے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسالت

آپ ﷺ کا ظہور مکہ ہی سے ہوا اور اسلام کی پہلی گونج اسی فاران کی چوٹی سے اٹھی، اسی طرح کی ایک اور پیشن گوئی انجیل یوحنا باب: ۱۶ آیت: ۱۳ میں ہے کہ

"سچائی کی روح ظہور کرے گی تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا اور وہی کہے گا جو کچھ سنے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا"

سچائی کی روح کے ظہور کی بات کہی گئی ہے یقیناً اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سوائے پیغمبر اسلام کے کوئی اور پیغمبر مبعوث نہیں ہوا۔ یوحنا، باب: ۱۴۔ آیت: ۱۵ میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا (فارقلیط) یعنی سچائی کی روح بخشے گا کہ ابد تک وہ تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی، کیوں کہ نہ دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیوں کہ وہ تمارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر رہے گا (آیت ۱۶ تا ۱۷)

اسی طرح باب: ۱۶ ایت: ۷ میں ہے

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاوں گا تو وہ فارقلیط تمہارے پاس نہیں آئے گا"

فارقلیط یونانی لفظ پیر کلوطوس کا معرب ہے جس کے معنی محمد اور احمد کے آتے ہیں اس طرح قرآن کا بیان " مبشرا برسول یاتی من بعد اسمه احمد" یعنی حضرت عیسیٰ نے ایسے نبی کی بشارت دی تھی جس کا نام احمد ہوگا صادق آتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فارقلیط سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پاک ہے کیوں کہ حضرت عیسی کے بعد سوائے پیغمبر اسلام کے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا تاہم انجیل کی ان آیات کی وجہ سے عیسائی حضرات بڑی شدت سے ایک نئے پیغمبر کا انتظار کر رہے تھے چونکہ ایک نبی کا مبعوث ہونا یقینی تھا اس لئے بعض لوگوں نے اپنے آپ کو فارقلیط کا مصداق قرار دیا چنانچہ دوسری صدی عیسوی میں مونٹنس نامی عیسائی نے جو بڑا ریاضت گذار عابد اور اپنے زمانہ کا بڑا متقی تھا ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء میں دعویٰ کیا کہ فارقلیط جس کے آنے کی پیشن گوئی عیسیٰ کر گئے ہیں میں ہی ہوں اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہو گئے۔

(بحوالہ شارت ہیسٹری: ۴۶)

فاضل حیدر علی قرشی نے اپنی ایک کتاب سیف المسلمین جو اردو زبان میں ہے، کے صفحہ ۶۳ اور ۶۴ پر لکھا ہے:

"پادری ارشگان ارمنی نے کتاب یسعیاہ کا ترجمہ ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں کیا تھا۔ جو ۱۷۳۳ء میں مطبع انتونی پورٹولی میں چھپا ہے، اس ترجمہ کے باب ۴۲ میں یہ فقرہ موجود ہے کہ خدا کی پاکی بیان کرو۔ نئے

سرے سے اس کی بادشاہت کا اثر اس کی پشت پر ظاہر ہوا۔ اس کا نام احمد ہے "

(دیکھئے: بائبل سے قرآنک: ۳/۷۷۔۷۲ ۳)

ایک اور پیشن گوئی کتاب یسعیاہ باب : ۴۲ آیت : ۹ سے ملاحظہ ہو

"اے سمندر پر گذرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیروں اور ان کے باشندو! خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سر تا سر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں"

بجا طور پر یہ پیشین گوئی پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے ہے۔ کیوں کہ اس میں مذکور سلع سے مراد وہ پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ میں ہے، اور قدیم اہل عرب میں بھی اسی نام سے مشہور رہا ہے۔ کتاب یسعیاہ کا جملہ: "سلع کے بسنے والے گیت گائیں" اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے جب حضور ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں یہ عربی نغمہ گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

(ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودہویں کا چاند طلوع ہوا

گو کہ سلع نام کا ایک قلعہ ملک شام میں بھی واقع تھا، لیکن یہاں سلع سے مدینہ ہی کی پہاڑی مراد ہے، کیوں کہ کتاب یسعیاہ کا بیان کہ : "قیدار کے آباد گاوں اپنی آواز بلند کریں" میں قیدار سے مراد حضرت اسماعیلؑ کے صاحبزادہ ہیں، اور یہ اور ان کی اولاد ملک عرب کے بیابان میں آباد تھی۔ نہ کہ ملک شام میں

(تفصیل کے لئے دیکھیے: بائبل سے قرآن تک : ۳/۸۲۔۲۸۱)

یہ تو وہ پیشین گوئیاں ہے جن کا ذکر ان اناجیل میں ہیں جو موجودہ عیسائیت کے یہاں قابل قبول ہیں تاہم ایک انجیل انجیل برناباس سے بھی جانی جاتی ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ کی زندگی اور آپؑ کی تعلیمات ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق بیان کی گئی ہیں اور توحید و رسالت، اور آخرت کے قریب وہی عقائد پیش کئے گئے ہیں، جن کی تعلیم تمام انبیاء نے دی ہے، اس میں بکثرت حضورِ کی پیشین گوئی آئی ہے، جب عیسائیوں نے اپنے عقائد کی بنیاد کو متزلزل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کو غیر معتبر قرار دیا، حالانکہ برناباس اپنے آپ کو حواری کہتا ہے، اور اس میں درج آیتوں کی نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف کرتا ہے، بر خلاف دوسری اناجیل کے کہ اس میں حواریوں کے الہام اور کشف سے زیادہ حد دی گئی ہے۔ جس طرح معتبر اناجیل میں متضاد باتوں اور اختلافات کی کثرت ہے، انجیل برناباس تضادات سے بہت حد تک محفوظ ہے اور جس طرح بنیادی عقائد میں انجیل برناباس کا بیان دوسرے

تمام انبیاء کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انجیل برناباس ہی حق ہے، جس کا اصل نسخہ اطالوی زبان میں ہے، پھر انگلش، عربی، اردو، اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، بہر حال انجیل برناباس پیغمبر اسلام ﷺ کی پیشین گوئی سے پُر ہے چنانچہ اس کا بیان ہے:

"جب اندریاس نے کہا اے یسوع تو نے مسیح کی ہمیں بہت سی باتیں بتائیں سو ہمیں صاف طور سے بتا دے تب یسوع نے کہا" میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے تو خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لئے لایا اور اسی لئے ان کا کلام نہ پھیلا سوائے ان لوگوں کے جن کی طرف بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول جب وہ آئے گا تو خدا اسے اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لئے جو اس کا دین قبول کریں گے نجات اور رحمت لائے گا وہ بے دینیوں کے ہر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی مٹا دے گا یہاں تک کہ شیطان کو مبہوت کر دے گا کیوں کہ خدا نے ابرہام سے یہی وعدہ کیا تھا، کہ دیکھ تیری نسل میں تمام قبیلوں کو برکت دوں گا جس طرح اے ابرہام تو نے بتوں کو پاش پاش کر دیا اسی طرح تیری نسل بھی بتوں کو پاش پاش کرے گی۔

(انجیل برناباس فصل : ۴۳/۷۹ اردو ترجمہ مطبعہ)

اور انجیل برناباس کا ایک اور بیان ہے

" میں اس لائق نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ ﷺ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیح یا مسیا کہتے ہو وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور میرے بعد آئے گا اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اسکے دین کی انتہا نہ ہوگی"

(فصل: ۴۲ ص:)اسی طرح کی بات یوحنا باب ۵/۳۶ میں آیا ہے)

نیز ایک اور جگہ مذکور ہے۔

"جب میں نے اس کو دیکھا تو تسلی بھر کر کہنے لگا اے محمد اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں"

(عربی ترجمہ ص: ۱۶۹ اردو ترجمہ ص: ۲۴۳)

نیز ایک جگہ اور ارشاد ہے

"اب جبکہ تمام نبی آچکے سوائے خدا کے رسول کے جو میرے بعد آئے گا اور یہی خدا کی مشیت ہے اور یہ کہ میں اس کی راہ تیار کروں"

(فصل ۶۳ ص: ۹۴ اور ایسا ہی کتاب۔ یسعیاہ میں بھی ہے)

نیز عیسیٰؑ نے فرمایا

"جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو آدم نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی خدا ایک ہے اور محمد خدا کا رسول ہے۔ تب آدم نے کہا اے خدا بس تحریر کا کیا مطلب تب خدا نے کہا جسے تو نے مندرج دیکھا ہے وہ تیرا بیٹا ہے جو اب سے بہت سال بعد دنیا میں آئے گا اور میرا رسول ہوگا جس کے لئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہے جس کی روح میرے ہر چیز کے پیدا کرنے سے قبل ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔

(فصل: ۳۹ ص ۲) مطبوعہ

انجیل برناباس کی ان آیتوں سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اولوالعزم پیغمبر ، نسل ابراہیمی میں مبعوث ہونگے اور اس کی شریعت پورے عالم کے لئے بھی ہوگی اور قیامت تک کے لئے بھی ان بشارتوں کے باوجود اگر کوئی عیسائی پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان نہ لائے تو یہ محض ان کی ہٹ دھرمی ہے۔

☆☆☆

محمد انیس

متعلم : کلیۃ اللغۃ اول

نبی اکرم ﷺ کا فلسفہ اخلاق

محسن انسانیت ﷺ کی حیات طیبہ لالہ و گل کی طرح رنگین آبشاروں کی مانند مترنم اور کہکشاں کی طرح روشن و تابناک دیکھائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس تہذیب و تمدن، معاشرت و اخلاق، زہد و عبادت، مروت و شجاعت، کمال علم اخلاق و کردار کا حسین سنگم دیکھائی دیتی ہے، آپ ﷺ کی ہستی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے آپ ﷺ کی زندگی نصف النہار ہے، جس میں رات و دن کا فرق نہیں، وہ چمنستان کائنات کا کوئی پھول نہیں ہے بلکہ وہ گلدستہ کائنات ہے، جس میں گوناں گوں اخلاق کریمہ کے پھول گوندھے گئے ہیں، سرتاج الانبیاء ﷺ کی زندگی ایک بین الانسانی مشن کی داستان ہے، وہ قرآن کے اصولوں کی تفسیر ہے، اور وہ اس پیغام کی تکمیل ہے جس کی مشعل حضرت آدمؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ، عیسیٰؑ اور جملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنے اپنے دور میں روشن کرتے رہے ہیں درحقیقت محسن انسانیت نے ایک نظام حق کی صبح درخشاں سے مطلع تہذیب کو روشن کر کے بین الاقوامی دور تاریخ کا افتتاح فرمایا، یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی، حضور ﷺ کو اللہ جل شانہ نے ایسے حالات میں مبعوث فرمایا جبکہ پوری انسانیت بلکہ پوری دنیا تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی وحشت و بہمیت کا دور دورہ تھا ، بھائی بھائی کا جانی دشمن تھا، ہر شخص ایک دوسرے کی جان کا خواہاں تھا ذرہ۔ ذرہ خون کا پیاسا تھا، اخلاق و عادات سے کوسوں دور حقیقی معرفت کا اس کے پاس کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ ایسے نازک حالات میں آپ ﷺ نے انسانیت کو وہ پیغام دیا، محاسن اخلاق و عادات حسنہ سے آراستہ کیا، آپ ﷺ نے ایسا انقلاب پیدا کیا کہ درندہ صفت انسانوں کو فرشتہ صفت انسان بنادیا، وقت کے تمدنی بحران کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف نور ہدایت کا اجالا پھیلا دیا، افراد انسانی کو کردار کے سانچے میں ڈھالا، بے گانوں کو سینے سے چمٹایا، دشمنوں کو دوست بنایا، تاجدار مدینہ نے انسانوں کو کامیابی و کامرانی کا راستہ بتایا، لیکن سرکار مدینہ محمد عربی تاجدار بطحیٰ، حضور پُر نور ﷺ کو اس راہ میں بڑی رکاوٹیں پیش آئیں بہت سارے مصائب و آلام جھیلنے پڑے، طرح طرح کی مشقتیں و صعوبتیں سہنی پڑیں، مختلف نوع کے مظالم آپ ﷺ پر ڈھائے گئے، کہیں آپ کی گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گھسیٹا گیا، کہیں آپ کی پشت پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی گئی اور کبھی آپ کے راستے میں خار بچھائے گئے، حتیٰ کہ آپ کو ہر طرح سے ستایا گیا، پھر بھی آپ

مایوس نہ ہوئے، اپنے مشن کو جاری رکھا، اسی بے سروسامانی کی حالت میں طائف کا سفر طئے کیا، تاکہ لوگوں کو صداقت وحقانیت کی دعوت دیں، لوگوں کو نفس پرستی سے خدا پرستی کی طرف آنے کی دعوت دیں، اسی جذبہ کو لیکر آپ ﷺ طائف پہونچتے ہیں اور اہل طائف کو خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں اور ساتھ میں حبیب خدا نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ اور ناصح ہوں، مکہ سے چل کر سفر کی صعوبتیں اٹھا کر تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرنے والے بن جاؤ، مگر طائف والوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور ناصحانہ جذبہ کا صلہ یہ دیا کہ آپ کے جسم مبارک پر پتھروں کی بارش کردی، آپ ﷺ کے نعلین مبارکین خون سے لبریز ہوگئے، آپ ﷺ زخموں سے چور چور ہوگئے، جب اللہ کا راج دلارا زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتا ہے، تو شقی آکر آپ کے بازو پکڑ کر اٹھاتے ہیں، پھر اسی طرح پتھر مارتے گالیاں دیتے شہر سے باہر چھوڑ جاتے ہیں، حد کردی، جہالت کی کوئی انتہا نہ رہی، جو عذاب خداوندی سے نجات دلانے کے لئے آیا، اس کو عذاب دیا جارہا ہے اس کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا جارہا ہے، اس پر پتھروں کی بارش کی جارہی ہے، گالیوں سے محسن انسانیت کا سواگت کیا جارہا ہے،

حضرات! یہ ستم رسیدہ غریب الوطن، داعئ برحق اس ذات بابرکت کا چہیتا ہے جو ذات ساری کائنات کی خالق ومالک ہے، خداوند قدوس کو جوش آیا، چودہ طبق لرز اٹھے، آخر پہاڑوں کے فرشتوں کو حکم ہوا، کہ جاؤ میرے محبوب کو تسلی دو۔ چنانچہ فرشتے آتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں، اے محبوب خدا اجازت دیجئے ہم ان بدبختوں کو پیس کر رکھ دیں۔ لیکن قربان جایئے آقاء نامدار ﷺ پر ہر طرح سے انتقام کی قوت حاصل تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے معاف فرمادیا۔ کسی شاعر نے اس کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔

جناب رحمت اللعالمین نے سن کر یہ فرمایا — کہ میں اس دھر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا
اگر آج لوگ اسلام پر ایمان نہیں لاتے — خدائے پاک کے دامان وحدت میں نہیں آتے
مگر نسلیں ضرورت ان کی اسے پہچان جائیں گی — در توحید پر اک دن آکر سر جھکائیں گی
میں ان کے حق کیوں قہر الٰہی کی دعاء مانگوں — بشر ہیں بے خبر ہیں کیوں تباہی کی دعاء مانگوں

اور آپ نے ان کے حق میں یہ دعا کی۔ "رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون" دعاء کو شرف قبولیت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم وکرم کا معاملہ فرمایا، اور ہدایت کے دہانے کھول دیئے، جہاں پر آپ کے جسم اطہر پر پتھر برسائے گئے تھے اس پر اپنے فضل کے موتی بکھیر دیئے اور پھولوں کی بارش کردی سب کے سب مشرف باسلام ہوگئے۔ یہ آپ ﷺ کی وسیع النظر فی اور فیاضی ہی تو ہے، آپ کے اخلاق حسنہ کا کمال ہی تو ہے، آپ نے ان کے حق میں بددعاء نہیں فرمائی۔ ورنہ آپ ﷺ پہاڑوں کے فرشتوں کو حکم دیتے اور ان کو دونوں

پہاڑوں کے درمیان پیس دیتے۔ کیوں کہ وہ آقاءنامدار ﷺ کو اس قدر تکلیف پہونچائی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ تمام عمر میں سب سے زیادہ تکلیف آپ کو کس موقع پر پہونچی، آپ ﷺ نے اسی طائف کا ذکر فرمایا کہ وہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی، اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ دیگر انبیاء کے مقابلہ میں سب سے زیادہ آپ کو ستایا گیا۔

قارئین! فخر الانبیاء ختم الرسل مولائے کل کی ذات مقدس کی جس شعبہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ تو شفقت ہی شفق، رحمت ہی رحمت، اور اخلاق حسنہ کا سرچشمہ نظر آتی ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی روح تشدد کی روح نہ تھی وہ محبت و خیر خواہی اور اخلاق کریمانہ کی روح تھی، اسی لئے آپ کو پیغامبر رحمت کہا گیا۔ ذرا اس حقیقت پر غور کیجئے کہ اتنا بڑا انقلاب لانے والی ہستی ہے مگر سختی کا کوئی نام و نشان نہیں ہے قرآن بھی اعلان کر رہا ہے "انک لعلی خلق عظیم" آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ عام طور پر جب انسان کے پاس مال و دولت کی فروانی ہوتی ہے تو اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ لیکن حضور ﷺ کو جوں، جوں معاشی وسعت حاصل ہوتی گئی آپ کے اخلاق حسنہ پر مزید رنگ چڑھتا گیا۔ تاریخ عالم میں یہ مثال کہیں نہیں ملے گی کہ جس کو گالیاں دی گئی ہوں اس کو تحفہ پیش کیا گیا ہو، جس کو خار دار راستے پر چلا گیا گیا ہو اس کے عوض میں اس کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا گیا ہو، جس نے پتھر برسائے ہوں، اس پر پھول نچھاور کئے ہوں لیکن سرزمین حجاز کا باسی اور ارض بطحاء میں گشت کرنے والی ذات ملیگی۔ آپ کو فتح مکہ کا واقعہ بھی یاد ہوگا جب آپ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے، فتح مکہ کے بعد صحن حرم میں وہ تمام دشمنان اسلام اور سرداران قریش جمع تھے، ان میں وہ سب تھے جنہوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو طرح طرح سے تکلیفیں پہونچائی تھیں۔ اگر آپ چاہتے تو ایک ایک سے بدلہ لے سکتے تھے مگر آپ نے سب کو لا تشحریب علیکم الیوم اذھبوا و انتم الطلقاء کا مژدہ سنادیا عفو درگزر کا اعلان کر کے امن عامہ کا پروانہ اڑادیا۔ اور اخلاق کی تلوار سے سبھوں کے قلوب کو فتح کر لیا اور سب ہی آپ کے عاشق زار بن گئے اور دولت اسلام سے مالا مال ہوگئے، آپ کو ہجرت کا واقعہ بھی یاد ہوگا کہ جب سفر ہجرت میں سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس کے پیچھے ایک دھواں اٹھا وہ اس سے ڈر گیا۔ یہاں تک کہ اس نے آپ سے فریاد کی تو آپ نے اس کے لئے دعاء فرمائی تو گھوڑا چھوٹ گیا اس واقعہ سے بھی آپ کا اخلاق حسنہ آئینہ کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے جانی دشمن کے لئے بدعاء کے بجائے دعا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر سراقہ فتح کے بعد مشرف باسلام ہو گیا۔ دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا، کفر و شرک سے پاک و صاف ہو گیا، سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔

فاق النبین فی خلق و فی خلق و لم یدانوہ فی علم ولا کرم

حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء پر خلقت و اخلاق میں سبقت لے گئے دیگر، انبیاءنہ آپ کے علم کو پہونچ سکے اور نہ کرم کو، بیہقی، طبرانی اور حاکم نے ایک یہودی کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک یہودی عالم نے کہا کہ میں نے کتب سابقہ میں نبی آخر الزماں کے متعلق جو علامتیں پڑھی تھیں وہ سب تو موجود ہیں لیکن ایک نشانی کا اب تک مشاہدہ نہیں ہوا کہ نبی آخر الزماں کی بردباری آپ کی سختی پر غالب رہے گی، چنانچہ اس صفت کو معلوم کرنے کے لئے حضور سے لین دین کا معاملہ کیا، ابھی کچھ مدت باقی تھی کہ میں مجلس میں آیا اور حضور ﷺ سے سخت لہجہ میں بات کرنا شروع کیا، جوں، جوں صحابہ کرام مجلس میں آتے گئے کلام میں سختی کرتا گیا حتی کہ میں نے کہا، اے عبد المطلب کی اولاد، تم بس ٹال مٹول کرنے میں مشہور ہو گئے ہو، پھر میں نے حضور ﷺ کو گریبان سے پکڑا اور گھور کر دیکھا اور سخت کلامی کی، حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے اس حالت کو دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے، کہا اے دشمن خدا اگر حضور ﷺ سے تیرا معاملہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا تو حضور ﷺ کی شان عالیہ میں گستاخی کرتا ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عمرؓ کو تنبیہ کی، حضرت عمرؓ کے غصہ پر مسکرا کر آپ نے فرمایا کہ عمرؓ تم سے کچھ اور امید تھی یعنی تم اسے کہتے کہ نرمی سے تقاضہ کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا بحسن خوبی قرض ادا کر دوں، یہ فرما کر کہا کہ عمرؓ جاؤ تم نے سخت جملہ استعمال کیا ہے اس لئے اس کے حق کے ساتھ ساتھ بیس صاع کھجور زائد دے دو یہ معاملہ دیکھ کر یہودی نے زور سے کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا، سچ ہے " انك لعلیٰ خلق عظیم "آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائق تھے آپ ﷺ اخلاق حسنہ کے پیکر تھے آپ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا حضور ﷺ نے دشمنوں پر اخلاق کے اسلحہ سے فتح حاصل کر لی کردار کی حلاوت سے دلوں کو موہ لیا، دوستوں کو اپنی دل فریب تعلیم و تربیت سے جانثار بنایا، پیغمبر اعظم ﷺ کا یہی اخلاق و کردار تھا جس نے دنیا کو مسخر کر دیا، کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ تلوار سر کاٹتی ہے اور کردار دل جیتتا ہے، تلوار کی پہونچ بس گلے تک ہے اور کردار کی پہونچ جگر کی گہرائی تک ہے، جہاں تلوار کام نہیں کر سکتی وہ بیچاری ناکام ہو جاتی ہے وہاں پر کردار فتح کا علم نصب کرتا ہے، تیر و تلوار کی طاقت سے زمین تو چھینی جا سکتی ہے، جائدادیں تو ہڑپ کی جا سکتی ہیں مگر کسی کا دل نہیں جیتا جا سکتا ہے، دلوں کو مٹھی میں لینے کے لئے ضرورت ہے محسن اعظم کے اخلاق کو دلوں میں پیدا کرنے کی، یہ حضور ﷺ کے مکارم اخلاق تھے اور یہی قرآنی تعلیمات ہیں، ہمیں چاہئے کہ جس طرح زبان سے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں افعال و کردار سے بھی اخلاق کا مظاہرہ کریں۔

و ما توفیق الا باللہ

☆☆☆

محمد عبداللہ

متعلم : چہارم عربی

اسلامی نظامِ حکومت کے بنیادی تصورات

اصطلاح میں حکومت نام ہے قانون کی متحرک قوت کا سلطنت (State) ریاست سے مراد وہ رقبہ زمین (Land= ارض) ہے جہاں انسانوں کی سیاسی تنظیم ایک اجتماعی ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ سیاست وہ حکمتِ ارادی یا حکمتِ عملی ہے جس سے حکومت کا کارخانہ چلتا ہے۔ دنیا میں سب سے اچھی حکومت وہ ہے جو خداوندے قدوس کے قوانین کی تعمیل کرے جو سب سے زیادہ انسانوں کی بہتری کا کام انجام دے جس کی بنیاد چند ایسے پسندیدہ اصولوں پر ہو جو انسانی فطرت اور قدرت کے ابدی قوانین سے مکمل مطابقت پیدا کر سکیں جس کے اصول و ضوابط اور سیاسی اعمال میں عدل واعتدال اور یکسانیت پائی جائے اس قسم کی حکومت کے قیام کے متعلق اسلام کے علاوہ آج تک کسی مذہب کسی سوسائٹی، کسی قوم نے دعویٰ نہیں کیا اسلام ہی صرف ایسا مذہب ہے جو اس قسم کے دعوے کر سکتا ہے اور تمام دنیا کے انسانوں کو اپنے دعوے کی صداقت پر جمع کر سکتا ہے۔ (صفحہ نمبر ۶۲۵)

اسلامی دور

اسلام دنیا کے سیاسی ماحول میں ایک قوی الاثر واقعہ کی حیثیت سے علی الاعلان ظاہر ہوا ہے۔ یہ ایک قدیم الہام تھا جو انسانی فطرت کے مقدس رجحان کی شکل میں نازل ہوا۔ اور انسان کے ضمیر تک پہنچ کر از سر نو خدا کی امانت بنا ظہورِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو چکی تھی کہ اسلام اپنی دینی تنظیم سے ایک دنیاوی نظام بھی پیدا کرے گا مکہ معظمہ میں جو واقعات رونما ہوئے وہ مدینہ میں ظاہر ہونے والے سیاسی واقعات کا مبارک پیش خیمہ تھے۔ خدا کے مقدس شہر سے اس کے نکوکار بندوں کا جلاوطن ہونا فتح مکہ کا پیغام تھا اور امن کے پایۂ تخت (رحم امن) میں مفسدوں کا غلبہ مدینے میں ایک ایسے نئے اور عظیم الشان تاریخی دار السلطنت کا سنگ بنیاد تھا جن کا نام تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے مکہ میں جو بات ہو سکتی تھی رونما ہو کر رہی۔

مذہب اور سیاست

اسلام ایک مذہب ہے اور مذہب ہی کی حیثیت سے دنیا کے قلب اور قالب پر صحیح معنی میں حکومت کرنے

کے لئے ظاہر ہوا ہے جہاں تک دنیا میں فطری قوانین کے نفاذ، برائیوں کی تباہی۔ بہترین اصولوں کی ترویج انسانوں کے اتحاد اور انسانیت کے رواج کا تعلق ہے اسلام کا مطمح نظر دفاعی نہیں جارحانہ ہے یہ ایک ایسا تصور ہے جس سے اسلامی فکر کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔ ہم نے آپ ﷺ کی عظیم الشان زندگی سے حکومت وسیاست کے متعلق جو سبق پایا ہے اس سے دستبردار ہونا ہمارے قانونی اختیار کی حد سے باہر ہے (صفحہ نمبر ۱۲۶ تا ۱۲۷)

امتِ اسلامیہ کی تاریخی تشکیل

حکومت کی تشکیل ایک منظم قوم کی تشکیل پر منحصر ہے۔ دنیا میں حکومت قائم کر لینا آسان ہے لیکن ایک قوم بنانا مشکل ہے اور ایک بڑی قوم کا بنانا اور بھی دشوار ہے اسلام کے ظہور کے بعد امتِ مسلمہ کا ظہور قدرتی بات تھی لیکن اس مقصد کے پورا ہونے میں جن اہم طریقوں سے کام لیا گیا ہے وہ بھی قدرت کی منشاء کے مطابق ہے۔ دنیا میں امتِ اسلامیہ کے ظہور کا فلسفہ ایک قدرتی عمل پر منحصر ہے فرد، امت، حکومت یہ تین عناصر ہیں جو تعلق کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں اسلامی نظام میں سب سے پہلی شئے فرد ہے پہلے ایک فرد پیدا ہوتا ہے فرد امت کو بناتا ہے امت حکومت کو قائم کرتی ہے آپ ﷺ بھی فرد تھے اور آپ ﷺ نے امت کو بنایا اور یہ نظم و تنظیم کا عجیب وغریب سلسلہ ایک دور کی شکل میں باقی ہے۔ (صفحہ نمبر ۲۹۰)

عالمگیر سیاسی معاشرہ: آپ ﷺ نے خدا کے حکم سے امت کے سیاسی معاشرے کے لئے عام مہم شروع کی عکاظ، ذی المجاز، یعینہ کے سالانہ بازار اور نمائش اس مہم کا ذریعہ قرار دی گئیں۔ آپ نے ذی المجاز کے بھرے اجتماع میں انسانیت عامہ کو ان الفاظ میں خطاب کیا، انسانو! توحید کو قبول کرو اسی میں عام انسانی بہتری کا پروگرام موجود ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ آپ کو جب اللہ نے حکم دیا اور آپ نے کھلی جدوجہد شروع کر دی آخر کار ہجرت مدینہ کے بعد امت کی شیرازہ بندی کا کام اتنا نمایاں ہو گیا کہ مشرق و مغرب کے رہنے والے اس سے آشنا ہو گئے آپ نے اس مقصد کے لئے عالمگیر کوشش کی اور اس کا مرکز عرب کو بنایا قبائل کے سرداروں کے پاس نمائندے بھیجے نقیب مقرر کئے تاجدرانِ عالم کے پاس سفارشیں روانہ کیں خارجی سفارتوں کو مدینہ میں قبول کیا معاہدے طئے فرمائے اور دشمنوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا فوجیں منظم کیں اور ان کی رہنمائی مشرق و مغرب کی حدود کی طرف فرمائی اس طرح اجتماعی حکمت عملی کے وہ تمام عناصر سامنے آگئے جن کی بنا پر امت وسطی کی تشکیل وترقی عمل میں آئی اور منظم حکومت نے دنیا کو اپنا چہرہ زیباد کھایا۔ (صفحہ نمبر ۲۹۲)

اسلامی عہد کے معاہدے۔ معاہدوں کا اساسی مقصد: دنیا میں بہت سے عہد نامے ہو چکے ہیں اسلامی قانون کی رو سے اساسی معاہدوں کا مقصد اور غایت وہی ہے جو اسلامی حکومت کی غایت ہے نظریۂ توحید کے مطابق تمام دنیا

کے تعلقات کی توحید اور تمام انسانوں کی بہتری، ساری دنیا میں امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی میں دنیا کے باشندوں کے معاشی، سیاسی اور اجتماعی حقوق کی مساوات۔ اسلامی حکومت عالمگیر حکومت ہے اور وہ اس حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے لیکن معاہدوں کی وجہ سے دست بردار نہیں ہوتی۔ (صفحہ نمبر ۳۵۷)

صیغۂ جہاد و دفاع: جہاد کا مفہوم انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔ جہاد ہے اور اس کو جنگی معرکہ آرائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ جد و جہد صرف ایسے ماحول کا مطالبہ کرتی ہے جن میں اسلام کا ضمیر زبان اور قلم اپنا پیغام دلوں تک پہنچانے میں آزاد ہو لیکن اسوقت جہاد کے معنی یہ ہونگے کہ جب باطل پرست طاقتیں مقابلہ پر آجائیں اور ان کے تمام جنگی مرکزوں کے خلاف مسلح جنگ کی جائے (صفحہ نمبر ۳۷۳)

اسلامی فوج (جند): اسلامی فوج شیرازہ مجاہد سپاہیوں کی ترکیب، تنظیم، اتحاد اور اجتماع سے وجود پذیر ہوتی ہے اس کا ہر فرد صیغۂ جہاد و دفاع کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ پر مامور ہے۔ اسلامی فوج قانوناً خدا کی فوج ہے اور خدا کا اعلان ہے۔ "و ان جندنا لهم الغالبون "بیشک ہماری فوج ہی غالب و فاتح ہے۔ (صفحہ نمبر ۳۷۵)

فوج کی تشکیل: اسلامی فوج کا پہلا دستہ بیس مجاہد سپاہی (ان یکن منکم عشرون) اسلامی فوج کا دوسرا دستہ سو مجاہد سپاہی (ان یکن منکم مائة) اسلامی فوج کا تیسرا دستہ ایک ہزار مجاہد سپاہی (فان تکم منکم الف) ایسے سوار فوج قرآن کریم نے اس فوج کو رباط الخیل کا نام دیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۳۷۷)

قلعہ بندی: اسلامی فوج کی صف بندی (بنیان مرصوص) سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہونی چاہئے محاذ منظم ہو اور اس میں قلعہ بندیاں قائم کی جائیں۔

خندقیں اور کمین گاہیں: حملہ کے دفاع کے لئے اور دشمن کو جال میں لینے کے لئے خندقیں اور کمین گاہیں جنگی لائن کا جزو لاینفک ہیں (واقعدوا لهم کل مرصله) (صفحہ نمبر ۳۸۳)

صیغۂ عدل و انصاف: صیغۂ عدل و انصاف اسلامی حکومت کا ایک مستقل اور اہم ترین شعبہ ہے اس کا نام صیغۂ قضاء اور صیغۂ جزا بھی ہے اس محکمہ کا قیام خدا کے حکم سے عمل میں آتا ہے خدا حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ اور انصاف کا سرچشمہ ہے اس کی مرضی یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی حکومت کے شعبہ میں عدل و اعتدال برابر جاری و ساری رہے صیغۂ عدل مملکت کے تمام شہریوں کے حقوق، امن، آزادی اور مساوات کا محافظ ہے۔ محکمہ عدل معاملات کا فیصلہ کرنے میں حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ (صفحہ نمبر ۳۸۵)

محاکم عدلیہ، عدالت عالیہ وزارت عدل : صیغۂ عدل کا وزیر اس عدالت کا رئیس ہوتا ہے

عدالت عالیہ ولایت: یہ عدالت صوبہ کی سب سے بڑی اور آخری عدالت اپیل ہے۔

عدالت فوق العادہ : یہ عدالت خاص خاص حالات میں خاص معاملات کے لیے مخصوص علاقہ میں قائم

ہوتی ہے ۔

ابتدائی عدالتیں : عدالتِ صلح عدالت اصلاح عدالت تحکیم عدالتِ حاکمہ ابتدائیہ۔

عدالتِ صلح : یہ ہے کہ اس معاشرہ میں افراد کے برابر حقوق ہوں اور ہر فرد اپنے آپ کا مالک ہو۔

عدالتِ اصلاح : یہ عدالت قانونی دعاوی کو سننے کے بعد صلح کی اخلاقی قانون سے اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔

عدالتِ تحکیم : یہ عدالت فریقین کی مرضی اور ثالثی اصول پر دعاوی کا فیصلہ کرتی ہے۔

عدالت حاکمہ ابتائیہ : یہ عدالت مقدمہ کی قانوی سماعت کرتی ہے۔ (صفحہ نمبر ۳۸۹ تا ۳۹۲)

ضابطہ شہادت (گواہی) : قرآن حکیم قانونِ سنت اور قوانین فقہ میں اسلام کے ضابطہ شہادت پر مستقل موجود ہے۔اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا اسلام نے شہادت اور شاہد کا جو معیار مقرر کیا ہے اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عدالت کا اصل مقصود انصاف ہے۔

شاہد عادل : قرآن حکیم کا حکم ہے کہ شہادت محض اللہ کے لئے درست طریقہ پر دینی چاہئے اور گواہ دو افراد ہو جو انصاف اور سچائی پر عمل کریں۔ (صفحہ نمبر ۳۹۵ تا ۳۹۶)

بیت المال کے مالی وسائل (زکوٰۃ): سالانہ خدائی محصول جو سرمایہ اصلی کو پاک رکھنے اور ترقی دینے اور برکت حاصل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ صداقت، وہ مال جو فیاض لوگ اپنی خوشی سے غریبوں کی امداد اور فائدے کے لئے بیت المال کو دیتے ہیں "خمس" مال غنیمت کا پانچواں حصہ "فئی" وہ مال جسے مرعوب دشمن چھوڑ جاتا ہے "عشر" مسلمان کاشتکاروں پر عائد شدہ لگان، جزیہ، وہ ٹیکس جو اسلام کے حدود میں کافر رہتے ہیں الگ وصول کیا جاتا ہے۔اور اسی طرح عشور، کراءالارض، وقف، ضرابت اور اموالِ زائدہ بیت المال کے مالی وسائل ہیں۔

صفحہ نمبر (۴۰۴ تا ۴۰۵)

اسلامی حکومت اور اشتراکیت کے خاص خاص فرق

(۱) اسلام ایک مذہب ہے اور اسلامی حکومت ایک مذہبی نظام ہے

(۲) اسلام کا موضوع اصلی روح ہے اور مادہ اس کے تابع ہے

(۳) اسلامی حکومت مذہب کی داعی ہے

(۱) اشتراکیت ایک مسلک ہے اور اشتراکی حکومت ایک معاشی نظام ہے

(۲) اشتراکیت کا موضوع خالص مادی ہے اور وہ روح کے حقائق سے انکار کرتی ہے

(۳) اشتراکی فلسفہ مذہب کا منکر ہے۔

(صفحہ نمبر ۴۳۵ تا ۴۳۶)

اسلامی حکومت اور جمہوری حکومت کے خاص خاص فرق

(۱) اسلامی حکومت کے لئے مذہب بنیادی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔

(۲) اسلامی حکومت میں ہر فرد امت کا حکومت کی ذمہ داریوں میں براہِ راست شریک ہے ہر شخص شوریٰ میں بذاتِ خود پہنچ کر ارکانِ حکومت کے سامنے رائے پیش کر سکتا ہے۔

(۱) جمہوری حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔

(۲) جمہوری حکومت میں جمہور صرف ووٹ دیتے ہیں اور اپنے نمایندوں کے ذریعہ حکومت کے کام میں شرکت کرتے ہیں اصل جمہور نہ حکومت کی کرسی تک پہنچ سکتے ہیں نہ جمہوری ایوان میں داخل ہو سکتے ہیں (صفحہ نمبر ۴۴۰)

اسلامی حکومت۔ فاشی اور نازی نظام

(۱) اسلام کا تصورِ حکومت انسانیت پر مبنی ہے اس کی رو سے حکومت ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے جس میں تمام انسان برابر کے حقدار ہیں

(۲) اسلامی حکومت میں اختیارِ مطلق کا مرکز خدا کی بالادست ہستی ہے

(۳) اسلامی حکومت میں آزادی کا درجہ قانون کے بعد ہے اور قانون اللہ کی کتاب ہے۔

(۱) فاشی اور آمری نظام کی بنیاد ایک خاص قوم اور نسل کی برتری پر موقوف ہے حکمراں طبقہ اور نسل دوسرے تمام طبقوں اور نسلوں سے افضل ہوتا ہے۔

(۲) فاشی اور نازی نظام میں حکومت کا سردار آمر مطلق ڈکٹیٹر ہوتا ہے

(۳) فاشی اور نازی آمریت میں آزادی کا درجہ قانون کے بعد ہے اور قانون ڈکٹیٹر کا حکم ہے

(صفحہ نمبر ۴۴۳)

محمد ایوب صدیقی
متعلم : کلیۃالدعوۃ دوم

معجزات نبوی
اور
عقلیت جدیدہ ایک تجزیہ

وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون۔ سورہ یونس/۱۰۱

اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لئے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں۔

دل ہر کس کہ دانش رامزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزہ است

مفہوم نبوت

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے۔اسی طرح یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے کہ جب عالمِ انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور طلوع ہوتا ہے۔ اور اگرچہ جس طرح ظلمتِ شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی کا سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے۔ تاہم آفتاب کی ضیاپاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے اس کے سامنے ستاروں کی جھملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرۂ ارض دفعتاً بقعہ نور بن جاتا ہے۔

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کا نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں پیغمبر یا رسول ہے۔ عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے۔ لیکن مشکوۃ نبوت سے جو نورِ ہدایت ابلتا ہے۔اس کا سرچشمہ وہ "نور السموٰت والأرض" ہوتا ہے۔جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔

مفہوم معجزہ!

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے اس کی واضح ترین دلیل یا آیت،اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے تاہم بہ اقتضائے "لیطمئن قلبی" یا بہ لحاظِ اتمامِ حجت اس داعیٔ حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔ مثلاً

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہو گئی، حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لیکر "مسجد اقصیٰ" و "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کرلی۔ ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے۔ اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے۔ اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے عالمِ غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام "بینات" "براہین" یا زیادہ تر "آیات" ہے۔ محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو "معجزہ" کہا جاتا ہے۔

انبیاء کا اصلی معجزہ خود ان کا سر تا پا وجود!

اگرچہ پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سر تا پا وجود ہے۔ دیکھنے والے کے لئے اس کے چشم و ابرو میں اور سننے والوں کے لئے اس کے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لئے اس کے پیامِ دعوت میں اعجاز ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہے۔

حقیقت شناشوں کے لئے معجزہ کی حاجت نہیں

لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں مگر چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپ ﷺ غریبوں کے دست و بازو ہیں۔ قرضداروں کے لئے باعث تسکین اور سہارا ہیں مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں (صحیح بخاری باب بدأالوحی) حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی آپ ﷺ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا۔ ان کے لئے آپ ﷺ کا سر تا پا وجود، نفس دعوت حق اور پیامِ اخلاص ہی معجزہ تھا۔ انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے!

مگر نمرود و فرعون اور ابو جہل و ابو لہب جو آتشِ خلیل، طوفان نیل، قحطِ مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے، پھر بھی ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینے پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ پرچھائیاں پڑی ہوتی ہیں جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور اٰمنا برب موسی و ھرون (طٰہٰ/۳۰) پکار اٹھتے ہیں۔

دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدی ﷺ سے!

آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر اور انکے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے۔ آپ ﷺ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لیکر مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنادیا جو فرق مراتب کے ساتھ ہر طبقہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھا۔ آپ ﷺ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے۔ آپ ﷺ کی شریعت معجزہ تھی۔ آپ ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا ان کے علاوہ آپ ﷺ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا۔

دلائل و معجزات اور عقلیت!

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سنتے ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقل ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے۔ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرکہ آرا بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ، فلسفلۂ یونان ہو یا فلسفہ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا ان سب کا حاصل بحث یہ ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں تو دوسرے ان کو محال قطعی تصور کرتے ہیں عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا اور قائم رہے گا۔ لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی، طمانیت اور رفع شک کے لئے اپنے فہم و ادراک کے مطابق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی راز جو طبیعت کو تسکین دے سکیں ان تمام نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں لیکن کیا یہ ممکن ہے کیا محسوس و غیرہ محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی اور استقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں اور جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں، جب ہمارے عقل و فہم کی کوتاہی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو غیر محسوسات کا وہ کیوں کر ادراک کر سکتی ہے۔ اور اس کی حقیقت تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟

معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال

معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کائنات ایک نظام خاص پر قائم ہے۔ ہر شئے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شی پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو

سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہو سکتے۔ ہر شئی میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی اور نیز جس شئی میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا، آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے، درخت ساکن ہے پتھر چلتا نہیں، سورج میں نور ہے اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں، سمندر دفعۃً تھم گیا، درخت چلنے لگا پتھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگئی تو وہ درحقیقت وہ اس پورے نظامِ فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے درہم برہم کرنا چاہتا ہے۔ علل واسباب کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتے ہیں۔ اور اشیاء کے ان طبائع اور خواص کے اعلانیہ انکار پر آمادہ ہے جو بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے۔

معجزہ اور فلسفہ قدیم

اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ کیا یہ نظامِ فطرت، یہ سلسلہ اسباب و علل یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابلِ تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ فلاسفہ اور حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ، یہ اصول ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تغیر ہیں حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ غیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اس نظامِ فطرت اور سلسلۂ علل واسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ دنیا میں کوئی شئی بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں، بلکہ وہ بھی علل واسباب طبعی ہی کے نتائج ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں اور وہ اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں، ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل واسباب ہمارے فہم میں آجائیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظامِ فطرت، موجودات میں سلسلۂ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں۔ لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال اور کسی طریق سے شکست نہیں ہو سکتے۔ غرض یہ کہ بالکلیہ فرق فطرت محال ہے۔ اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً قانونِ فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شئی سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے۔

فلاسفہ اور حکماء کی وہ جماعت جو قوانین فطرت کے ناقابلِ شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر معجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اگرچہ خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بنا پر خوارقِ فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔

(سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی)

ان اصولوں کو یہاں ذکر کرنے سے مضمون کی طوالت کا خوف ہے اسی لئے سر دست اس کو چھوڑ دیا جارہا ہے۔

معجزات اور فلسفۂ جدیدہ

یوں تو یورپ میں اور دنیا کے دوسرے خطوں میں معجزات پر بیسیوں کتابیں مستقل تصنیف ہو چکی ہیں۔ لیکن سچ بات یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم نے جو چند اوراق اپنی کتاب (Human under stands) فہم انسانی) میں لکھے تھے وہ سارے جدید اعتراضات کا اصل ماخذ اور بنیادی اینٹ ہے۔

ہیوم کا استدلال۔ معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا۔ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے۔ صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظِ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے۔ جو عام قانونِ فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ خیال نہیں کی جاتی۔ مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے اچانک مر جائے کیوں کہ اس قسم کی موت تو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی مشاہدہ میں آچکی ہے۔ البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے۔ کیوں کہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا۔ لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا۔ اور چونکہ کسی شئی کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے۔ تو گویا معجزہ کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہِ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔

لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے (جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے) کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کی صورت میں بھی دلیل میں باہم تصادم ہوگا۔ جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی۔ اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہے یا خود دھوکہ کھا گیا۔ یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بیشک

مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہونا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے (فہم السانی باب معجزات) بحوالہ
(سیرت النبی ﷺ: ۳/۷۸ دارالاشاعت کراچی)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزانِ عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ چاہے کتنی ہی معتبر اور وقیع کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی۔ لہذا انسانی شہادت کی کوئی کیفیت و کمیت بھی معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت میں اس ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو جسے ہم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہیں اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل معلوم ہوتے ہیں۔ واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے۔ جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب "نظام المنطق" میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ۔ "آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانیت پر مبنی نہ تھا۔ جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں گذرے کہ اہل یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں۔ مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا، لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا۔ اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقۃ کوئی وجود نہ تھا"

(نظام المنطق کتاب سوم باب ۳ فصل ۲ بحوالہ سیرت النبی: ۳/۸۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آواز سنائی دیتی تھی کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے، اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست، لہذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔ لیکن یہ باتیں تقریباً تہائی صدی قبل کی ہیں ۱۹۲۰ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں ایسے بے باکانہ و مدعیانہ نعروں کی گنجائش نہیں چھوڑی فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم کی بنیاد کو ہیوم کیا ہیوم سے پہلے امام ابوالحسن اشعریؒ ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانیت یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات و اخبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دینا پڑا۔ چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر "ماڈرن بلیف" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک اقتباس بطورِ خاص ملاحظہ ہو۔

"کوانٹم نظریہ نے بڑاز بردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا سارے طبعی واقعات و حوادث مکمل طور پر جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کئے جاتے تھے۔ سلسلۂ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل ورخنہ نہیں تھا۔ مگر ۱۹۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا۔ اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی و قطعی علیت کا ہمیشہ کے لئے خاتم ہو گیا۔

ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بانفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سول پیدا ہو گیا ہے کہ آیا کارخانۂ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہہ میں کوئی ایسی شئی کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادئ ارادہ کہا جاسکتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔

(بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابت ۱۹۳۳ء) بحوالہ سیر النبی ﷺ: ۸۶/۳)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قوانینِ فطرت کا سرے سے کوئی جود نہیں بلکہ ان کی حیثیت اعداد و شمار کے لئے قوانین کی رہ جاتی ہے۔ زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس سال کی عمر میں مر جائے گا۔ لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مر جائیں گے۔ یعنی ہر فرد کے سلسلے میں کلی یقین نہ ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت بیش بینی ممکن ہے۔ پس قوانین فطرت صرف اسی معنی میں موجود ہیں۔

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فلاں عمر میں مر جائے گا۔ البتہ عادۃ یہ معلوم ہے کہ "کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے۔ مذہب کی زبان میں اسی قانونِ عادت کو "عادۃ اللہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بناپر بھی عملِ فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفسِ وجود کا انکار نہیں لازم آتا۔ البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے کہ بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالی) کی عادتِ جاریہ سے ہے جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادتِ جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی ہے اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنسداں کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں ہو سکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کر سکتا ہے۔ یہ صرف ممکن ہی نہیں کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے۔ یعنی معمولی سلسلۂ علل و

اسباب کو توڑ سکتا ہے۔ بلکہ ایک اور عالم طبیعات پروفیسر ڈالیبر کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں۔ درانحالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے۔ اس کی صرف وجہ یہ ہے کہ وہ ہمارے گذشتہ مشاہدات اور تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گذشتہ مشاہدات اور تجربات میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھادی ہے۔ حکمائے جدید نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دئے ہیں۔ ہیئتِ قدیم اور ہیئتِ جدید میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم ناممکنات کو ممکن بلکہ واقعہ بنادیا ہے۔ جب ہمارے گذشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت دے سکتا ہے۔ فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے۔ اب روزِ روشن کی طرح یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے۔ اس لئے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہ میں یہ خیال شدید جاہلانہ اور مضحکہ خیز سمجھا جاتا۔ پھر حکمت جدیدہ کہ جاننے والوں کو مذہب کی جو چیز آج مضحکہ انگیز نظر آتی ہے کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات حکمت مستقبلہ کے مدرسہ میں قابلِ مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

مذکورہ گفتگو سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایۂ علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے۔ اور اس کی بنا پر استدلالِ تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک کلی حکم پیدا کر لیتے ہیں۔

تصریحات بالا سے قانونِ فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ قابلِ اعتراض نہیں رہ جاتا ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے۔

(۱) قوانین فطرت عبارت ہیں قوانین عادت سے (۲) جو ہم کو بذات خود اشیاء کے اندر نہیں معلوم بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔ (۳) لہذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا فرق) بذات خود ممکن، عقلاً جائز، بالفاظ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

☆☆☆

طفیل احمد بن محمد یعقوب قاسمی
متعلم : چہارم عربی

سیرت طیبہ کے سیاسی عناصر

اسلام ایک دین اور ایک مکمل نظام حیات ہے، جس کا ظہور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہوا پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا تعلق عرب کے مشہور اور ممتاز قبیلہ قریش سے تھا، قریش حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اور اللہ کے نبی اسماعیلؑ کے سلسلہ نسب سے تھے جزیرہ عرب کے مغربی حصہ میں واقع مقدس شہر مکہ کے وہ نگران اور متولی تھے۔ رسول الثقلین چالیس سال کی پختہ عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کا نزول ہونا شروع ہو گیا۔ اور آپ کو اللہ نے اپنا رسول اور پیغمبر بنایا۔ بنیادی طور پر یہ وحی جو قرآن کی صورت میں محفوظ اور اسلامی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن کریم وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر آپ کی حیات مبارکہ کے آخری ۲۳/ برسوں کے دوران آیات کی شکل میں تدریجا بذریعہ وحی نازل کی گئی۔ قرآن کریم کی صحت و صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ قرآن مجموعہ ہائے احادیث اور سیرت نبوی کے مطابق ایک مسلمان کے سامنے جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ کہ اسلام کے دور اول میں برپا ہونے والی کشمکش میں ایک فریق تو بے لوث و بے غرض۔ حق و عدل کے متلاشی مظلوم مسلمانوں کا تھا جبکہ دوسرا فریق خود غرض مفاد پرست اخلاقی طور پر دیوالیہ اور ظالم و جابر غیر مسلم ارباب اقتدار پر مشتمل تھا۔ اسلام کے دور اول میں پیش آنے والے واقعات بعض وہ ہیں جو بنیادی طور پر مخالفت و عداوت پر مبنی تھے ایک طویل سماجی و اقتصادی بائیکاٹ تحقیر و تذلیل ایذا رسانی اور جبر و تشدد کے سلسلہ نے اولین دور کے بہت سے مکی مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ بعد میں خود رسول اللہ ﷺ کو بھی وحی الٰہی کے مطابق مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن آپ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا مطلب اہل اسلام اور غیر مسلموں کے درمیان کشمکش کا خاتمہ نہیں تھا۔ مدینہ میں بھی قریش نے چین نہ لینے دیا اور مختلف طریقے سے ان کے دباؤ اور جارحیت کا سلسلہ جاری رہا۔ سرداران قریش نے یہودی قبائل اور دیگر عرب قبائل سے تعلقات قائم کر کے ان کو محمد ﷺ کے مشن کا خاتمہ کرنے کی سازش میں اپنا شریک کار بنالیا۔ رسول کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر قبائل سے ایک معاہدہ طے کیا۔ جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جس

سے اسلام کی حفاظت ممتاز ہو گئی یہ معاہدہ ان لوگوں سے طے کیا گیا جو ظلم اور گناہ کی راہ میں تیز رو تھے اس نے آنے والے دنوں کے لئے رہنماء اصول مرتب کر دیئے۔ آپ نے میثاق مدنہ کے ذریعہ یہودیوں سے دوستانہ مراسم استوار کئے ممکن ہے کہ آپ کو یہ خیال ہوا کہ اس طرح یہودی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے کیوں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی بشارت تو پڑھ ہی رکھی تھی آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بعض ان ایام کے روزے رکھنے کا حکم بھی دیا جن دنوں میں یہودی روزہ رکھا کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں بھی حلال رکھیں جو یہودیوں کے یہاں حلال تھی اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دختران یہود سے عقد کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی لیکن اس کے باوجود اسلام اور یہودیت کے درمیان مخاصمت رک نہ سکی۔ بعثت رسول سے لیکر صلح حدیبیہ تک قریب قریب جزیرہ نما عرب کا بیشتر حصہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا آپ ﷺ نے بین الاقوامی معاملات کی دوستی کے لئے ان سلاطین امراء اور والیانِ ریاست کو دعوت اسلام دینے کا فیصلہ کیا جو حجاز کے متصل علاقوں پر حکومت کرتے تھے ان میں سے کچھ تو خود مختار تھے اور کچھ حکومتِ روم یا ایران کے باجگذار۔ رسالت مآب ﷺ نے ان حکمرانوں کو "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق دعوت اسلام دی اور مختلف سربراہانِ ریاست کو۔ عظیم الروم۔ عظیم فارس۔ عظیم القبط۔ کہہ کے مخاطب فرمایا۔ ان سربراہان ریاست کو مکتوب لکھتے وقت آنحضرت ﷺ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں شامل کیا گیا ہے،

(۱) جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تاکہ اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے

(۲) سفرا کو جو خطوط دیئے گئے ان پر بالترتیب اللہ اور محمد کے الفاظ تین سطور میں لکھے جاتے تھے۔

(۳) اس مقصد کے لئے آپ ﷺ نے باہتمام خاص چاندی کی خاتم تیار کروائی جس کے نگینے میں یہ الفاظ منقش تھے۔ عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے حضور ﷺ سے ہی شروع ہوا،

(۴) خطوط میں یہ جملہ بطور خاص لکھوایا جاتا، اسلم، تسلم، اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے اور بلاغت کا یہ بھی کمال ہے کہ اس میں ڈپلمیسی سے کام لیتے ہوئے دھمکی بھی مضمر ہے یعنی اگر نہ مانو گے تو خیر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مقوقس کو جو مکتوب ارسال فرمایا وہ مصر کے کتب خانہ میں اب تک اصلی حالت میں موجود ہے۔ اسی طرح قیصر روم کے نام آپ ﷺ کا نامہ مبارک استنبول کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ جس کے فرمانرواں کا لقب نجاشی اور نام اصحم ابن الجبر تھا اس کو جو آپ ﷺ نے خط تحریر فرمایا اس میں کسی قسم کے سیاسی اقتدار کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ حضرت عیسیٰ کی اس حیثیت کا ذکر فرمایا تھا جو اسلام کے نزدیک صحیح ہے اسی طرح ہرقل کے پاس آپ کا نامہ مبارک بھیجا گیا،

ہر قل نے آپ کا مکتوب مبارک وصول کرنے کے بعد مزید تحقیقات کے لئے حکم دیا کہ اگر مکہ کا کوئی شخص یہاں ہو تو پیش کیا جائے اتفاق سے ابو سفیان کئی دوسرے تاجروں کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے ہر قل کے ہرکارے تاجروں کو غزہ سے جا کر حمص لائے ہر قل نے ابو سیفان سے رسالت مآب کے متعلق چند سوالات کئے ابو سفیان ہر قل کے روبرو حق گوئی پر مجبور تھے دوسرے اس وقت قریش کے معتبر لوگ جھوٹ سے احتراز کرتے تھے، تحقیق حال کے بعد ہر قل نے کہا مجھے معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی پیدائش عرب میں ہوگی، اگر تمہارے جواب صحیح ہیں تو وہ شخص ایک روز اس جگہ پر قابض ہوگا، کاش اس تک پہنچ سکتا تو اس کے پاوں دھوتا اس کے بعد آپ ﷺ کا مکتوب مبارک پڑھا گیا، اس پر درباری بہت غصہ ہوئے وہ گورے خر کی طرح بھڑک اٹھے اونٹ کی طرح بلبلائے اور صلیب اٹھالی ہر قل نے ان کی نفرت دیکھی تو انہیں خاطر خواہ جمع رکھنے کو کہا اور ہر قل نے کہا یہ تو میں نے تمہارے دین کی پختگی کا امتحاں لینے کی غرض سے کیا تھا اس پر ان سب نے اسے سجدہ کیا، ہر قل نے آپ ﷺ کو لکھا میں مسلمان ہوں۔

آپ نے فرمایا کاذب جھوٹ بولتا ہے غزوہ موتہ میں ہر قل نے خود مسلمانوں کا مقابلہ کیا، اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی طبعی حیثیت جنگ کی ہے لیکن دشمن سے صلح کر لینا اسلام کے حقیقی مقاصد کے منافی نہیں سمجھا جاتا ہے، اسلام نے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی تاکہ ان کے دل مائل بہ اسلام ہوں اسلام نے اس بات کو پسند فرمایا کہ ان کی رہائی بلا معاوضہ عمل میں آئے فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرما کر ایسے حسن سلوک کو پیش کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا، کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے اہل مکہ کو عام معافی دے دی گئی اسلام کے دور آغاز میں عرب کے اندر جو کش مکش برپا ہوئی اور پھر پڑوسی طاقتوں بالخصوص رومی سلطنت کے ساتھ جو محاذ آرائی ہوتی رہی ان سب کے ذہنی و نفسیاتی اثرات کو سامنے رکھا جائے تو ان سے جزوی طور پر اسلام کے خارجہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے، بین الاقوامی تعلقات میں نئی بنیادوں کا تعین اسی وقت ممکن ہے جب طریقِ فکر اور مناہج استدلال سے متعلق مسائل کو اطمینان بخش طور پر حل کر دیا جائے عام نوعِ انسان کے ساتھ ساتھ تعلقات کے معاملہ ہیں۔

اسلام کے انداز فکر کا قرآن اور سنت کے اندر محبت حسن سلوک حلم و شرافت اور محافظت کے الفاظ میں اصولی اظہار ہوا ہے لیکن اس رویہ کو مقابلہ اور کشمکش کی حالتوں سے اور خصوصاً دور اول میں عرب کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی تاریخی آویزشوں کیساتھ خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہے۔ خود رسول ﷺ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دوستانہ رویہ رکھنے والے نجران کے عیسائی قبائل کیساتھ جزیہ کا معاہدہ اور مدینہ کے

یہودی قبائل کیساتھ امن و تعاون کا معاہدہ طے کیا اور دوسری طرف آپ ﷺ ہی نے انہیں یہودیوں کے بعض قبائل کے خلاف موت اور زندگی کی جنگ لڑی جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے کوساں تھے یہ معرکے حالات کی مجبوریوں اور تدبیری ضروریات کے تحت ہوتے تھے، مکہ میں نازل ہونے والی ہدایات اور اس دور میں اختیار کے لئے فکری و عملی رجحانات بھی انسانی حالات اور تعلقات کے لئے بحیثیت مجموعی اتنے ہی درست موزوں اور مناسب ہیں جتنے کہ دور مدنی کے اوائل اور اواخر کے امکانات اور طریقے بین الاقوامی تعلقات کے حضور اکرم ﷺ کا اسوہ آج بھی اسوہ خیر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی مسلم حکومتیں اور اقوام نبی اکرم ﷺ کا اسوہ آج بھی اسوہ خیر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی مسلم حکومتیں اور اقوام نبی اکرم ﷺ کے بین الاقوامی اصولوں کو رہنما اصول کے طور پر سامنے رکھے۔

☆☆☆

﴿ تاریخ ﴾

محمد حارث
متعلم : ششم عربی

پہلی صدی کی اصلاحی کوششیں
اور حضرت عمر بن عبد العیز یزؒ

خلافتِ راشدہ کے اختتام اور بنی امیہ کی حکومت کے استحکام نے (جو اسلام سے زیادہ عربی تھی، تجدید و انقلاب کی فوری ضرورت پیدا کر دی قدیم جاہلی رجحانات جو آنحضرت ﷺ، کی صحبت و تربیت اور خلافت راشدہ کے اثر سے دب گئے تھے نیم تربیت یافتہ مسلمانوں اور نئی عربی نسل میں ابھر آئے حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت نہیں رہا بلکہ عربی سیاست اور مصالح ملکی بن گیا تھا تفاخر اور قبائلی غرور خاندانی جنبہ داری اعزہ پروری جو خلافت راشدہ میں سخت عیب اور معصیت شمار ہوتی تھی ہنر اور محاسن بن گئے اعمال و اخلاق کے محرکات (بجائے اجر ثواب کے) جاہلی ناموری مدح و تعریف اور تفوق ہو گئے بیت المال (جو مسلمانوں کے پیسہ پیسہ سے جمع ہوتا تھا) خلیفہ کی ذاتی ملکیت اور خاندانی جاگیر بن گیا تھا پیشہ ور شعرا خوشامدی درباریوں پر مسلمانوں کی دولت بیدریغ صرف ہوتی تھی حکومت کی غلط روی اور اہل حکومت کی بے دین زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی آئے دن قسم قسم کی برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی ہے اس عادی اقتدار اور اس کے قدرتی اثرات کے باوجود اس عہد تک دین کا وقار اور اس کا اخلاقی اثر کسی حد تک مسلمانوں کی زندگی میں قائم تھا یہ دینی وقار اور اخلاقی اثر ان اشخاص کی بدولت تھا جو دینی و علمی زہد و تقویٰ کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے تھے انہی حضرات کی بدولت مسلمان بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں اور مادیت کے سیلاب میں بالکل بہ جانے سے رکے ہوئے تھے اور انہیں کسی حد تک اعتدال و توازن اور دین کا احترام قائم تھا ان دینی شخصیتوں میں سب سے بااثر اور محبوب شخصیت حضرت علی بن الحسین اور حضرت حسن المثنیٰ وغیرہ حضرات تھے رفتہ رفتہ سیاسی انقلاب کے اثرات وسیع اور گہرے ہوتے چلے گئے ان دینی شخصیتوں میں بھی کمی آنے لگی جو اسلام کے اصلی اخلاق و اوصاف کی محافظ اور قرن اول کی یادگار تھیں حکومت کا دائرۂ اثر اس طرح وسیع اور مستحکم ہو گیا تھا کہ اس وقت کوئی بیرونی یا اندرونی

طاقت ایسی نہ تھی جو اس کو میدان جنگ میں شکست دے سکے ماصی قریب میں دو بڑی کوششیں ایک سیدنا حضرت حسینؓ کا مخلصانہ و سر فروشانہ اقدام دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دلیرانہ و منظم مقابلہ ناکام ہو چکا تھا شخصی و موروثی حکومت نے اصلاح و تبدیلی کے دروازے بند کر دیئے تھے اور بیسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں کے لئے مسلمانوں کی قسمت پر مہر لگ چکی ہے اس وقت اسلام کو غالب ہونے اور حالات کو بدل دینے کے لئے ایک معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ معجزہ ظاہر ہوا یہ معجزہ حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذات ہے جن کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی جو خود بانی خاندان (مروان) کے پوتے اور ان کی ماں (ام عاصم) فاروقؓ اعظم کی پوتی تھی فاروقیت اور امویت کا یہ سنجوگ اسی لئے ہوا تھا کہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک خلیفہ راشد ہو جو حالات انقلاب برپا کر دے بظاہر تو ان کی جوانی اور امارت کو ان کی خلافت کے بعد کی زندگی سے کوئی مناسبت نہیں وہ ایک صاحب ذوق امیرانہ مزاج اور نفسی طبع نوجوان تھے سوائے طبیعت کی سلامتی حق پسندی اور فطری نیک مزاجی کے ان میں کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے ثابت ہو کہ وہ تاریخ اسلام میں اتنا اہم کام انجام دینے والے ہیں لیکن ان کی ذات سر تاپا اسلام کا اعجاز تھی اور وہ جس طرح منصب خلافت پر آئے وہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی موروثی نظام حکومت میں ان کی خلافت کا کوئی موقع نہ تھا اگر حالات اپنی طبعی رفتار سے چلتے رہتے تو امارت سے زیادہ ان کا کوئی حصہ نہ تھا مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔

خلافت کے بعد ان کی زندگی

عمر بن عبدالعزیز زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بلا تاخیر ان چند عمال حکومت کو معزول کیا جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے ان کے سامنے شاہی تزک و احتشام اور جانشینی کا جو سامان پیش کیا گیا اسے بیت المال میں داخل کیا اور اسی گھڑی سے ان کی سیرت یکسر بدل گئی اب وہ سلیمان کے جانشین نہ تھے بلکہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے جانشین تھے جواری اور باندیوں کو تحقیق کے بعد ان کے خاندانوں اور مالکوں کو واپس کر دیا مظالم کا تصفیہ کیا اور اپنی مجلس کو جس نے کسریٰ و قیصر کے دربار کی حیثیت اختیار کر لی تھی سنت اور خلافت راشدہ کے نمونے پر سادہ اور مطابق سنت بنا دیا اپنی جاگیر مسلمانوں کو واپس کر دی بیوی کا زیور بیت المال میں داخل کیا انہوں نے ایسی زاہدانہ زندگی اختیار کی جن کی نظیر بادشاہوں میں تو کیا مل سکتی ہے دریشوں اور فقراء میں بھی ملنی مشکل ہے۔

ان کی انقلابی اصلاحات

اس زاہدانہ زندگی اور تقویٰ و احتیاط کے ماسوا انہوں نے حکومت کی روح ہی بدل دی پہلا اور بنیادی انقلاب یہ تھا کہ انہوں نے دنیاوی حکومت نقطہ نظر بدلا اس وقت تک حکومت محاصل و خراج موصول کرنے اور صرف

کرنے کا ایک انتظامی ادارہ تھا جس کو جمہور کے اخلاق و عقائد سیرت و تربیت اور ضلالت و ہدایت سے کچھ بحث نہ تھی اسی نقطہ کے گرد اس کا سارا نظام گردش کرتا تھا انہوں نے اپنے اس مشہور تاریخی فقرے سے کہ محمد ﷺ دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ان کی ساری مدت خلافت اسی ایک جملہ کی عملی تفسیر تھی انہوں نے ملکی مصالح و منافع کے مقابلہ میں ہمیشہ دین و اصول و اخلاق کو ترجیح دی اور دینی نفع کے مقابلہ میں حکومت کے مالی نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کی

اعمال و اخلاق کی طرف توجہ

اس وقت تک خلیفہ صرف حاکم بادشاہ ہوتا تھا اس کو لوگوں کے اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنے کی نہ فرصت تھی نہ اہلیت نہ اس کا یہ منصب سمجھا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو دینی مشورے دے ان کے اخلاق و رجحانات کی نگرانی کرے یہ کام علماء و محدثین کا سمجھا جاتا تھا عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عمال حکومت اور امراء اجناد (فوجی افسروں) کو وقت پر نماز پڑھنے اور صلاح و تقویٰ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اتباع شریعت کی تلقین کرتے ہیں رسول ﷺ کی بعثت اور اسلام کی ظہور کا مقصد بتلاتے ہیں۔

تدوین علوم اور احیائے سنن

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دینی علوم کو تدوین اور سنتوں کی احیاء کی طرف توجہ کی ابو بکر بن حزم جو ایک بڑے عالم تھے ان کو حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی اور لکھا کہ (آن حضرت ﷺ) کی جو کچھ حدیثیں تم کو ملیں ان کو تحریری شکل میں لے آؤ اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ علماء رخصت ہو جائیں گے اور علم مٹ جائے گا انہوں نے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے ذخیرۂ روایات کی طرف توجہ دلائی کہ جلد اس کو قلم بند کر لیا جائے پھر صرف ابو بکر بن حزام ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ عمال سلطنت اور مشاہیر علماء کو بالعموم اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور گشتی فرمان جاری کیا کہ رسول ﷺ کی احادیث ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرو اسی کے ساتھ علماء کے وظائف مقرر کئے کہ وہ یکسوئی اور انہماک کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم کا کام کر سکیں وہ خود بڑے عالم تھے انہوں نے بنفس نفیس فرائض و سنن کی تشریح کی طرف توجہ کی۔ تبلیغ و اشاعت اسلام کی طرف توجہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف مسلمانوں کی اصلاح اور ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی طرف بھی خصوصی توجہ دی اور اس میں ان کو اپنے صدق و اخلاص کی برکت اور اپنے عمل سے اسلام کی صحیح اور مؤثر نمائندگی کی وجہ سے بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ علامہ بلاذریؒ نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے راجاؤں کو سات خطوط

لکھے اور ان کو اسلام اور اطاعت کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اپنی سلطنتوں پر باقی رکھا جائے گا اور ان کے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو مسلمان کے ہیں تو انہوں نے اسلام قبول کئے اور اپنے نام عربوں ہی کے نام پر رکھے اس کے علاوہ آپ نے بربر اور ماوراالنہر کے سلاطین کو بھی اسلام کی دعوت کے خطوط لکھے اور خراسان کے جو لوگ اسلام لائے ان سے خراج معاف کر دیا لیکن اور جو لوگ اسلام لانے کے ساتھ ساتھ سرائیں تعمیر کیں ان کے لئے انعام اور وظیفہ مقرر کئے۔

ان کی اصلاحات کے اثرات اور ان کا ردعمل

عمر بن عبدالعزیزؒ کی مالی اصلاحات اور بندشوں اور نظام حکومت میں شرعی و اخلاقی پابندیوں سے بجائے اس کے کہ حکومت کو مالی خسارہ اور شہریوں کو نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ملک میں خوشحالی عام ہو گئی اور دولت کی وہ فراوانی ہوئی کہ زکوٰۃ قبول کرنے والا ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے عمر بن عبدالعزیزؒ نے افریقہ میں زکوٰۃ کی تحصیل وصول پر مقرر کیا میں نے زکوٰۃ وصول کی جب میں نے اس کے مستحق تلاش کئے جن کو وہ رقم دی جائے تو مجھے ایک بھی محتاج نہیں ملا اور ایک شخص بھی ایسا دستیاب نہیں ہوا جس کو زکوٰۃ دی جاسکے عمر بن عبدالعزیزؒ نے سب کو غنی بنادیا آخر میں نے کچھ غلام خرید کر آزاد کئے اور ان کے حقوق کا مالک مسلمانوں کو بنادیا ان ظاہری برکات کے علاوہ (جو صحیح اسلامی حکومت کا ثانوی نتیجہ ہیں) بڑا انقلاب یہ ہوا کہ لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے اور قوم کے مزاج و مذاق میں تبدیلی ہونے لگی ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم جب ولید کے زمانہ میں جمع ہوتے تھے تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کرتے تھے اس لئے کہ ولید کا یہی اصل ذوق تھا اور اس کا اہل مملکت پر اثر پڑ رہا تھا سلیمان کو کھانوں اور عورتوں کا بڑا شوق تھا اس کے زمانہ میں مجلسوں کا موضوع سخن یہی تھا لیکن عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں نوافل و طاعت ذکر و تذکیرہ گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا جہاں چار آدمی جمع ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کو تمہارا کیا پڑھنے کا معمول ہے تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے تم قرآن کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو۔

ان کی زندگی کا جوہر

عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کا جوہر اور ان کی تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کی روح اور قوت محرکہ ان کا قوی ایمان آخرت کا یقین اور جنت کا شوق ہے انہوں نے جو کچھ کیا خدا کے خوف اور اس کی رضا کے شوق میں کیا اور یہی وہ طاقت تھی جو اپنے وقت کے سب سے بڑے طاقت ور حکمراں کو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کی ترغیبات اور مسائل کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتی تھی ان کو کوئی اگر اس طرز عمل کے خلاف نصیحت کرتا اور تمتع

ولطف اندوزی کی ترغیبات دیتا تو ہمیشہ یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے "انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم" (الانعام ۱۵) اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے ان کی رقت و خشیت کا یہ حال تھا کہ ایک شخص سے انہوں نے نصیحت کی فرمائش کی اس نے کہا کہ اگر خدا نے تم کو جہنم میں ڈالدیا اور ساری دنیا جنت میں چلی گئی تو تمہیں کیا فائدہ ہوا اور اگر ساری دنیا جہنم میں چلی گئی اور تمہیں اللہ نے جنت نصیب کی تو تمہارا کیا نقصان ہوا یہ سن کر وہ اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو انگیٹھی رکھی تھی وہ بجھ گئی۔ یزید بن حوشب کہتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت و دوزخ صرف عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسن بصری کے لئے پیدا کی گئی ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات

اگر اللہ کو منظور ہوتا اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے کسی پیش رو کی مدت خلافت مل جاتی تو پوری اسلامی مملکت میں گہرا اور دیرپا انقلاب ہو جاتا اور مسلمانوں کی تاریخ ہی دوسری ہوتی لیکن بنی امیہ جن کو اپنے اس فرد خاندان کی خلافت میں سب سے بڑی قربانی کرنی پڑی تھی اور اپنی بے تکلف مجلسوں میں حضرت عمرؒ کے گھرانے میں رشتہ کرنے پر بہت بچھتاتے رہتے تھے زیادہ دن تک اس مجاہدہ کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے جلد ان سے خلاصی حاصل کر کے مسلمانوں کو اس عطیۂ خداوندی سے محروم کر دیا (یعنی خاندان والوں نے منظم سازش کے تحت انہیں زہر کھلادیا) سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کل دو سال پانچ مہینے خلافت کر کے ۱۰۱ھ میں دنیا سے رخصت ہو گئے

☆☆☆

عبدالجبار غازی
متعلم : کلیۃ اللغہ اول

عہدِ آصفیہ کی علمی خدمات

عہد آصفیہ تاریخ دکن کا وہ درخشندہ باب ہے جس نے دکن کو خوشحالی اور تہذیبی ترقی کا نشان اور علوم و فنون کا گہوارہ بنادیا تھا آصفی خانوادہ کا نسبی سلسلہ جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق کی با وقار مخصیت تک پہونچتا ہے اور درمیان میں شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کی نسبت بھی ہے۔

جس وقت ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آفتاب اپنی روشنی کھو رہا تھا ایسے نازک وقت میں آصفی خانوادہ کا ایک ستارہ نمودار ہوا اور بجائے خود ایک آفتاب بن گیا جس کو دنیا آصف جاہِ اول کے نام سے جانتی ہے جس نے ہندوستان کے ایک اہم حصہ پر اسلامی سلطنت قائم کر کے اسلامی حکومت کے لازوال نقوش چھوڑے عہد ش آصفیہ میں مغربی و مشرقی علوم کی ترویج کا خاص اہتمام کیا گیا اور یہ بات قابل تعریف ہے کہ جدید علوم کی تعلیم کے ساتھ قدیم علوم کا بھی خیال رکھا گیا چنانچہ دائرۃ المعارف اسی عہدِ زریں کا انوکھا کارنامہ ہے جس نے ان نایاب قدیم تصانیف اور علمی خزانوں کو منظر عام پر لانے کا کارنامہ انجام دیتا رہا جسے گردشِ دوراں کی موجوں نے ساحل سے دور کر دیا تھا اور اس کے فیوض سے دنیاء علم محروم تھی اس ادارے کی کتابوں کی زیادہ قدر ہندوستان کے علاوہ مصر، عرب، افغانستان، جرمنی، فرانس، اور انگلستان میں بھی تھی اور اسی دور کا ایک اور کارنامہ محکمہ نظامتِ دیوانی و ملکی ہے جس نے انتظامی امور کے علاوہ قدیم تاریخی فرامین و دستاویزات اور کتب و رسائل کی فراہمی اور ان کی ترتیب و تدوین اور ان کی حفاظت جس طرح انجام دی وہ لائق تحسین ہے اس محکمہ کی بر آمدہ تاریخی ذخیرہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ برصغیر میں کسی اور جگہ اتنی بڑی تعداد میں اور مرتب حالت میں قدیم تاریخی مخطوطات ایک جگہ نہیں مل سکتے، آصف جاہی عہد کے شروع ہی سے دکن میں اورنگ آباد اور حیدر آباد علم کے زبردست مرکز تھے جہاں عالموں اور دانشوروں اور باکمال لوگوں کا مجمع ہر وقت لگا رہتا ہے آصف جاہی حکمراں ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ شاہی خاندان کے علاوہ دیگر امراء نے بھی علم دوست ہونے کا ہمیشہ ثبوت دیا چنانچہ محمد فخر الدین خاں شمن الامراء امیر کبیر کو سائنٹفک اور میکانکی علوم سے خاص لگاؤ تھا شمس الہندسہ اور ستہ شمسیہ ان ہی کی تصانیف ہیں ان کی ان تصانیف میں مقناطیس جر ثقیل ریاضی مساحت ہندسۂ ہیئت اور کیمیا کے موضوع پر پہلی مرتبہ اردو میں بحث کی گئی۔ (تاریخ دکن عہد حالیہ)

ادبی سرگرمیاں

عہدِ آصفیہ میں جہاں دوسرے علوم وفنون کا پتہ چلتا ہے وہیں شعر وسخن کی ایک تاریخ ملتی ہے چنانچہ نواب خاصر جنگ آصف جاہ ثانی نے اپنا تخلص آفتاب اور ناصر رکھا تھا اور نواب صلابت جنگ اور میر نظام علی خان نے بھی شعر وسخن کی حوصلہ افزائی کی اس عہد کے شعراء میں شاہ سراج اورنگ آبادی نواب درگاہ قلی خاں سالار جنگ درگاہ میر نوازش علی خاں شیدا وغیرہ تھے آصف جاہی حکمرانوں کے دوسرے دور میں (نواب سکندر جاہ سے افضل الدولہ تک) بھی شعر وسخن کی سرگرمیاں عروج پر تھیں میر شمس الدین محمد فیض اور سید معین الدین شاہ خاموش قابل ذکر ہیں نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہِ سادس کے دور حکومت میں (جسے عہدِ آصفیہ کے تیسرے دور کی ابتدا کہا جاتا ہے) علم وفن اور شعر وشاعری کی قسمت جگمگانے لگی وہ خود آصف تخلص فرماتے تھے اس دور کے قابل ذکر شعراء میں فصیح الملک داغ امیر احمد مینائی ہیں اور انشاء پردازوں میں پنڈت رتن ناتھ سرشار مولوی چراغ علی مولانا شبلی نعمانی انوار اللہ خاں انوار اور عبدالجبار خاں آصفی ہیں اسی زمانہ میں مولانا شبلی نعمانی نے الغزالی علم الکلام موازنۂ انیس ودبیر جیسی کتابیں لکھیں اور اسی دور میں سلسلۂ آصفیہ کے نام سے مشرقی ومغربی علوم کی کتابوں کا ترجمہ ہوا نیز میر محبوب علی خاں نے علمی اداروں اور انجمنوں کی بھرپور سرپرستی کی اخبار ورسائل جاری کرائے اور انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے مدارس کھولے گئے محبوبیہ گرلس اسکول اسی زمانے کی ایک یادگار ہے آصف جاہِ سادس نے خدمتِ خلق کا ایک خاص جذبہ بھی پایا تھا جس کا اظہار ان کے اس شعر سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۱۹۰۸ء کے زبردست اور ہلاکت خیز طغیانی کے وقت اپنی رعایا کے غم میں شریک ہو کر ان کی دلجوئی کے لئے کہا تھا اور بے ساختہ فرمایا تھا

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے

آخری دور

اس کے بعد آصفی خانوادہ کے آخری چشم وچراغ میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کا دور آتا ہے جو علمی کارناموں کے اعتبار سے بہت روشن دور ہے ان کے عہدِ زریں کا درخشاں کارنامہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے اور اس سے بھی بڑا کارنامہ اردو زبان کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دینا ہے جامعہ عثمانیہ کی ضرورت اس وقت پیش آئی جبکہ حکومت ہند نے ایک غیر زبان میں تعلیم دینے کی حکمت عملی کو اپنایا جس کی وجہ سے دیسی زبانوں کی نشو ونما میں بڑی حد تک رکاوٹ پیدا ہونے لگی آصف جاہ سابع کی دور بیں نگاہوں نے ان آثار کو تاڑ لیا جو غیر زبان کے ذریعہ نوجوان کی ذہنیت پر مرتب ہوتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۱۷ء میں جامعہ عثمانیہ کے قیام کے تعلق سے حکم صادر فرمایا اور صریح الفاظ میں کہہ دیا ''الٰہ یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازم کردی جائے''

حوالہ (تاریخ دکن عہد حالہ نواں باب ص۔۲۶۰)

جامعہ عثمانیہ کے قیام سے ہندوستان میں علوم وفنون کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے ماضی میں تمام اردو زبان شعر و سخن اور ادبیات تک محدود تھی لیکن خانوادۂ آصفی نے اردو زبان کو اس قدر وسعت بخشی کہ وہ دنیا کی متعدد زبانوں کی برابری کرتی رہی اور ہندوستان کی دیگر کسی زبان کو یہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی، آصف جاہ سابع کی ادبی سرپرستی میں مولانا شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شرر اپنی وفات تک خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے اور ادب اردو کو گرانقدر تصانیف سے مزین کرتے رہے مولانا عبدالماجد دریابادی خواجہ حسن نظامی مولانا سید سلیمان ندوی اور ظفر علی خاں جیسے انشاء پرداز عثمان علی خاں ہی کی سرپرستی کی وجہ سے حیدرآباد سے دور اپنے وطن میں اردو کی خدمت کرتے رہے (حوالہ میر عثمان علی خاں اور ان کا عہد) اور امیر مینائی نواب وضاحت جنگ جلیل کرسن پرشاد حضرت جوش ملیح آبادی عزیز یار جنگ مولوی عبدالحق رائے مانک راؤ حضرت امجد حیدرآبادی صفی اورنگ آبادی سید علی اصغر بلگرامی جیسے شہرۂ آفاق شعراء اور اصحاب دانش بھی اسی دور کی پیداوار ہیں جنہوں نے علم وادب کی ترویج میں نمایاں رول ادا کیا۔

ادارے اور انجمنیں

اسی طرح میر عثمان علی خاں نے مختلف اداروں اور انجمنوں کی طرف بھی توجہ کی اور سرپرستی فرمائی

حیدرآباد ایجوکیشنل سوسائٹی

تخت نشینی کے دو سال کے درمیان انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا اور حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی اور مختلف سرگرمیوں اور تنظیموں کا سلسلہ شروع ہوا اس انجمن نے اردو زبان وادب کی ترقی میں بہت ہی اہم رول ادا کیا۔

انجمن ثمرۃ الادب۔

یہ انجمن بھی دارالعلوم کے طبہ کی کوشش سے قائم ہوئی اس انجمن کی لائبریری میں ۵۰۰ کتابیں اور اخبار و رسائل تھے تاریخ فلسفہ سیاست اور تمام اخلاقی و علمی کتابیں یہاں رکھی جاتی تھیں علمی مباحث اور تقاریر اور لکچر ہوا کرتے تھے اس انجمن کی طرف سے ایک رسالہ ''ثمرۃ الادب'' نکلتا تھا جس کے مدیر محمد عبدالواسع صفا تھے

اشاعت العلوم

۱۹۱۱ء میں قائم ہوئی اردو زبان اور اسلامی علوم کی خدمت خاموشی کے ساتھ کرتی رہی یہاں اسلامی علوم و عقائد کی اشاعت ہوتی تھی اس مجلس کے بانی مولانا حاجی انوار اللہ صاحب فضیلت جنگ تھے جو عثمان علی خاں کے استاد اور مدرسۂ نظامیہ حیدر آباد کے سرپرست تھے۔

انجمن اسلامیہ

۱۹۱۸ء میں قائم ہوئی جہاں کے اراکینِ مجلس نے اردو تحریر و تقریر کے ذریعہ اردو زبان کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

انجمنِ ترقی اردو

کو عثمان علی خاں کی خاص سرپرستی حاصل تھی یہ انجمن ۱۹۰۳ء میں قائم ہوئی جس کے معتمد مولانا شبلی نعمانی تھے ان کے انتقال کے بعد حبیب الرحمان خاں شیروانی نے معتمد کے فرائض سنبھالے اس انجمن کو اردو کی ترقی سے راست تعلق تھا انجمنِ ترقی اردو کی مرتبہ کتابیں ریاست کے سبھی مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں ایک مکمل اور مبسوط لغت کی تیاری کے لئے میر عثمان علی خاں نے اس انجمن کو بارہ ہزار روپے سالانہ منظوری دی تھی۔

حوالہ (آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں اور ان کا عہد)

مدارس اور اسکول

عہد آصفیہ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ مدارس کا قیام بھی ہے۔ چنانچہ نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کے دور میں امیر فخر الدین خان شمس الامراء نے اپنی ڈیوڑھی شاہ گنج میں ۱۸۴۳ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ فخریہ کہلاتا ہے آصف جاہ رابع ہی کے دور میں حیدر آباد میں پہلی مرتبہ مدرسہ طبابت قائم ہوا یہ مدرسہ ۱۸۴۵ء میں شروع ہوا اور بعد میں اس نے بہت ترقی کی

دارالعلوم

۱۸۵۶ء میں قائم ہوا جسے سر سالار جنگ بہادر نے اپنی ڈیوڑھی کے ایک حصہ میں قائم کیا جس کا شعبۂ انگریزی بعد میں سیٹی کالج بنا، ۱۸۷۳ء میں نارمل اسکول قائم ہوا بعد کو اس کا دارالعلوم ارخمام کر دیا گیا، ۱۸۷۸ء میں "مدرسہ اغرہ" کا قیام عمل میں آیا اس مدرسہ میں امیر اور جاگیرداروں کے بچوں کو ہی داخلہ دیا جاتا تھا یہ مدرسہ ملک پیٹ میں آج بھی موجود ہے، ۱۸۷۹ء میں مدرسہ عالیہ کی بنیاد رکھی گئی یہ حیدر آباد کا اعلیٰ ترین مدرسہ تھا اور اسی

طرح حیدر آباد کے اعلیٰ ترین ذریعہ تعلیم انگریزی کے مدارس میں پہلا نام سینٹ جارجس گرامر اسکول کا ملتا ہے جو ۱۸۳۴ء میں قائم ہوا اور انہیں مدرسوں میں سینٹلیس ہائی اسکول، گرامر اسکول بلارم اومن کیتھولک مشن اسکول بھی شامل ہیں ۱۸۷۹ء میں حیدر آباد کے رہنے والے کتھری طبقہ نے ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام مفید الانام رکھا گیا اور ۱۸۸۰ء میں کانسٹھ طبقہ کے لوگوں نے ایک مدرسہ شروع کیا جسے دھرم ونتھ اسکول سے موسوم کیا گیا یہ آج کل کالج بن گیا ہے اور اسی طرح جنوبی ہند کا معروف و مشہور مدرسہ ۱۸۸۳ء میں قائم کیا گیا جس کا نام جامعہ نظامیہ ہے جس کی عالی شان عمارت شبلی گنج میں آج بھی موجود ہے۔

حوالہ (تاریخ حیدر آباد مطبوعہ سیاست)

کتب خانے اور تحقیقی واشاعتی ادارے

اسی طرح مغربی علوم کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لئے ایک دارالترجمہ کے قیام کی ضرورت پیش آئی چنانچہ سائنٹیفک کتابوں اور جدید ادب و فن کی اشاعت کے لئے آصف جاہ سابع کے حکم پر ۱۴ر اگست ۱۹۱۷ء کو دار الترجمہ کا قیام عمل میں آیا، حکمرانِ آصفیہ کی علم پروری کا ایک نمونہ دارئرۃ المعارف کا قیام بھی ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے ۱۳۰۷ء میں اس کا آغاز ہوا اور اس کے ذریعہ علوم اسلامیہ بالخصوص عربی زبان کا تحفظ کیا گیا۔ عام استفادہ اور تحفظِ کتب کے لئے ایک شاہی کتب خانے کا قیام ناگزیر تھا بایں وجہ ۱۸۹۱ء میں ٹپہ خانہ عابد روڈ پر کتب خانۂ آصفیہ معرضۂ وجود میں آیا جس کو سید حسین بلگرامی نے قائم کیا تھا جس کو بعد میں ۱۹۳۹ء میں موسیٰ ندی کے کنارے تین لاکھ کے صرفے سے دو منزلہ عمارت تعمیر کر کے منتقل کیا گیا جو آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ مختلف تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہا ہے۔

بیرونی مدارس اور اداروں کی مالی سرپرستی

اسی طرح میر عثمان علی خاں نے کئی مدارس کی سرپرستی فرما کر ترویجِ علوم میں نمایاں حصہ لیا جن میں سے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں موخر الذکر کے لئے ماہانہ ایک ہزار روپے مقرر کئے گئے، جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد جب حکیم محمد اجمل خاں اور مولانا محمد علی نے رکھی تو ڈاکٹر ذاکر حسین نے بارگاہِ عثمانی سے امداد طلب کی تو ایک ہزار روپیہ کا مدار ماہانہ اور پچاس ہزار روپیہ منظور کیا گیا، مکہ مکرمہ کے مدرسہ صدلیہ کی بھی امداد کی گئی اور پچیس ہزار روپے منظور کئے گئے اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے لئے پانچ لاکھ روپے کی منظوری دی گئی

حوالہ (میر عثمان علی خاں اور ان کا عہد)

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ صدیقِ اکبرؓ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے آصفی حکمرانوں نے جہاں گیری و جہاں بانی کی مہارت کے ساتھ ساتھ علم پروری اور علم نوازی کا جو ثبوت دیا اس کے پیشِ نظر جب بھی ہندوستان میں اشاعتِ علم کی تاریخ لکھی جائے گی تو عہد آصفیہ کی علمی خدمات کے تذکرے کے بغیر یقیناً وہ نامکمل رہے گی۔

☆☆☆

محمد عاشق الٰہی
متعلم : ششم عربی

تحریک مدارس اور ہندوستان

۱۸۵۷ء کی اس پہلی جنگ عظیم میں وسائل کی قلت اور چند لوگوں کی غداری کے باعث مجاہدین آزادی کو کامیابی نہ مل سکی اس کے بعد ۱۸۶۱ء میں انگریزوں نے تین لاکھ قرآن پاک کے نسخے جلادیئے پھر علماء کرام کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور صرف تین سال کی قلیل مدت میں کم و بیش چودہ ہزار علماء کرام شہید کئے گئے۔ دہلی شہر میں عالم و دانش کی چھاونیاں بنی ہوئی تھیں مدارس و مکاتب کا وسیع جال پھیلا ہوا تھا دہلی شہر میں ہزاروں مدارس قائم تھے جہاں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوا کرتی تھیں مگر ظالم انگریزوں نے ایک ایک کر کے سب کو ختم کر دیا۔ خود حضرت شاہ عبد الرحیمؒ اور شاہ ولی اللہ کے مدرسہ رحیمیہ مہندیان پر بلڈوزر چلائے گئے۔ آخر کار ظالم انگریزوں نے ۱۸۶۷ء تک دہلی شہر میں ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہنے دیا اور انیسویں صدی کے وسط کا وہ دور ظلمت تھا جب کہ اسلام کی عظمت و شکوہ کا مہر نیم روز ڈوب چکا تھا البتہ اسلام کی ہلکی ہلکی کرنیں اپنے دھندلے نقوش کی جھلکیاں دکھا رہی تھیں مسلمانوں کی حکومت و اقتدار کی وہ شمع جو صدیوں سے فروزاں تھی وہ بجھنے لگی تھی۔ مسلمانوں کا اقتدار اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا اسلامی تہذیب کے نقوش مٹنے لگے تھے شعائر اسلامی نگاہوں سے اوجھل ہوتے جارہے تھے دینی قیام گاہیں ویران ہو گئیں تھیں اور خانقاہیں سنسان تھیں مسلمانوں کے چہروں پر اداسی تھی اور دل پر غم اندوہ کے بادل منڈلا رہے تھے اور دینی شعور محو ہو رہا تھا سنت نبوی ﷺ مردہ ہو رہی تھی دین کی اصل صورت مسخ ہونے لگی تھی۔ اور نئے تعلیمی نظام کی ہلاکت آمیزیوں سے مسلمانوں اور اسلام کو محفوظ رکھنے کا اب صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جن میں وہ اسلام کو اپنی صحیح شکل صورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔ چنانچہ علماء کرام نے اپنی تمام تر مصروفیات اسی پر صرف کر دیں مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حاجی عابد حسینؒ نے حالات کی نبض دیکھ کر دیوبند کی سرزمین میں ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھدی اور یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان میں کسی دینی درسگاہ کو قائم کرنا نت نئے مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لیکن یہ تو مولانا قاسم نانوتویؒ کا مومنانہ فراست حکیمانہ صلاحیت اور ملہمانہ بصیرت کا کرشمہ تھا۔ کہ خداوند قدوس کے حکم سے دیوبند کی سرزمین پر علوم نبوت کی ایک دینی درسگاہ عالم وجود میں آگئی۔

یہ علم و عرفان کا مرکز عظیم اور دین و تقویٰ کا مظہر جلیل تھا اور فکر و عمل کی بہترین جلوہ گاہ تھی اور اس طائفہ ولایت کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جو اشارہ ربانی کے رمز شناس تھے جن کے باطنی محاسن اور جن کے اخلاقی مکارم نے کفر و ظلمتوں کا سینہ چیر کر اس میں نور ایمان پیوست کیا پھر یہ السلام کا بطل جلیل تنہا نہ تھا ان کی معاونت میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوشیش لارڈ میکالے نے نئے نظام کے ذریعہ کی تھیں۔ انہیں ناکام بنا کر اسلام اور اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جاں نثار علماء کی کھیپ تیار کی جائے جو سخت سے سخت تر حالات میں دین کو محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک بھی پہونچا سکیں اور اس طرح مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء کو نہایت سادگی کے ساتھ اس عظیم الشان دینی درسگاہ کا آغاز کیا گیا۔ اور چھتہ والی مسجد میں ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا گیا۔ اس عظیم الشان تعلیمی منصوبہ کو عملاً شروع کرنے والے صرف دو افراد تھے ایک استاذ اور ایک شاگرد اور دونوں کا نام محمود تھا استاذ ملا محمود دیوبندیؒ تھے جن کو مدرس کی حیثیت سے میرٹھ سے بلوایا گیا تھا۔ اور شاگرد بھی دیوبند ہی کے ایک نوجوان محمود حسنؒ تھے۔ جو بعد میں شیخ الہندؒ کے لقب سے مشہور ہوئے جنہوں نے اپنی ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ انگریزوں میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔

حاجی عابد حسینؒ خدا رسیدہ والی کامل انسان تھے جنہوں نے سب سے پہلے دارالعلوم کے لئے چندہ پیش کیا اور ان کے اس عمل خیر سے تھوڑی ہی دیر میں تقریباً چار سو روپیہ جمع ہو گئے پھر انیس۔ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اور پہلے سال کے اختتام کے وقت تک طلبہ کی تعداد اٹھتر تھی اس اخلاص وللّٰہیت پر رکھی گئی بنیاد کی شہرت ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ چھتہ والی مسجد اس مدرسہ کے لئے ناکافی ثابت ہوئی اور ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں یہ مدرسہ جامع مسجد دیوبند میں منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر دارالعلوم دیوبند کے انداز پر برصغیر ہند میں بہت سے مدارس قائم کئے گئے۔ جن میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ امینیہ دہلی جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون جامعہ گلزار حسینہ اجاڑہ اور میرٹھ مدرسہ اسلامیہ منبع العلوم گلاوٹھی روڑکی مظفر نگر دہلی میں بہت سے مدارس قائم کئے گئے۔ چنانچہ یہی وہ دینی مدارس ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی بقاء و تحفظ میں میخ کا کام دیا۔ انہیں کی ضیاء پاش کرنوں سے آج سارا عالم منور ہے انہیں دینی مدارس کے بوریہ نشین علماء اور ان یزدانی قلعوں کے صف شکن مجاہدوں نے میدان مبارزت میں سر بکف و سینہ و سپر ہو کر باطل اور طاغوتی طاقتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا آج ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ برصغیر میں جو کچھ اسلامی تشخص نظر آرہا ہے وہ انہیں علماء اہل اللہ کی علمی جدوجہد مدارس کی شکل میں نظر آرہا ہے۔ اگر دینی مدارس

کے قیام کا سلسلہ اکابرین قائم نہ کرتے تو ملت اسلامیہ کے لئے اپنا تہذیبی تشخص اس ملک میں برقرار رکھنا دشوار تر ہو جاتا۔ اور اسلامی شناخت مسلمانوں سے ختم ہو جاتی۔ اور آج ہر گھر میں انجیل پڑھائی جاتی ان کے عقائد وافکار میں وثنیت وبت پرستی کا رچاؤ ہوتا الحاد ولادینیت کا گھر گھر مرکز ہوتا قرآن اور افکار اسلامی سے لوگ کوسوں دور ہوتے انہیں اپنے آقا سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ سے واقفیت نہ ہوتی اپنی تاریخ اور اپنے کارناموں کی انہیں ہوا تک نہ لگتی۔ ان مدارس نے وہ کارنامہ انجام دیا جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ان مدرسوں نے بروقت مسلمانوں کو سنبھالا دلایا تمام مسلمانوں کو اپنی تاریخ اپنے کلچر اور دینی اہمیت کا احساس دلایا مسلمانوں کا ملی تشخص اور ان کی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ یہ مدارس ایک بہت بڑی نعمت ہے یہ مدارس معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں یہ پوری سوسائٹی اور سماج کا مکھن ہیں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آشنا کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو ہمارا اور کائنات کے تمام مسلمانوں کا حقیقت مقصد ہے۔ اس لئے ہم سبھی کا تعلق بھی ان سے ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسے جسم کا روح سے آفتاب کا روشنی سے اور پھول کا خشبو سے اگر یہ تعلق ہمارے اندر باقی ہے تو سمجھ لیجئے کہ جسم اور روح دونوں زندہ ہیں اور اللہ کا یہ فضل ہے کہ اسلام شاید ساری دنیا میں سب سے بہتر حالت میں ہندوستان میں ہے ہندوستان میں مسلمان دینی اعتبار سے گذشتہ پچاس سالوں میں پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا آگے ہیں مساجد مدارس مکاتب اور دینی تعلیم وتربیت کی زندگی کے اعتبار سے اللہ کا فضل ہے کہ ہندوستانی مسلمان کم سے کم ستر فیصد آگے بڑھے ہیں اور جمعیت علماء تحریک کا بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے کہ آج ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں پچاسوں ہزاروں مدارس ومکاتب قائم ہیں اور ان کے تحریک کے بدولت پچاسوں لاکھ بچے جو تقسیم سے پہلے تعلیم اور دین سے بالکل ناواقف تھے۔ آج علم دین حاصل کر رہے ہیں

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو دین واسلام کی اعانت اور ان مدارس کے گام بگام میں ساتھ دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حافظ محمد لقمان
متعلم : اوّل عربی

جنگ آزادی میں مسلمانوں کا قائدانہ کردار

ہندوستان کو آزاد دیکھ رہے ہیں یہ آزادی کوئی آسانی سے حاصل نہیں ہوئی ہے اس کے پیچھے جانبازوں کی ایک عظیم ٹیم کی محنت خلوص درمندی شجاعت اور خون و پسینہ کا دراز سلسلہ ہے جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی انہیں چھوڑ کر ہم آزادی کی حقیقی خوشی محسوس کر سکتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے ناموس وطن کے لئے جس قدر خون کا نذرانہ پیش کیا ہے دوسروں نے اتنے پسینے بھی نہیں بہائے ہوں گے جنگ آزادی میں تقریباً نصف صدی تک مسلمان ہی انگریزوں سے پنجہ آزمائی کرتے رہے ہیں مسلمانوں ہی کے احساس و فکر اور تحریک واقدام کے زیر سایہ ہم مکمل آزدی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور مسلمانان ہند نے جو وطن عزیز کی آزادی میں جن جن مصائب کا سامنا کیا ہے اور قید و بند کی جن دشوار گذار گھاٹیوں سے دوچار ہوئے ہیں کہ ان کا جھٹلانا اور انکار کرنا چاند کے جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔ بات ۱۶۰۰ء کی ہے جب ہندوستان پر مغلیہ سلطنت کی حکومت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھی پوری دنیا کی نظریں Golden bird کی طرف اٹھنے گی تو تھی تاج محل لال قلعہ ۔ اور جامع مسجد ایک طرف ہندوستان کے حسن و جمال میں چار چاند لگا رہے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کی عظمت اور جاہ و جلال کا نشان امتیاز بنے ہوئے تھے ان تمام مناظر کو دیکھنے کے لئے ایک جانب اگر رشک بھری نگاہیں اٹھ رہی تھی تو دوسری جانب ایک عیار و مکار قوم اپنے دل میں کھونٹ لئے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں اس بسے بسائے گلشن کو اجاڑنے اور اس سونے کی چڑیا کو قید کرنے کے لئے منصوبے بنا رہی تھی آخر کار ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء میں اپنے ناپاک قدم لیکر بنگال کی سرحد پر پہنچ گئی اور تجارت کے بہانے گجرات کے علاقہ سورت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈال دی یہ بظاہر ایک کمپنی تھی لیکن حقیقت میں ایک فوجی چھاؤنی بلکہ ایک پوری منصوبہ بند حکومت تھی لڑاؤ حکومت کرو کی پالیسی کے تحت یہ لوگ ایک بادشاہ کا ساتھ دے کر دوسرے کو ہرانے اور پھر اس کو بھی اپنا غلام بنائے رکھتے اور اپنی نصرت و مدد کی اجرت کے طور پر ہزاروں لاکھوں روپے ٹیکس عائد کر دیئے جو ریاست ٹیکس ادا نہیں کر سکتی تو اس کے بدلہ میں مملکت کا کوئی حصہ اپنے زیر انتظام لے لیتے اس طرح یہ لوگ

تجارت کا فریب دیکر دھیرے دھیرے ہندوستان کو دیمک کی طرح چاٹنے لگے چند ہی سالوں میں انہوں نے اپنے قدم اتنے مضبوط بنالئے کہ اب اسکو اکھاڑنا کسی کے بس کی بات نہ رہی ملک کے مختلف مقامات پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی شاخیں کھول کر اپنا سکہ جمالیا ۱۷۷۵ء تک ہندوستان کے کافی علاقے انکے قبضہ میں آچکے تھے اور اب جنوب میں ریاست میسور کی جانب ان کی لالچی نگاہیں اٹھنے لگی تھیں اس سے پہلے ان لوگوں نے نواب سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دے دی تھی جس کی وجہ سے جنوب میں ان لوگوں کے قدم کافی مضبوط ہو چکے تھے اب انکا مقابلہ ایک غیور خود دار سیاست سے تھی جن کی قیادت حیدر علی اور ان کے جوان بیٹے ٹیپو سلطان کر رہے تھے حیدر علی اور ٹیپو نے انگریزوں سے چار بڑی جنگیں لڑیں دوسری جنگ جو ۱۷۸۲ء میں ہوئی حیدر لڑتے ہوئے اس میں شہید ہو گئے اس کے بعد شیر خدا ٹیپو سلطان اپنی جوان مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ اس کے بعد ہونے والی جنگ میں انگریزوں کو شکست دے کر ان کی کمر توڑ کر رکھدی اب اس شکست کے بعد انگریزوں کا سر اٹھانا ناممکن نظر آرہا تھا لیکن مرہٹہ اور نظام حیدر آباد کی مدد سے ان لوگوں نے دوبارہ ہلہ بول دیا اس مرتبہ معرکہ کافی سخت تھا ایک چھوٹی سی حکومت کو بیک وقت تین تین طاقتوں سے سامنا کرنا تھا سلطان نے آخری سانس تک اور جب تک جسم میں خون رہا اس کا ایک ایک قطرہ بہاتے رہے پوری بہادری سے لڑتا رہا اور ۱۷۹۹ء کے اس جنگ میں جام شہادت نوش کیا اس طرح انگریز جن کو اس شیر خدا کی موجودگی میں حکومت کا دعویٰ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اب اس کے لئے راستہ صاف ہو گیا اور یکے بعد دیگرے ہر چھوٹی بڑی ریاست کو زیر کرتے ہوئے اپنی طاقت کا جھنڈا لہراتے چلے گئے غرض کہ وہ اپنی شاطرانہ وعیارانہ چالوں سے سرزمین ہند کے مالک بن بیٹھے اس کے بعد باشندگان ہند پر طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے ہندوستانیوں کو غلام بنایا جانے لگا قید وبند کا بازار گرم ہو گیا امن وشانتی کا گلا گھونٹ دیا گیا وحشت وبربریت کا بازار گرم ہوا اور سفاکی اور درندگی کا ایسا دھانہ کھول دیا گیا جس کے سامنے چنگیز وہلاکو کی چیرہ دستیاں بھی مات کھا گئیں ایسے موقع پر مسلمانوں نے عہد ساز کردار ادا کیا اور ہند کے نگار خانے کو اپنے آئینۂ دل سے سجایا اور ظلم وبربریت کے طوق سلاسل سے باشندگان ہند کو نکالا اس لئے کہ اسلام نے آزادی کو نعمت قرار دیا ہے اور غلامی کو فکر وعمل کے لئے بدترین لعنت، یہی وہ تصور تھا جس نے تحریک آزادی کے دور میں دینی درسگاہوں سے علماء کو خانقاہوں سے مشائخ کو، خلوت کدوں سے خاکنشینوں کو، اور بزم سخن سے شعراء کو اور چپہ چپہ سے مسلمانوں کو اس معرکۂ جہاد میں لا کھڑا کیا علماء میں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ (۱۷۴۶ء۔ ۱۸۲۲ء) نے بروقت میٹھی نیند میں محو ہندوستانیوں کو اپنے فتوے سے جگایا اور آزادی کا جوش وجذبہ پیدا کرتے، ہوئے بے خوف وخطر یہ اعلان فرمایا انگریز اس ملک کے غاصب ہیں انگریز کا تسلط دین کی حرمت کے لئے چیلنج ہے انگریز سے جنگ کرنا قوم وملت کے لئے ناگزیر ہے، ان کی گرمئ گفتار اور حرارت ایمانی نے پورے ملک کو ایک نیا رخ

اور نئی جہت عطا کی انگریز کا خیال تھا کہ تحریک کے قائدین کو ختم کردیں تو جوش وولولہ سرد پڑ جائے گا لیکن جنگ آزادی کا یہ انقلاب آفریں فتویٰ پوری ملت اسلامیہ کے دل کا ساز بنا یہ دشمنوں کے نخل تمنا پر گر پڑا انگریزوں کی نیند کو حرام کر دیا اور ہر چہار جانب سے خورد و کلاں پیر و جوان جذبہ آزادی سے معمور ہو گئے اور دیکھنے والوں نے یہ دیکھا ؎

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

جنگ آزادی کے سپوتوں نے مصائب و آلام کے کتنے تھپیڑے کھائے اور دار و رسن کی کتنی مشقتیں جھیلیں پھانسی کے پھندوں کا مسکراتے ہوئے استقبال کیا لیکن کسی موقع پر ملت کے ان جیالوں نے اپنا حوصلہ نہیں ہارا چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے ایک محاذ انبالہ پر جس کی قیادت حضرت مولانا جعفر تھانیسری کے پاس تھی دوسرا محاذ شاملی پر جس کی قیادت حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس تھی مگر اس جنگ میں وسائل کی قلت اور چند لوگوں کی غداری کی بنا پر کامیابی نہ مل سکی اور بڑے بڑے علما و صلحا اس جنگ میں شہید ہوئے اسی جنگ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ زخمی ہوئے اسی جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوئے اسی جنگ میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں صرف ۵۱ اکیاون ہزار علماء کرام تھے، باہر حال اس ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو اس کے بعد ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ جنگ ازادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ولیم جو بہت بڑا سیاست داں تھا اور کافی عرصہ سے ہندوستان میں رہ رہا تھا وہ لکھتا ہے کہ جنگ ازادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے اور ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار قوم مسلمان ہی ہیں جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد موجود ہے ہم ان پر حکمت نہیں کر سکتے لہذا سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد کو نکالنا ہوگا اور جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے ایک اور چیز کو ختم کرنا پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے علما اور قرآن کو ختم کر دیا جائے چنانچہ ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے انگریز بدبختوں نے جلا ڈالے اس کے بعد علماء کرام کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا انگریز مورخ مسٹرا ایڈورڈ مسن اپنی یاداشت میں لکھتا ہے کہ ۱۸۶۴ء سے لیکر ۱۸۶۷ء تک انگیریزوں نے علماء کرام کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور ان تین سالوں میں چودہ ہزار علماء کرام کو تختۂ دار پر لٹکا دیا علماء کرام کو سوروں کی کھالوں میں بند کر کے تنوروں میں ڈالا گیا روزانہ اسی اسی علماء کرام کو پھانسی دی جاتی لاہور کے دریائے راوی میں روزانہ اسی اسی علماء کرام کو بوریے میں بند کر کے اس میں ڈالا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا اور جو بھی مسلمان انگریزوں کو نظر آتے تو ان کو وہ پھانسی کے پھندے پر چڑھا دیتے دہلی کی چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ شہر کے ہر ہر چوراہے پر سولیاں نصب کر دی گئیں دہلی اور دہلی کے بہر درختوں سے پھانسی کے پھندے لٹک رہے تھے جو بھی معزز مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ جاتا اسے ہاتھی پر بٹھایا جاتا درخت کے نیچے لے جایا جاتا اور پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا جاتا لاش پھندے میں جھول جاتی آنکھیں ابل پڑتیں زبان

منہ سے باہر نکل آتی ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح جانکنی کا وہ ہیبتناک منظر کہ الاماں والحفیظ ایک انگریز عورت اپنی ڈائری میں لکھتی ہے کہ بسا اوقات ان پھانسیوں پر لٹکائے جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگیریزی ہند سے کا 8 بن جاتی تھیں مسلمانوں میں خوف وہراس اور دھشت پھیلانے کے لئے وہ سزا کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی سر بر آوردہ مسلمان کو پکڑ کر توپ کے دہانے پر رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا جاتا اور توپ داغ دی جاتی (کیا بتائیں قلم کانپ رہا ہے دل تھر تھرا رہا ہے جسم کا ہر عضو خوف ودہشت میں لرز رہا ہے) ان کے پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہو کر فضاؤں میں اڑ جاتا جس طرح تیز ہوا میں کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آتے ہیں۔ انگیزوں نے چاروں طرف دہلی کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن اندرون دہلی انقلابیوں کا مکمل کنٹرول تھا چار ماہ تک وقفہ وقفہ سے لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن ستمبر کے شروع میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں ۱۴ر ستمبر کو دلی میں انگریزوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا لال قلعہ پر مسلمانوں کی عظمت واقتدار کا پرچم نکال کر یونین جیک لہرا دیا گیا اور شیطانی خصلت انتہا کو پہنچ گئی گاؤں گاؤں راتوں رات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے جو علاقہ سورج کے غروب سے قبل انسانی آبادی اور چہل پہل سے آباد تھا وہ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے راکھ کی ڈھیر ہو گیا پوری دلی قیامت صغری میں تبدیل ہو چکی تھی اور بہادر شاہ کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔

یہ شعر بہادر شاہ ظفر کی مادر وطنی سے محبت کی عکاسی کرتا ہے۔

کتنا ہے بد نصیب ظفر دفن کے لئے دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

انگریزوں نے حکومت وسلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی اور ان کی عظمت وحلالت کو پامال کیا تھا جس کی بنا پر ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں ہر جگہ مسلمان، ہی پیش پیش اور میر کارواں رہے آزادی کی خاطر عورتیں بیوہ ہو گئیں معصوم بچے یتیم ہو گئے لیکن کبھی بھی مسلمانوں نے اپنے سر کو خم نہ کیا بلکہ یہ کہتے ہوئے

خوشا وقتیکہ میری موت تیرے کوچے میں آجائے یہی تو زندگی کی آخری ارمان ہے ساقی

۱۸۵۷ء کے بعد سے پچاس پچپن سال بعد تک وہ سر فروشانہ جذبہ عام نہیں ہوا تھا کہ انسان انجام سے بے نیاز ہو کر کانٹوں بھری وادیوں میں اتر جائے کیوں آزادی کا لفظ زبان سے ادا کرنے کا مطلب تھا کہ انگریزی مظالم کی اذیتوں سے انسانوں کو خون اگل اگل کر مرنا پڑے گا پھانسی پر چڑھنا پڑے گا صف میں کھڑا کر کے گولی مار دینا تو برطانوی حکومت کے نزدیک ایک معمولی سزا تھی۔ ان سزاؤں کو بھگتنے کے لئے بھی برادران وطن کے اندر جرأت وہمت پیدا نہیں ہوئی تھی برادران وطن کا عام طبقہ ابھی مصائب کے اس سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے ساحل پہ کھڑا سوچ رہا تھا لیکن مسلمان اتنا مصلحت اندیش اور عواقب پر نظر رکھ کر اپنے جذبات پہ قابو رکھنے کی قوت برداشت نہیں کر پاتا تھا اور

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۵ء تک جنگ آزادی کے میدان میں صرف مسلمان صف آرا تھے ۱۹۲۰ء کے بعد آزادی ہند کا دوسرا دور شروع ہوا اس دور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ سیاسی رہنمائی کرتے رہے ان حضرات کی رہنمائی میں ۱۹۳۰ء کے جنگ میں چودہ ہزار مسلمان جیل گئے اور پانچ سو دلاور سرحدی جوان شہید ہوئے اور آخری جنگ ۱۹۴۷ء ہند کا آخری گورنر جنرل ڈارڈ ماونٹ بیٹن رخصت ہو گیا اور شاہ ولی اللہ کے دور سے چل رہی تحریک آزادی اپنی منزلِ مراد تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئی الغرض قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر جنگِ آزادی میں مسلمانان ہند حصہ نہ لیتے علماء کرام حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا مسلمان نے ایسی ایسی بے مثال ولازوال قربانیاں دی ہیں کہ جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ ہند عاجز و قاصر ہے اور عقلِ انسانی حیران و ششدر رہے کہ اس وطن عزیز کی جنگ آزادی میں ملت اسلامیہ کے خاص و عام نے تن من دھن کی بازی لگادی تھی بے شمار علماء اسلام اس تحریک کے شہوار تھے حضرت مولانا قاسم نانوتوی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت مولانا احمد اللہ حضرت مولانا مفتی عنایت اللہ کاکوری شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی مولانا فضل حق خیر آبادی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام ہیں جنہوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور پھانسی کے پھندے کالے پانی کی سزا اور لوہے کے پنجرے میں محبوس ہوئے اور ملک کو آزاد کرایا اور کبھی میسور کی دھرتی کو بالاکوٹ کی پہاڑی کو، شاملی کے میدان کو، صادق پور اور بکسر کی زمین کو، اپنے لہو سے لالہ زار کیا مگر آج افسوس یہ ہے کہ ہمارے برادران وطن جب آزادی کا ذکر کرتے ہیں اور مہاتما گاندھی سے شروع کرتے ہیں گویا ۱۹۰۸ سے شروع کرتے ہیں اور ۱۹۴۸ء پہ ختم کرتے ہیں اگر بہت غیرت دلائی جائے اور واہ ویلا مچائی جائے تو ضمنی طور پر طوعاً و کرھا مولانا ابو الکلام آزاد کا نام لے لیا جاتا ہے اور اگر کوئی وسیع القلب ہو تو دو چار نام اور لے لیتے ہیں یعنی مولانا محمد علی شوکت علی سید احمد خان ڈاکٹر اقبال بس اور گویا اس طرح سے تحریک آزادی کا ذکر شروع کرتے ہیں کہ مسلمانان وطن کا کوئی حصہ ہی نہیں اور آزادی میں انہوں نے کچھ کردار ہی نہیں دیکھایا اس لئے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے برادران وطن کو تاریخ سے آگاہ کریں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول ان لوگوں کا جنہوں نے جنگ آزادی میں قائدانہ مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا کام ختم نہیں ہوا ہے اب انکو اس آزاد و خود مختار ملک میں مصلحانہ و مفکرانہ کردار ادا کرنے کا مسئلہ ہے پہلے اس ملک کے آزاد کرنے کا مرحلہ تھا اب اصل ملک کے ضمیر کو آزاد کرنے کا مسئلہ ہے جو اس سے کسی طرح کم اہم اور ضروری نہیں غیر ملکی اقتدار خواہ کسی قدر طویل اور مستحکم ہو ایک غیر فطری اور عارضی صورتِ حال تھی جس کو دیر سویر ختم ہونا تھا لیکن اصل ملک کی اپنے آپس میں ہوس اقتدار ایک دوسرے کا

نام جائز استحصال دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اخلاق واقدار سے بے نیازی اور حد سے بڑھا ہوا نسلی لسانی اور فرقہ وارانہ تعصب و منافرت اور تنگ نظری غیر ملکی اقتدار اور دور غلامی سے کم شرمناک اور خطرناک نہیں جن کے پاس اب بھی دینی رہنما آسمانی تعلیمات، نبی کے متبعین کا اسوۂ، حیات آفریں تاریخ اور نثر و نظم کی شکل میں ولولہ انگیز رہنما آداب موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ملک کو ان امراض وخطرات سے بچانے کے لئے جان کی بازی لگادیں۔

ماخذ

(۱) تحریک آزادی اور مسلمان — اسیر ادروی

(۲) اسیر مالنا — مولانا محدم میاں صاحب

(۳) خطبات مغیثی — مولانا منقار احدم قاسمی

(۴) خطبات اسلم — مولانا محدم اسلم صاحب

اشفاق عالم

متعلم : پنجم عربی

واقعہ اصحابِ کہف
قرآن کے آئینے میں

ابن اسحاق بروایت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش مکہ میں یہ مشورہ ہوا کہ محمد ﷺ کا معاملہ بہت سنگین ہوتا جاتا رہا ہے اس لئے ایسا کوئی یقینی فیصلہ ہونا چاہئے کہ یہ صادق ہیں یا کاذب تاکہ ہم ان کے متعلق اپنی آخری رائے پر عمل کر سکیں بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ کو یہود مدینہ سے حل کیا جائے کیوں کہ وہ خود کو اہل کتاب کہتے اور اس قسم کے معاملات میں صاحبِ بصیرت ہیں قریش نے اس غرض سے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط پر مشتمل ایک وفد علماء یہود کے پاس بھیجا علماء یہود نے ان سے کہا کہ تم ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ صحیح صحیح جواب دیں تو بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں تم کو ہرگز ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور اگر وہ صحیح جواب نہ بتا سکیں تو تم کو اختیار ہے جو چاہو ان کے ساتھ کرو۔ وہ تین ۳ سوال یہ ہیں (۱) ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے (۲) اصحاب کہف کون تھے اور ان پر کیا گذرا (۳) روح کی حقیقت بیان کیجئے وفد نے مکے جاکر صنادید قریش سے صورتحال کہہ سنائی اور قریش نے اس بات کو بہت پسند کیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے یہ تینوں سوالات کئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جواب وحی آنے پر دوں گا چنانچہ جب وحی کے ذریعہ آپ کو ان واقعات کی حقیقت سے آگاہ کر دیا، تو آپ نے ان کے سامنے سورہ کہف کی تلاوت کر کے واقعہ کی حقیت واضح کر دی صفحہ ۲۵۰ کیا تم نے یہ گمان کیا کہ اصحاب کہف و رقیم کا معاملہ ہماری نشانیوں میں کوئی عجیب معاملہ ہے، جب کہ چند نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گیر ہو گئے تھے۔ اور یہ دعاء مانگ رہے تھے۔ اے ہمارے پروردگار تو اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا فرما رشد و ہدایت مہیا کر ہم نے غار میں چند سال تک کے لئے تھپک کر سلادیا۔ پھر ان کو بیدار کیا، تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں بستی والوں اور غار والوں میں سے کس نے ان کی مدت کا صحیح اندازہ لگایا ہم تجھ کو ان کا صحیح اور سچا واقعہ بتا دیتے ہیں۔ بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تھے، اور ہم نے ان کو ہدایت کی روشنی اور زیادہ عطا کر دی تھی اور جب وہ حاکم کے سامنے یہ اعلان کرنے پر کمر بستہ ہو گئے کہ ہمارے پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا [illegible]

ہے اور ہم ہر گز اس کے علاوہ کسی کو خدا نہیں پکار سکتے۔ اور اگر ایسا کریں تو خدا پر بہتان باندھیں گے۔ اس وقت ہم نے ان کے دل خوب مضبوط کر دیئے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اللہ کے ماسواء بہت سے معبودان باطل کی صداقت کے لئے نہیں لائے پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے۔ اور اے رفیقو جب تم ان سے اور ان کی عبادت سے جو اللہ کے سواء وہ باطل معبودوں کی کرتے تھے علیٰحدگی اختیار کرتے ہو تو پہاڑ کے غار میں چلے جاؤ تمہارا پروردگار اپنی رحمت نچھاور کرے گا۔ اور تمہارے معاملہ میں سہولت کار پیدا کرے گا۔ اور اے پیغمبر تم سورج کو دیکھو گے کہ وہ نکلتے وقت ان کے غار سے داہنی جانب بچکر نکل جائے گا اور ڈوبتے وقت غار سے کترا کر بائیں جانب کو ہو جاتا ہے اور وہ کشادہ غار میں ہیں یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو وہ ہدایت دے وہی راہیاب ہے اور جس شخص کو اس کی مسلسل سرکشی کی بنا پر گمراہ کرے تو اس کے لئے کسی راہ دکھانے والے مددگار کو نہ پائے گا اور تو ان کو بیدار گمان کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہوں گے اور ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں داہنے بھی اور بائیں بھی۔ اور ان کا کتا اپنے اگلے ہاتھ پھیلائے غار کے منہ پر بیٹھا ہوا ہے اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو ان کی اس شان اور حالت کو دیکھ کر مرعوب ہو جائے اور بھاگ پڑے اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھا دیا جگا دیا تاکہ آپس میں پوچھ گچھ کریں کہ ایک نے ان میں سے کہا تم غار میں کب سے ہو دوسروں نے جواب دیا ایک دن یا دن کے کچھ حصہ سے پھر انہوں نے کہا تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ کہ تم یہاں کتنی مدت سے ہو تو اب یہ کرو کہ اپنے میں سے کسی ایک کو شہر میں یہ سکہ دے کر بھیجو کہ وہ تمہارے لئے دیکھ بھال کر عمدہ قسم کا کھانا لائے اور اس کو چاہئے کہ بہت ہی رازدارانہ طریقے پر جائے اور ہرگز کسی کو اطلاع نہ ہونے دے۔ کہ ہم یہاں مقیم ہیں اس لئے اگر ان پر تمہارا معاملہ منکشف ہو گیا تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے۔ یا تم کو زبردستی اپنے دین کی طرف لوٹا لیں گے۔ مجبور کر کے۔ اور اس وقت تم ہرگز کامیاب نہ رہو گے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اور اسی طرح ہم نے شہر والوں پر ان کا معاملہ ظاہر کر دیا تاکہ وہ یہ یقین کر لیں کہ خدا کا وعدہ کیا ہے اور قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے اس معاملہ کی اطلاع دی جب کہ وہ قیامت کے وجود و عدم پر آپس میں اختلاف کر رہے تھے پھر وہ کہنے لگے کہ ان اصحاب کہف پر قبہ تعمیر کر دو ان کا پروردگار ان کے حال کا خوب واقف کار ہے۔ یعنی ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ان لوگوں نے جو برسر حکومت تھے کہا ہم تو ان کے غار پر ایک مسجد (ہیکل) تعمیر کریں گے۔ اے پیغمبر کچھ لوگ کہیں گے وہ تین ہے چوتھا ان کا کتا ہے کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہے نہیں پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں بعض کہتے ہیں سات ہیں اٹھواں ان کا کتا ہے۔ اے پیغمبر کہدے ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیوں کہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے اور تو لوگوں سے اس بارے میں نزاع نہ کر مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو، یعنی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہئے کہ کتنے آدمی تھے کتنے دنوں تک رہے تھے اور نہ ان

لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر۔اور ہر گز کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہنا کہ میں کل کو یہ ضرور کرنے والا ہوں مگر یہ کہہ کر کہ ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلو۔تم کہدو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا اور کہتے ہیں وہ غار میں ۳سو برس تک رہے۔ان لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیئے ہیں۔اے پیغمبر تو کہدے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہی بڑا ہے دیکھنے والا بڑا ہی سننے والا ہے اس کے سوا لوگوں کا کوئی کار ساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے، کہف و رقیم۔اب میں اس کے بارے میں کہ کہف و رقیم کیا چیز ہے اس کے بارے میں جائزہ لینا چاہتا ہوں۔تو دیکھئے، لغت میں کہف پہاڑ کے اندر وسیع غار کو کہتے ہیں۔مگر رقیم معنی لینے میں مفسرین کو سخت تردد ہے۔جو ضحاک اور سدی جو ہر ایک تفسیری روایت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب ضرور منسوب کرتے ہیں اس مقام میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس سے متعدد اقوال منقول ہے۔نقل کرتے ہیں (۱) یہ رقم سے مشتق ہے اور رقیم کے معنی مرقوم یعنی مکتوب کے معنی میں ہے چونکہ بادشاہ وقت نے ان کی تلاش کے بعد ان کے نام پتھر کی ایک تختی کندہ کروا دی تھی۔اس لئے بھی اس کو رقیم کہا جاتا ہے سعید ابن جبیر اس تائید میں ہیں۔اور یہی قول مفسرین کے یہاں مشہور ہے (۲) وادی کا نام ہے جہاں پہاڑ میں وہ غار واقع تھا۔جس میں اصحاب کہف روپوش ہوئے تھے، قتادہ عطیہ عینی اور مجاہد بھی اسی کی تائید کرتے ہیں (۳) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار تھا۔ (۴) عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو یہ کہتے سنا ما ادری ما الرقیم ام بنیان میں نہیں کہہ سکتا کہ رقیم سے کندہ تختی مراد ہے یا شہر مراد ہے (۵) بروایت کعب احبار و وہب بن منبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ رملہ (عقبہ) کے قریب ایک شہر کا نام ہے یہ بلاد روم میں واقع ہے۔ تاریخ اور اثری تحقیقات کے پیش نظر یہ آخری قول ہی صحیح اور قرآن عزیز کے بیان کے مطابق ہے باقی اقوال محض قیاس و تخمینہ پر مبنی ہیں۔ یہی وہ رقیم ہے جس کا ذکر اصحاب کہف کے واقعہ میں قرآن عزیز نے کیا ہے "ام حسبت ان اصحب الکھف و الرقیم کا نوا من اٰیاتنا عجبا "۔اور یہی وہ شہر ہے جس کے کچھ سعادت مند انسان بت پرستی سے نفور ہو کر اور بت پرست حکمرانوں کے ظلم و جور سے محفوظ رہنے کی خاطر اس شہر کے پاڑوں کے ایک غار میں چھپ رہے تھے پس حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ارشاد کہ رقیم ایلیا کے قریب شہر تھا اور وہ یہ کہ روم کے علاقے میں تھا بالکل صحیح قرآن اور تاریخ دونوں کے عین مطابق ہے بلاشبہ وہ ایلیا خلیج عقبہ کے قریب واقع تھا اور چونکہ رومیوں نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔اس لئے اس کو روم کے علاقہ میں شمار کرنا قطعاً درست ہے۔مگر حیرت اس تاریخی انقلاب پر کہ جب رومیوں نے انباط کے اس مرکزی شہر کا نام پیٹرا رکھ دیا تو اس نام نے تھوڑے ہی دنوں میں اس درجہ شہرت حاصل کرلی کہ عرب اور عجم نے اس کے سینماؤں اور فنون لطیفہ کی نیرنگیوں سے متاثر ہو

کر اس کا اصل نام بالکل فراموش کر دیا اور ان کے لئے چند صدیوں ہی میں رقیم ایک اجنبی اور غیر معلوم نام ہو گیا حتی کہ اہل عرب نے بھی اس کو بطرا ہی کے نام سے یاد رکھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب قرآن نے اس کا اصل نام بیان کیا تو دوسروں کی طرح اہل عرب بھی حیران تھے کہ رقیم غار کا نام ہے یا لوہے کی تختی کا یا پہاڑ کا یا شہر کا لیکن جن نام کو انباط کے بھائیوں (حجازیوں) نے بھلا دیا تھا اس کو توراۃ نے اپنی سفر سند میں محفوظ رکھا تھا۔ کہ جب نبی امی، وحی کے ذریعہ اصل حقیقت کا اعلان کرے تو وہ اس کی تائید کے لئے خود کو پیش کر سکے گذشتہ جنگ عظیم کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات نے جہاں اور بعض جدید انکشافات کئے ہیں ان میں سب سے نمایاں اسی شہر رقیم (پیٹرا البطرا) کی دریافت ہے اور اس کے متعلق جس قدر اثری تحقیق کی جارہی ہے اس سے قرآنِ عزیز کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی جاتی ہے خلیج عقبہ (ایلیا) سے شمال کی جانب بڑھتے ہوئے پہاڑوں کے دو متوازی سلسلے ملتے ہیں ان ہی میں سے ایک پہاڑ کی بلندی پر انباط کا دارالحکومت رقیم آباد تھا۔

اس شہر کی موجودہ زمانہ میں جو اثری پیائش کی جارہی ہے اس میں نئے نئے اکتشافات کے ساتھ اس کے پہاڑوں کے عجیب و غریب غار بھی قابل ذکر ہیں یہ غار بہت وسیع اور دور دور تک چلے گئے ہیں اور اس طرح واقع ہیں کہ دن کی دھوپ اور تپش ان تک نہیں پہونچتی ایک غار ایسا بھی دریافت ہوا ہے کہ جس کے دہانہ پر قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بہت سے ستونوں کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی ہیکل کی عمارت ہے۔ اس صاف اور بے لاگ اثری اور تاریخی شہادتوں کے بعد یہ کہنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے جن اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے وہ اسی شہر رقیم سے تعلق رکھتا ہے۔

مسیحی مذہب کا ابتدائی دور ہے نبطی حکومت کے اطراف یعنی شام وغیرہ میں عیسائیت کا زور ہے کہ رقیم کی چند نوجوان سعید روحیں شرک سے بیزار اور نفور ہو کر توحید کی جانب مائل ہو جاتی اور دین عیسائیت کو قبول کر لیتی ہیں شدہ شدہ یہ بات بادشاہ وقت تک بھی پہونچ جاتی ہے بادشاہ نوجوانوں کو دربار میں بلاتا اور انکشاف حال چاہتا ہے نوجوان کلمۂ حق بلند کرنے میں بے باک اور جری ثابت ہوتے ہیں یہ بات بادشاہ کو ناگوار گذرتی ہے مگر وہ دوبار دوبارہ معاملہ پر غور کرنے کے لئے ان کو چند روز کی مہلت دیتا ہے یہ دربار سے واپس آکر آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور طے پاتا ہے کہ خاموشی کے ساتھ کسی پہاڑ کے غار میں پوشیدہ ہو جانا چاہئے تاکہ مشرکوں کے شر سے محفوظ رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہ سکیں یہ سوچ کر وہ ایک غار میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں جب وہ غار میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نیند طاری کر دیتا ہے اور خواب ہی کی حالت میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں غار کی عجیب کیفیت ہے اندر سے بہت وسیع ہے مگر قدرت نے اس کو ایسا موقع نصیب کیا ہے کہ زندگی کے بقاء کے قدرتی سامان وہاں سب موجود ہیں ایک طرف دہانہ ہے تو دوسری طرف ہوا گذرنے کی منفذ اور سوراخ ہیں جن کی وجہ سے ہر وقت تازہ ہوا

اندر آتی جاتی رہتی ہے غار شمال و جنوب رو ہے اس لئے طلوع و غروب کے وقت آفتاب کی تپش اندر نہیں پہنچ پاتی مگر ہلکی ہلکی روشنی برابر پہنچتی رہتی ہے اور ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ نہ تاریکی ہے۔ کہ کچھ نظر نہ آئے اور نہ اتنی روشنی ہے کہ کھلے میدان کی طرح جگہ روشن ہو جائے۔ اس حالت میں چند انسان اس غار میں خواب آلود ہیں اور ان کا رفیق کتا اپنے اگلے ہاتھ پھیلائے غار کے دہانہ پر باہر کی جانب منہ کئے بیٹھا ہے۔ اس مجموعی صورتِ حال نے ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے کہ پہاڑوں کے درمیان غار کے اندر جھانکنے والے انسان پر خوف و ہراس کی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ (پہاڑوں کے درمیان) اور وہ بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے برسوں تک یہ نوجوانوں اسی حالت میں آرام کے ساتھ محفوظ رہتے ہیں کہ شہر میں انقلاب ہو جاتا ہے رومی عیسائی نبطی حکومت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر اس پر قابض ہو جاتے ہیں اور اس طرح رقیم (پیڑا) عیسائیت کے آغوش میں آجاتا ہے اب خدا کی مشیت فیصلہ کرتی ہے کہ یہ نوجوان بیدار ہوں، وہ بیدار ہو جاتے ہیں اور آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم کتنی مدت سوتے رہے ایک نے جواب دیا کہ ہم سب ایک دن اور دوسرے نے کہا یا دن کا بھی کچھ حصہ پھر کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی شہر جا کر کھانا لے آئے اور یہ سکے لے جاؤ مگر جو بھی جائے اس طرح لین دین کرے کہ شہروں والوں کو پتہ نہ لگ سکے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں، ورنہ مصیبت آجائے گی بادشاہ ظالم بھی ہے اور مشرک بھی، وہ یا تو شرک پر آمادہ اور بے دینی پر مجبور کرے گا۔ اور یا ہم سب کو قتل کر ڈالیگا اور یہ باتیں ہماری دین و دنیا کو برباد کر دینے والی ثابت ہوں گی، اب نوجوانوں میں سے ایک شخص سکہ لے کر شہر گیا وہاں دیکھا تو حالات بالکل بدل چکے ہیں اور نئے آدمی اور نیا طور و طریقہ نظر آرہا ہے مگر پھر بھی وہ ڈرتے ڈرتے ایک باورچی کی دوکان پر پہنچا اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں، جب قیمت ادا کرنے لگا تو باورچی نے دیکھا کہ سکہ قدیم ہے اس طرح آخر بات کھل گئی لوگوں کو جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس شخص کا خیر مقدم کیا۔ اور اس عجیب و غریب معاملہ سے بہت زیادہ دلچسپی لی، کیوں کہ عرصہ ہوا کہ یہاں مشرک بادشاہوں کا دور ختم ہو چکا تھا اور یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس شخص نے جب یہ حال دیکھا تو اگرچہ عیسائیت پھیل جانے سے اس کو بیحد خوشی ہوئی مگر اپنے اور اپنے رفیقوں کے لئے یہی پسند کیا کہ دنیا کے ہنگاموں سے علیحدہ رہ کر یاد خدا میں گزار دیں اس لئے کسی طرح مجمع سے جان بچا کر پہاڑ کی راہ لی اور اپنے رفقاء میں پہنچ کر سب حال کہہ سنایا ادھر شہریوں میں ان کی جستجو کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے آخر ان کو ایک غار میں پالیا، لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ شہر چلیں اور اپنی پاک زندگی سے اہل شہر کو فائدہ پہنچائیں مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی عمر کا باقی حصہ راہبانہ زندگی کے ساتھ اسی غار میں گذار دیا۔

جب ان مردان خدا راہبوں کا انتقال ہو گیا تو اب لوگوں میں چرچا ہوا کہ ان کی یادگار قائم ہونی چاہیے چنانچہ

ان میں جو حضرات ذی اثر اور بااقتدار تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو انکے غار پر ہیکل (مسجد) تعمیر کریں گے اور غار کے دہانہ پر ایک عظیم الشان ہیکل تعمیر کر دیا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب اس جوان کے پیچھے بادشاہ وقت اور پبلک دونوں آئے تو غار کے قریب پہنچ کر وہ یہ نہ معلوم کر سکے کہ جوان کس جانب چلا گیا اور جب بہت جستجو کے بعد بھی اصحاب کہف کا پتہ نہ پاسکے تب مجبور ہو کر واپس ہو گئے اور ان کی یادگار میں پہاڑ پر ایک ہیکل (مسجد) تعمیر کر دیا۔ فتح الباری، جلد۔ حدیث غار و تفسیر ابن کثیر، ج۔ ۲۔ سورۂ کہف البدایہ والنہایہ، جلد۔ ۲۔ واقعہ کی تاریخی حیثیت کیا ہے اس پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں

ابن کثیر کہتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور دیگر بزرگوں کی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت سے کچھ زمانہ بعد کا ہے یعنی ابتداء دور مسیحی کا واقعہ ہے مگر مجھ کو اس قول میں یہ تردد ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت سے جو اس واقعہ کے شانِ نزول سے متعلق ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں قریش مکہ کو یہود نے تعلیم دیا تھا کہ وہ دوسرے سوالوں کیساتھ ایک سوال یہ بھی کریں اور یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اس واقعہ کے ساتھ یہود کو خاص دلچسپی تھی پس اگر یہ واقعہ عیسائیت کی ترقی سے متعلق تھا تو یہود کو اس کے ساتھ دلچسپی کے کیا معنی کیوں کہ یہودیت اور عیسائیت تو نبرد آزما اور حریف جماعتیں ہیں اس سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیحؑ سے بہت پہلے یہودی دور سے متعلق ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ سورۂ کہف البدایہ النہایہ جلد ۲ اس بناء پر ابن اسحاق کی روایت کے متعلق دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنا چاہئے اول یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس روایت میں تین سوالات کا جو ذکر کیا ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سوالات تو صرف یہودی علماء کے بنائے ہوئے تھے اور ان سے مشرکین مکہ قطعاً نا آشنا تھے مگر تیسرا سوال اصحاب کہف کا سوال ہے جس کے متعلق خود قریش مکہ کو بھی ایک حد تک علم تھا اس لئے کہ یہ واقعہ ان کے بہت قریب ہی پیش آیا تھا اور اگرچہ وہ رقیم کو بھول گئے تھے لیکن (پیڑا) بطرا سے وہ بخوبی واقف تھے اور شام کی تجارت کی وجہ سے نبطیوں کیساتھ ان کا ہر وقت کا واسطہ تھا اور واقعہ بھی کچھ زیادہ طویل عرصہ کا نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ وہ اس واقعہ کی کچھ معمولی باتیں جانتے ہوں اور چونکہ اس کا تعلق اہل کتاب سے تھا اس لئے قریش نے آپ کی صداقت کے امتحان کے لئے بمشورہ یہود اس کو بھی شامل کر لیا ہو اور چونکہ سوالات بہر حال مشرکین ہی کی جانب سے کئے گئے اس لئے حضرت ابن عباس نے اختصار کے طور پر ان تینوں کو ایک ہی اسلوب سے نقل فرمادیا۔ یہ احتمال محض اندھیرے کا تیر نہیں ہے بلکہ قرآن عزیز کے اسلوب بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتا ہے کیوں کہ زیر بحث تینوں سوالات میں سے پہلے اور دوسرے سوالات کے متعلق قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے "یسئلونك عن ذی القرنین یسئلونك عن الروح" ۔

﴿ دعوت و فکر ﴾

محمد سابق
متعلم : کلیۃ اللغہ (دوم)

ملت اسلامی کے زوال سے تاریخ انسانی کو کیا نقصان پہنچا

آپ کو تواریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمان ترقی کے کن کن منازل کو طئے کر کے بام عروج کو پہونچے جنہوں نے دنیا کے اکثر حصہ پر حکمرانی کی تھی بڑے بڑے صاحبان اقتدار و سلطنتوں کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا بڑے سے بڑے جاہ و حشم اور غرور و تمکنت کے مالک اور ارباب اقتدار کے چھکے چھڑا دیئے تھے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کے عروج کے دورِ اول کا خاتمہ تاتاریوں کہ ہاتھ بغداد کی تباہی اور اندلس میں مسلمانوں کے عروج کا پہلا دور یہاں سے شروع ہوتا ہے اس کی ابتداء ۶۲۲ھ میں مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہونے سے ہوئی اور ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی پر اس دور کا خاتمہ ہو جاتا ہے بغداد اگرچہ تباہ ہو گیا اسلامی دنیا کا بڑا حصہ کافر تاتاریوں کے قبضے میں چلا گیا اور اندلس بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن بغداد کی تباہی کے بعد بھی پورے ساڑھے چار سو سال تک مسلمانوں کا عروج قائم رہا ساڑھے چار سو سال کا زمانہ مسلمانوں کے عروج کا دوسرا دور کہلاتا ہے اس جگہ یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ مسلمانوں کے عروج کے پہلے دور کی کیا خصوصیات ہیں تاکہ بعد میں عروج کے اول دور کا اور دور ثانی کا فرق اچھی طرح سمجھ میں آسکے۔

دور اول کی خصوصیات مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد شروع ہوئی اسلامی سلطنت رقبے کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی حکومت بن گئی تھی اہل عرب کے عہد عروج میں جب کہ دمشق اور بغداد اسلامی مملکت کے دار الخلافہ تھے اسلامی سلطنت جتنی وسیع و عریض تھی اتنی وسیع سلطنت اس وقت تک دنیا میں کسی قوم نے نہیں قائم کی تھی، ایران کی کہانی سلطنت اطالیہ کی رومی سلطنت اور حسین کی تانگ سلطنت جو پرانے زمانے میں دنیا کی سب سے بڑے سلطنت سمجھی جاتی تھی لیکن رقبے میں اسلامی حکومت سے بہت کم تھی۔ اس دور

میں مسلمان صرف سیاسی لحاظ سے ہی عروج پر نہیں تھے بلکہ علم وادب کے لحاظ سے بھی مسلمان عروج کی انتہا تک پہونچ چکے تھے چنانچہ اس زمانے میں مسلمانوں میں بڑے بڑے مصنف پیدا ہوئے اور انہوں نے تفسیر وحدیث فلسفہ ریاضی طب تواریخ سوانح اور جغرافیہ پر بڑی سے بڑی اور عمدہ ترین کتابیں لکھیں اس دور کی تصانیف تخلیقی نوعیت کی تھیں یعنی ان میں ایک نئی بات اور نیا تصور پیش کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں کلاسیکی سمجھی جاتی ہے یہ کتابیں بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لئے ایک بنیاد بن گئیں (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ر ۷۷ ۳)

یہی وجہ تھی کہ عربی زبان اس دور میں تمام مسلمانوں کی عالمی زبان تھی اور اس دور میں مسلمان اسلامی تعلیمات سے بہت زیادہ قریب تھے خلافت راشدہ کا زمانہ اسی دور سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ عمر بن عبد العزیز نظام الملک طوسی نور الدین صلاح الدین ہشام اول عبد المومن اور ابو یعقوب المنصور جیسے اچھے حکمران اسی دور میں پیدا ہوئے ان حکمرانوں نے اپنے زمانے میں اسلامی اصولوں پر اور شریعت مطہرہ اور قرآنی تعلیمات اور اسوۂ نبوی ﷺ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش کیں اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل امام غزالی ابن حزم ظاہری اور امام الاولیا رئیس الاتقیاء شیخ عبد القادر بغدادی جیلانی محبوب سبحانیؒ اجمعین جیسے حضرات اسی دور میں پیدا ہوئے ان کی جہد و تقویٰ اور ورئی اور ان کی تعلیمی خدمات اور تزکیۂ قلوب اور ان کی جہد مسلسل اور پیہم کوششوں کے وجہ سے عالم انسانیت میں تباہ و بربادی اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ نمودار نہیں ہو سکیں اور مسلمانوں کی اس وقت تک کی اخلاقی حالات اچھی رہی (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ر ۷۹ ۳) اسی اخلاق و کردار کے نتیجہ میں بڑے بڑے ملکوں میں حکمرانی کی اور بڑے بڑے مارکوں میں فتح حاصل کی ان تمام حالات پر بھی مسلمانوں کا عروج ساڑھے چار سو سال تک رہا اس کے بعد بھی دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بیت المقدس کے سلسلے میں کتنے جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ سب سے پہلی جنگ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لئے جو عسائیوں سے لڑی گئی وہ صلیبی جنگ کہلاتا ہے اور یہ (۱۰۹۶ سے لیکر ۱۰۹۹) تک رہی لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بغیر کسی جنگ و جدال کے صلح کے ذریعہ قبضہ کر لیا تھا یہ قبضہ سلجوقیوں تک قائم رہا لیکن یہاں ملک شاہ کے انتقال کے بعد تاریخ انسانیت کے انحطاط کا دوسرا دور یہاں سے شروع ہوتا ہے اور زوال کا یہ عالم کے ایک مرتبہ پھر ملک شام اور ایشیائے کوچک پھر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم ہو گئی یہ حکومتیں خود آپس میں لڑتی رہیں اسی زمانے میں بیت المقدس پر فاطمی حکومت کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تھا جب عیسائیوں نے مسلمانوں کی یہ کمزوریاں دیکھی تو انہوں نے فلسطین کو مسلمانوں کے قبضے سے واپس لینے کی کوشش شروع کر دی فلسطین کے متعلق اور خاص طور پر بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لئے جو لڑائیاں لڑی گئیں اسی جنگ کو جنگ صلیبی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس صلیبی جنگوں کی تعداد جو بیت المقدس حاصل کرنے کے لئے لڑی گئی یہ آٹھ ہیں۔ سب سے پہلی جنگ عظیم ۱۰۹۶ء

سے لیکر ۱۰۹۹ تک ہوئی۔ دوسری جنگ ۱۱۴۷ء سے لیکر ۱۱۴۹ء تک ہوئی۔ تیسری جنگ ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء ہوئی، چوتھی جنگ ۱۲۰۲ء تا ۱۲۰۴ء تک ہوئی، پانچویں جنگ ۱۲۱۸ء سے لیکر ۱۲۲۱ء تک ہوئی چھٹی جنگ ۱۲۲۸ء سے لیکر ۱۲۲۹ء تک ہوئی، ساتویں جنگ ۱۲۴۸ء سے لیکر ۱۲۴۹ء تک ہوئی آٹھویں جنگ ۱۲۷۰ء سے لیکر ۱۲۷۱ء تک ہوئی۔ اس زمانے میں عیسائیوں کی حکومت صرف یورپ کے براعظم میں تھی سلجوقیوں کے زوال کے بعد جرمن فرانس اٹلی اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے ایک زبردست فوج بیت المقدس روانہ ہوئی پہلی فوج کو تو مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی اور اسے روم کے سلجوقی ترکوں نے ختم کر دیا لیکن جب دوسری فوج روانہ ہوئی تو مسلمان آپس میں نااتفاقیوں کی وجہ سے عیسایوں کا مقابلہ نہ کر سکے عیسائیوں نے ایشائے کوچک اور ملک شام کا تمام ساحلی علاقہ فتح کر کے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس بھی فتح کر لیا یہاں عیسائی سپاہیوں نے مسلمان مرد اور عورتوں کو اور بچوں کا قتل عام کیا جن لوگوں نے مسجد اقصی میں پناہ لی ان لوگوں کو بھی نہیں چھوڑا مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قتل عام میں ستر ہزار مسلمان شہید کئے گئے اور ایسا زوال شروع ہوا کہ یورپ کے عیسائیوں نے اب پورے فلسطین اور شام کے ساحلی علاقہ میں اپنی حکومت قائم کر لی شام کے اندرونی شہر حلب مسیحوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں ذیل کی چار ریاستیں قائم کر لیں جو لاوطینی ریاستیں کہلاتیں ہیں۔ (۱) پہلی ریاست ۱۰۹۷ء میں قائم ہوئی اس کا صدر مقام الرھا تھا (۲) دوسری ریاست ۱۰۹۸ء میں قائم ہوئی اس کا صدر مقام انطاکیہ تھا (۳) تیسری ریاست فلسطین کی تھی جو ۱۰۹۹ء میں قائم ہوئی اس کا صدر مقام پروسلم تھا (۴) چوتھی ریاست ۱۱۰۹ء میں قائم ہوئی اس کا مرکز طرابلس اور شام رہا ان ریاستوں میں فلسطین کی ریاست سب سے بڑی تھی (ملت اسلامیہ کے مختصر تاریخ ۲۹۷)

جب فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تو تاریخ انسانیت میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی فلسطین اسلامی دنیا کا دل سمجھا جاتا تھا لیکن مسلمانوں کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہوئی کہ عین ترقی و عروج کے زمانے میں تنزل و انحطاط کا دور شروع ہو گیا اور دیگر قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے آپس میں بغض و حسد نسو و نما ہوا بادشاہ مستبد اور جابر ہونے لگے حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا تھا اخلاق میں انحطاط شروع ہو گیا حکام اور سپہ سالاروں نے قوم و سلطنت سے خیانت اور غداری کرنے لگے قوم میں راحت طلبی اور عافیت کوشی پیدا ہو گئی غرض یہ کہ زوال پذیر قوموں کی وہ تمام صفات پیدا ہو گئیں (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۸۳)

واقعہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک عالمی انحطاط کا شکار تھا دماغ تھک تھک سے اور طبیعتیں بجھی بجھی سی نظر آتی تھیں۔ بالآخر مسلمانوں کے ساتھ وہ تباہی بھی آئی کہ جیسے دیکھ کر تواریخ انسانیت رونگٹی کھڑی ہو جاتی ہے خوارزم مسلمانوں کی ایک وقت میں بہت بڑی طاقت و قوت اور بہت بڑی سلطنت تھی وہ وقت بھی آیا کہ حکومت بھی ہاتھ سے چلی گئی اسی پر بس نہیں خوارزم شاہ کے وجہ سے اسلامی دنیا کو بڑی تباہی

کا سامنا کرنا پڑا اس کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کو کتنا نقصان پہنچا لیکن سب سے بڑی بات یہ ہوئی کے محمد خوارزم شاہ نے چنگیز خاں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی لیکن جب اس نے حملہ کیا تو ایک جگہ بھی میدان جنگ میں آکر اس کا مقابلہ نہیں کیا وہ ایسا خوف زدہ ہوا کہ کہیں بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا نتیجہ یہ ہوا کہ چنگیز خاں شہروں پر فتح کرتا جاتا اور آگے بڑھتا جاتا یہاں تک کہ بحر خضر کے ایک جزیرہ آبسکوں میں جا کر پناہ لی اور وہیں پر ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ء میں انکا انتقال ہو گیا محمد خوارزم نے بعد اس کے لڑکے جلال الدین خوارزم شاہ جو بڑا سجاعت و بہادر کا پیکر تھا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اور کئی سال تک منگولوں کا یہ حملہ بہت بری تباہی کا سبب بنا ایسی تباہی جیسے تاریخ کے صفحات نے نوٹ کی ہے سمرقند بخارا خوارزم بلخ نیشاپور غرض یہ کہ اسلامی دنیا کے وہ تمام شہر جو وسط ایشیاء اور ایران میں پڑتے تھے انہوں نے اسی طرح برباد کئے کہ لوگوں کا قتل عام کیا گیا شہروں میں آگ لگادی شہروں کی بڑی بڑی عمارتیں جلا دیں گئیں اور دیکھتے دیکھتے اسلامی دنیا کا ایک بڑا حصہ ویران اور خاکستر کر دیا مسجدیں کتب خانے اور مدرسے سب کے سب برباد کر دیئے گئے بخارا اور سمرقند جن کی آبادی کا اندازہ دس دس لاکھ تک کیا جاتا تھا بالکل تباہ و برباد کر دئے گے سمرقند کے ساتھ ہزار کارکنوں کو منگول بیکار میں پکڑ کر لے گئے اور شہروں میں بہت ساری تباہیاں پھیلا دیں تباہی کا یہ عالم کہ شہر میں صرف پانچ ہزار آدمی زندہ رہے خوارزم میں قتل عام کے بعد منگولو گونے دریائے جیحوں کا بند توڑ دیا تھا جس کے وجہ سے پورا شہر غرق آب ہو گیا تھا تاریخ کا وہ بدترین ظلم جسے آسمانوں زمین نے کبھی نہیں دیکھا تھا صوبہ نیشاپور میں ستر لاکھ انسان اور صوبہ ہرات میں سولہ لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یہ صوبے جو اسلامی مملکت کے آباد ترین علاقوں میں سے تھے تقریباً غیر آباد ہو گئے شہر رے میں بھی سات لاکھ آدمی یا تو قتل کر دئے گئے یا قیدی بنا لئے گئے مصنف فرماتے ہیں کہ منگولوں کی اس تباہ کاری کا ذکر ایک ہمعصر مؤرخ نے فارسی چند الفاظوں میں اس طرح کیا ہے۔ امد ند و کند و سوختند و بردند و آفتند ترجم۔ یعنی وہ آئے توڑ پھوڑ کی۔ آگ لگائی۔ لوٹ مار کی اور چلے گئے۔ اس زمانے کے ایک مؤرخ ابن اثیر نے جو چنگیز خاں کے حملہ کے وقت موجود تھے ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ان کے دل میں اسلامی دنیا کی تباہ کاری کا بڑا گہرا اثر ہوا تھا چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پش و پیش میں مبتلا رہا کہ اس کا ذکر کروں یا نہ کروں واقعہ بھی یہ ہے کہ مسلمانوں کی موت کی خبر سنانا کس کے لئے آسان ہے اور کس کا دل ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا یہ وہ عظیم حادثہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور شاید دنیا نے قیامت تک یہ واقعہ نہیں دیکھے گا خوارزم شاہ کی حکومت کو تباہ کر کے اور رے جو عظیم الشان شہر ہے وہاں سے لیکر آذربائجان تک تمام شہروں کو تباہ و برباد کر کے چنگیز خاں واپس چلا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد مر گیا لیکن ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ پچاس سال بعد اس کا

پوتا ہلاکو خاں ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس نے بغداد پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا جو اس وقت اسلامی دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔

(ملت اسلامہ کی مختصر تاریخ/۳۶۶)

خلافت عباسیہ کا آخری دور معتصم باللہ تک ختم ہو جاتا ہے سلجوقیوں کے بعد بغداد کا خلیفہ پھر خود مختار ہوگئے تھے ان آخری خلفاء کی سلطنت زیادہ بڑی نہیں تھی وہ صرف اعراق پر حکومت کرتے تھے خلافت عباسیہ کے آخری دور کے خلفاء سات ہیں بغداد کے آخری خلیفہ معتصم باللہ تھے جن میں حکومت کی بھی صلاحیت نہیں تھی وہ مغرور اور بیوقوف تھا اس نے مستنصر کی جمع کی ہوئی فوج بھی توڑ دی اور اس نے اپنے وزیر عقلی پر اعتماد کی لیکن اس کے وزیر نے غداری کی اور ہلاکو بغداد پر حملہ کے لئے بلوایا ہلاکو خاں نے چالیس دن کے محاصرہ کے بعد شہر فتح کر لیا رمنگول فوجیں بغداد میں داخل ہو گئیں اور یہ واقعہ ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۸۵ء کو پیش آیا

(ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ/۳۶۸)

☆☆☆

محمد آفتاب عالم
متعلم : ششم عربی

ہندوستان پر دینی مدارس کے احسانات

تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی، ہندوستان میں ساڑھے آٹھ سو سالہ۔ اسلامی شان و شوکت کا چراغ گل ہوا چاہتا تھا، سلطنت مغلیہ چراغ سحر گاہی کی طرح ٹمٹا رہی تھی، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ رو بہ زوال تھے، الحاد و ارتداد کے طوفان بلاخیز میں ہندوستان بالخصوص دہلی کے تمام مراکز دینہ متزلزل ہو چکے تھے، جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا جارہا تھا، مشرقی روشنی چھپتی جارہی تھی اور مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔

ان حالات سے یہ یقین ہو چکا تھا کہ شاید اسلامی ہند میں اب اسلام کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جائے، لیکن ایسے پر خطر حالات میں خدا تعالیٰ نے چند ایسی شخصیتوں کو پیدا کیا جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا، انہی نفوس قدسیہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی شخصیت بھی ہے جس نے علوم نبوت کے تحفظ، دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کے لئے "دارالعلوم دیوبند" کو قائم فرمایا اور اس کے بعد پورے ملک میں مدارس کا جال بچھادیا اور اسلامی تعلیم کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ برطانوی تہذیب و تمدن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اگر دارالعلوم دیوبند اور ان دینی مدارس کے جال نہ ہوتے تو اس سرزمین ہند پر بھی اندلس (موجودہ اسپین) کے واقعے کو دہرایا جاتا اور ہندوستان سے دینِ اسلام کو حرف غلط کی طرح مٹا کر ہر فرد مومن کے لوح قلب و دماغ میں عیسائیت کی بیج بو دیجاتی۔

لیکن ان دینی مدارس کے علماء نے تحریک آزادی کا نعرہ بلند کر کے دین و شریعت کے تحفظ کے لئے بے دریغ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اور برطانوی سامراج کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بالآخر دوسری جنگ آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء میں وہ ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور جب برطانوی اقتدار کا یہاں سے جنازہ نکل گیا تو اب دینی مدارس کا راستہ بالکل ہموار ہو گیا اور اب ان مدارس کے لئے پھلنے اور پھولنے کا بڑا سنہرا موقع ملا، چنانچہ علماء کرام کی بے مثال قربانیوں کے نتیجہ میں وہ دن بھی آگیا کہ جہاں سے اسلامی شعائر زائل ہو رہے تھے وہ زائل ہونے

سے بچ گئے اور جہاں دینی علم اور تعلیم گاہیں ختم ہو رہی تھیں وہ کھل کر میدان میں آگئیں اور جہاں جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا جارہا تھا اب ان مسلم قلوب پر رشد و ہدایت کی کلیاں کھلنے لگیں اور جہاں سے مشرقی روشنی چھپتی جارہی تھیں اور مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا اب وہاں علوم نبوی ﷺ نے جگہ لے لی۔

اور اسی دارالعلوم نے "شیخ الہند علامہ محمود الحسن دیوبندیؒ، علامہ سید رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مہدی حسنؒ شیخ ذکریاؒ اور دیگر عظیم الشان شخصیتوں کو پیدا کیا جن میں بعض نے اہل ہند کے لئے تفسیر کے علوم کو فروغ دیا جن میں شیخ الہند اور حکیم الامت قابل ذکر ہیں کہ انہوں نے تفسیر کے علوم کو فروغ دیا اور بعض نے احادیث نبویہؐ کی خدمت کو پیش کیا جن میں شیخ الاسلام، علامہ کشمیری اور شیخ زکریاؒ سر فہرست ہیں، چنانچہ جب علامہ کشمیریؒ نے غیر مقلدین کے ساتھ مناظرہ کرتے ہوئے احادیث سنانا شروع کیا تو غیر مقلدین حضرات "بوریہ، بستر" سمیٹ کر بھاگنے لگے اور بعض نے فقہ و آفتاء کا کام انجام دیا جن میں شیخ الہند، علامہ گنگوہی، حکیم الامت، علامہ کشمیری اور مفتی مہدی حسنؒ قابل فخر افراد ہیں۔

اور بعض نے تو قرآن و حدیث اور اسلامی شعائر کو بچانے کے لئے اپنے نفس کو وقف کر دیا جن میں "شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنیؒ" ہیں کہ جب وہ عدالت میں "شیخ الہند علامہ محمود الحسن دیوبندی" کے ساتھ بحیثیت ملزم پیش کئے گئے تو حضرتؒ نے اپنے بیان کے آخر میں جو الفاظ فرمائے وہ " افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" کا بہترین نمونہ ہیں، آپؒ نے فرمایا کہ اگر 'لارڈ ریڈنگ' اس لئے ہندوستان بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلادیں، حدیث کو مٹادیں اور فقہ کی کتابوں کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہونگا۔ (سبحان اللہ)

جب عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے پُر جوش اور جذبات سے بھرے انداز میں آپؒ نے آخری جملہ فرمایا تو تمام مجمع نے بآواز بلند "جزاك الله" اور "مرحبا" کہا تو مولانا محمد علی جوہرؒ نے آگے بڑھ کر شیخ الاسلامؒ کے قدم چوم لئے، شیخ الاسلامؒ نے انبیاء کی نیابت اور امت کی سچی قیادت فرمائی اور مستقبل میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے پورے ملک میں مدارس کا جال پھیلایا جن سے مسلمانوں میں تعلیمی سدھار کے ساتھ شعور زندگی پیدا ہوا۔
(خطبات مفتی ۴۶۵)

آج کل یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہمیں اور امت کو ان مدارس عربیہ سے کیا ملتا ہے ہمیں ان سے ڈگریاں نہیں ملتی، ہمیں سرکاری ملازمت نہیں ملتی، ہمیں نوکری نہیں ملتی۔

تو ایسے ذہن والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا اسکول و کالج کے تمام پڑھے ہوؤں کو ملازمت مل جاتی ہے؟

جب نہیں ملتی اور یقیناً نہیں ملتی تو مدارس عربیہ کے ان طلباء پر حرف شکایت کیوں؟ رہا ان طلباء کا حال تو بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ میں چیلنج کرتا ہوں کہ مدارس عربیہ کا کون سا ایسا حافظ، عالم، فاضل اور مفتی ہے؟ جو فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہا ہو، بھوکا مر رہا ہو، ذلت و رسوائی کی کامیں کر رہا ہو۔ اور ذرا کالج کے طلباء کو دیکھو کہ کتنے ہی ایسے طلباء ہیں جو کہیں رکشہ چلاتا ملے گا، کہیں ہوٹلوں میں کام کرتا ملے گا..... ان طلباء مدارس عربیہ پر اللہ رب العالمین جل جلالہ کا خاص لطف و کرم اور احسان ہے کہ یہ فقر و فاقہ کی موت نہیں مرتے، ذلت و رسوائی کی کام نہیں کرتے، بشرطیکہ طلباء مدارس عربیہ اپنے علم کی قدر بھی کرتا ہو اور اس کی حیثیت بھی سمجھتا ہو!

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں مدارس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے، یہ دینی مدارس تعلیم و تربیت کے وہ مراکز ہیں جہاں سے امت مسلمہ کو علمی و فکری رہنمائی ملتی ہے اور یہیں سے دین متین کی حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دینے والے اور اسلام اور اسلامی اقدار کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں! یہی ادارے مسلمانوں کے مذہبی و تہذیبی ورثہ کے تحفظ اور ان کا امت سے رشتہ جوڑنے و مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اسی محاذ سے دین پر داخلی و خارجی حملوں سے دفاع کا سامان فراہم ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے دینی مدارس قرآن و سنت کے نہج پر سیرت و کردار کی تشکیل اور صالح خطوط پر زندگی کی تعمیر کے کارخانے ہیں، اور یہ اسی لئے قائم کئے جاتے ہیں کہ تاکہ امت کو قرآن و سنت اور فقہ کے ماہرین، دین کے خادم، علم و مبلغ اور داعی و مصلح فراہم کر سکیں، گرچہ مسلمانوں میں دینی تعلیم کا اہتمام بالکل ابتدای دور سے ہی ملتا ہے لیکن مدارس کا باقاعدہ قیام چوتھی صدی ہجری سے منسوب کیا جاتا ہے۔ (ترجمان الاسلام ر ۱۱)

اور ان ہی مدارس سے ایسے باصلاحیت افراد نکلتے یں جو مختلف علوم و فنون میں مہارت کے حامل ہوتے ہیں جو اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی موثر ترجمانی کرتے ہیں اور اسلامی عقائد، تعلیمات و قوانین پر مخالفین و معاندین کے اعتراضات و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں اور اسلام کا دفاع کرتے ہیں۔

دینی مدارس کا احسان تو امت مسلمہ کے لئے ان کے خدمات ہوتے ہیں نہ کے مالی احسانات، امت مسلمہ کے لئے دین اسلام کی حفاظت و صیانت کرنے والے افراد کا پیدا کرنا اور امت کے لئے قرآن و سنت اور فقہ کے ماہرین، دین کے خادم، معلم، مبلغ، داعی، مصلح اور امام و خطیب اور مفکر کا پیدا کرنا ہی یہ امت پر سب سے بڑا احسان ہے اس سے بڑھ کر کوئی احسان ہو ہی نہیں سکتا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود اور ان کا ملی تشخص مدارسِ عربیہ سے وابستہ ہے، مدارس عربیہ دین کے قلعے اور اسلامی چھاونیاں ہیں اور ملت کا عظیم سرمایہ ہیں اور یہ ایسی علمی تجربہ گاہیں ہیں جہاں سماج، معاشرہ اور ملک و ملت کے لئے تعمیر ساز ذہن رکھنے والے افراد تیار کئے جاتے ہیں، حتی کہ سماج کا روشن مستقبل بھی ان ہی مدارس

عربیہ کے وجود سے وابستہ ہے، مدارسِ عربیہ مسلمانوں کے ایمان و عقائد کی حفاظت اور اسلام و شریعت کی بقاء و تحفظ کے لئے بنیادی اور ٹھوس کردار ادا کر رہے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی علامت یہی مدارس عربیہ ہیں۔ اور یہی مدارس عربیہ اخلاقی اقدار کی ترقی اور صحیح نظریۂ حیات کی تعمیر کے کاموں میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں، مدارسِ عربیہ نے اسلام کی ترویج و اشاعت اور ان کے اقدار کی تحفظ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ انتہائی قابل قدر ہیں۔ اور اس وقت یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ اکابرینؒ قائم نہ کرتے تو ملت اسلامیہ ہند کے لئے اپنا تہذیبی تشخص اس ملک میں برقرار کھنا دشوار تر ہو جاتا اور اسلامی شناخت مسلمانوں سے ختم ہو جاتی۔

(خطبات مفتیؒ ۱۴۹/)

اور یہی مدارس عربیہ صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کے پاسبان ہیں، انہی مدارس میں اسلام زندہ ہے، اسلامی تہذیب و تمدن زندہ ہے، اسلامی تعلیمات زندہ ہیں، اسلامی معاشرت و ماحول باقی ہے، اسلام کے روح پرور تعلیمات پر عمل ہوتا ہے، لہذا پہلے ہم مدارسِ عربیہ کے مقام و منصب کو سمجھ لیں، ان کی اہمیت و مرتبہ سے آگاہ ہو لیں، اور جان لیں کہ اس عہد الحاد اور دور ارتداد میں مدارس عربیہ کتنی زبردست اہمیت کے حامل ہیں، ان کا وجود کتنا ضروری ہے، ان سے تعلق و ربط کس قدر ضروری ہے، مدارس عربیہ سے کنارہ کش ہونا اور ان سے غفلت برتنا مسلمانوں کے لئے کتنا نقصان دہ ہے۔

اور یہ بات بھی واضح رہے کہ آج کے دور میں مدارس عربیہ کی بقاء و تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں پر اخلاقی و مذہبی فریضہ ہے اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ دور دور نہیں جب اس سرزمین ہند پر دوبارہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ ڈھایا جائے، قرآن و حدیث کو جلایا جائے، فقہ کی کتابوں کو برباد کیا جائے اور ہند سے نکلنے پر مجبور کیا جائے (نیز موجودہ دور میں مدارس عربہ کو بدنام کیا جارہا ہے ان کو ختم کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں اور فرقہ پرست تنظیموں کی نگاہ بدان مدارس عربیہ پر ٹکی ہوئی ہے) لہذا تمام اہل ایمان کا فریضہ ہے کہ جب ان مدارس کی اتنی خدمات مسلمانان ہند کے لئے وقف ہیں، تو ان مدارس کی ہر طرح حفاظت کریں، تمام مسلمانان ہند مدارس کی ذمہ داری کو سمجھیں اور اپنی اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ "ان الله لا يضيع اجر المحسنين"

*****

محمد دلشاد عالم
متعلم : عربی پنجم

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب اور ان کی دعوتی تحریک

اسلام ایک ابدی مذہب ہے اور یہی مذہب اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہے جس پسندیدگی کا اظہار خود خدا نے اپنے پاک کلام کے اندر کیا ہے ارشاد ہے " ان الدین عند الله الاسلام " (آل عمران ر ۱۹)

اسی مذہب اور دین کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ جاری کیا اور تمام نبیوں نے پورا پورا بلا کسی نقصان کے اللہ بندوں تک اس دعوت کو پہونچادیا آخر میں ہمارے نبی محمد ﷺ کو اس دنیا کے اندر کفر وضلالت کی تاریکی مٹانے اور ایمان کی روشنی سے اس دنیا کو منور کرنے کے لئے نبی بنا کر مبعوث فرمایا آپ ﷺ نے بھی آکر اسی دعوت کو عام کیا اور بندوں کو بتایا کہ اللہ ایک ہے اسی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ دیگر تمام معبودوں، کی پرستش چھوڑ دو، اور ان کو دیے گئے احکامات پر پورا پورا عمل کرو۔ آپ ﷺ جب تک اس دنیا میں رہے دعوت والے کام کو عام کرنے کے لئے جدو جہد کرتے رہے جب آپ ﷺ نے آخری حج کیا اس وقت کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ یہ آپ کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے "فلیبلغ الشاهد الغائب" جو یہاں موجود ہے وہ حضرات ان لوگوں تک خدا کا پیغام پہونچادیں جو موجود نہیں ہیں، اس خطاب کے اولین مخاطب۔ صرف اور صرف صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی، لیکن چوں کہ آپ ﷺ کا خطاب عام تھا اس لئے ہم لوگ بھی اس ضمن میں داخل ہیں،

اور امت کے ہر فرد پر جو دین کا علم رکھتے ہیں، ضروری ہے کہ۔ وہ دین کی دعوت کو لیکر ان لوگوں تک پہونچیں جو عملاً دین سے دور اور پیغام خداوندی سے غافل ہیں۔ اور اس ذمہ داری کی تائید خود حدیث سے ہوتی ہے۔

ارشاد ہے "بلغوا عنی و لو آیة" کہ تم لوگ میری بات پہونچادو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ دیگر انبیاء کرام کی قوموں پر اس دعوت کی ذمہ داری نہیں تھی اس لئے نبیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے لیکن آپ ﷺ پر چونکہ نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس لئے دین اسلام کا پیغام اور اس کی دعوت و تبلیغ جو صرف پیغمبر ﷺ کی ذمہ داری تھی اس امت محمدیہ پر ڈال دی گئی۔

لہذا اس امت کا کام ڈبل ہو گیا دین اسلام کے احکام کو ماننا اور چلنا اور دیگر تمام بندگانِ خدا تک محبت و حکمت کے ساتھ ان احکام کو پہونچانا معلوم ہوا کہ سلسلۂ نبوت تو بند ہو چکا لیکن کار نبوت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے، قیامت تک بند نہیں ہوگا اور اس امت محمدیہ کے وجود میں لانے کا مقصد ہی یہی ہے ارشاد ربانی ہے۔" کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر" (آل عمران/۱۱۰)

آج کے اس پُر فتن دور میں دعوت والے کام کو لیکر غیر مسلموں تک پہونچانا اور غافل لوگوں کو اس کی ذمہ داری یاد دلانا تو دور کی بات ہے خود آج مسلمان دین سے دور ہوتے جارہے ہیں، آپ ﷺ کی سنت کو پامال کر رہے ہیں مسلمان قوم کی دینی حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ وہ حقیقت میں دائرہ اسلام سے خارج ہو رہے تھے۔ اسلام سے دور اور بیگانہ ہوئے جارہے تھے اور دعوت والا کام بالکل چھوٹ چکا تھا ایسے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس صاحب کی شکل میں ایک فکر مند شخصیت کو وجود بخشا۔ آپ ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے آپ کا خاندان دین و ایمان کا گہوارہ تھا ایسے ماحول میں پلنے والے بچے کے اندر کیوں کر دینداری نہیں آسکتی، اور اس کا دعوتی مزاج کیوں کر نہیں بن سکتا آپ حافظ قرآن بھی تھے اور آپ کے صفات بچپن ہی سے ایسے تھے، کہ آپ کی نانی امی بی فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں خود حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب میں مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ کرام یاد آجاتے ہیں (صفہ ۵۲) جب آپ نے مکمل تعلیم حاصل کرلی تو اپنے بھائی محمد صاحب کے انتقال کے بعد نظام الدین معین ان کے جانشین بنے، شروع ہی میں شہروں کی دینی بدحالی دیکھ کر آپ کی حساس اور ذکی طبیعت اس قدر متاثر ہوئی کہ درد اور بے کلی کی کیفیت پیدا ہو گئی مسلمان اس وقت دیندار ضرور تھے اور شہروں میں دین داری ضرور موجود تھی مگر وہ آہستہ آہستہ لوگوں کے اندر سے نکلتی جارہی تھی اور نتیجہ ہوا کہ دینداری جمہور سے نکل کہ افراد تک محدود ہو گئی۔

جس کی وجہ سے لوگ سرعت کیساتھ دینی پستی کے طرف جارہے تھے حضرت مولانا ان تمام چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور ان لوگوں میں دین کا شمع روشن کرنے کی تدبیر سوچتے آپ یہ چاہتے تھے کہ اس نقصان کی تلافی مسلمانوں میں دین اور دینداری عام کر کے کی جائے اور کوئی مسلمان ایسے ضروری علم دین سے جس کے بغیر بحیثیت مسلمان زندگی گذارنا مشکل ہے بے بہرہ نہ رہے لیکن لوگ دنیا کے اندر اس قدر مشغول ہو چکے تھے کہ دین کو بہت مشکل سمجھ رہے تھے حالاں کہ یہ کوئی مشکل نہ تھا۔ دین کا ضروری علم مسلمان اپنے کاروبار اور دنیاوی علائق و مشاغل کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا کے وقت اس کی تدبیر یہ آئی، مشغول اور کاروباری مسلمانوں کو دین کا ضروری علم حاصل کرنے کے لئے اپنے اوقات کا کچھ حصہ فارغ کرنے کی دعوت دیجائے اور

دین کے لئے اور مالوں کی طرح وقت کی زکوٰۃ نکالنے پر آمادہ کیا جائے۔ ان کو اس ماحول سے نکلنے کی دعوت دی جائے۔ اور ان کو کسی زندہ اور بیدار دینی ماحول میں رکھا جائے تاکہ وہ کچھ دنوں کے لئے اپنے قدیم ماحول کے اثرات سے آزاد ہوں، اپنے مشاغل سے فرصت پائیں تاکہ ان میں دین حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ صرف وعظ و تقریر سے لوگوں کو اس طرف راغب نہیں کیا جاسکتا تھا اور وعظ و تقریر اس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھا سکتی جب تک کہ اس کے مطابق عملی نمونہ نہ پیش کیا جائے اور حضرت مولانا اسکو آغازِ دعوت کے لئے مضر سمجھتے تھے، چنانچہ آپ نے دہلی شہر اور دوسرے بڑے بڑے مرکزوں میں میواتیوں کی جماعتیں بھیجنی شروع کیں شروع شروع میں ان جماعتوں کو بہت زیادہ دقتیں پیش آئیں مسجد میں قیام کرنے سے منع کر دیا گیا ہر طرف لوگ برا بھلا کہتے تھے۔ لیکن اس جماعت کے لوگوں نے تمام مصیبتوں کو سہہ کر سمجھانے کا کام جاری رکھا۔ گویا کہ ان کے لئے یہ ایک جہاد تھا لیکن یہ دقتیں دشواریاں چند دنوں کی تھیں، جب لوگوں نے اس کام کو سمجھنا شروع کیا تو یہ تمام چیزیں دور ہوتی گئیں لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہوتے چلے گئے اور بعد میں یہی جماعتیں عقیدت کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے آج بھی ہر گوشے سے اس جماعت پر کلمے کسے جارہے ہیں۔ ان کو برا بھلا کہا جارہا ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ اہل علم اور اہل حق نے اپنی توجہ اس طرف سے ہٹالی اس دعوت والے کام کو ان حضرات کی سرپرستی نہ ملی حضرت مولانا کا نظریہ بھی تھا کہ جب تک اہلِ علم اور اہل ذوق اس طرف توجہ نہ دیں گے۔ اس کی سرپرستی نہ کریں گے اس وقت تک اس دعوت والے کام کی طرف سے اطمینان حاصل نہیں کیا جاسکتا آپ کی مرتے دم تک یہی خواہش رہی کہ علماء اس طرف توجہ دیں اور اس کام کو اپنی ہاتھ میں لیں اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اس کام کو فروغ دیں اس لئے کہ جب علماء دین کے بڑے بڑے حضرات اشاعت دین کے لئے خود جاکر عوام کے دروازہ کو کھٹکائیں گے۔ اور عوام کی طرح بھی گاؤں اور شہر در شہر اس کام کے لئے گشت کریں تو اس کام سے جو اصل مقصود ہے وہ پایۂ تکمیل کو پہونچ سکتا ہے کیوں کہ عوام پر جو اثر اہلِ علم کی عمل و حرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دار تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر اہلِ علم حضرات اس میں لگ جائیں گے تو وہ ان کے علمی مشاغل اور علمی ترقی میں حرج ہوگا۔

لیکن یہ بات جان لینی چاہئے کہ حضرت مولاناؒ نے اس کام کے لئے ایسے اصول مرتب کئے ہیں۔ اور اس کے لئے ایسا نہج مقرر کیا ہے کہ اس میں حرج تو دور بلکہ اس میں علوم کی ترقی اور پختگی کا مستقل انتظام ہے چہ جائے کہ اس تحریکی دعوت سے علم اور اہلِ علم کو ذرہ برابر نقصان پہونچے کیوں کہ حضرت مولانا خود ایک جید عالم دین تھے اور وہ علم کی ترقی میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کو خسرانِ عظیم سمجھتے تھے۔

آپ کو اپنی تحریک پر اتنا یقین پڑ چکا تھا کہ آپ یہ فرماتے کہ وقت کے تمام فتنوں کا علاج اور زمانے کے ہر

تقاضے کا جواب اصل دین کی اسی کوشش میں ہے جب بھی کوئی نیا فتنہ وجود میں آتا تو دل کا جوش زبان اور قلم پر آجاتا ہے اور فرمانے لگتے کہ غیب سے تحریک کی صورت کا نمایاں ہو جانا ہی صرف اس وباء کا علاج ہے اللہ تعالیٰ نے وباء کے مطابق اس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے۔

رفتہ رفتہ یہ دعوتی کام پھیلتا گیا اور وہ حضرات جو پہلے اس کام کے مخالف تھے اس کو سراہنے لگے تو آپ نے دہلی کے کام کی طرف توجہ دی چوں کہ یہی تبلیغ کا مرکز تھا یہیں سے جماعتیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کام کا کوئی امیر اور ذمہ دار ہو تا کہ کام کو باقاعدگی اور انضباط کے ساتھ آگے بڑھایا جائے کیوں کہ بغیر امیر اور ذمہ دار کے کسی کو بھی صحیح رخ نہیں دیا جاسکتا ہے اس لئے آپ نے شہر دہلی کی تمام تبلیغی جماعتوں کا امیر اور ذمہ دار حافظ مقتول صاحب کو بنایا اور حافظ صاحب کی مستعدی کی وجہ سے اس کام میں باقاعدگی اور انضباط پیدا ہو گیا۔ مزید اس کام میں روح ڈالنے اور اس کی سرگرمی کو تیز سے تیز تر کرنے کے لئے آپ نے ایک تدبیر اور کی کہ جمعہ کی شب اس کام کے متعلق رکھنے والے حضرات نظام الدین میں جمع ہو کر قیام کریں اور مہینہ کے آخری میں ہفتہ کو ایک اجتماع رکھا جائے جس میں ان کاموں اور کام کرنے والے کے طریقہ کار کا جائزہ لیا جائے اور اس کے لئے مفید مشورہ دیا جائے اس کے لئے خود حضرت مولانا بھی اس اجتماع میں شریک ہوتے اور علماء اور صلحاء کو بھی شرکت کی دعوت دیتے تا کہ تمام لوگوں کو اس کام سے روحانی مناسبت پیدا ہو جائے۔ اور آپ بہت حد تک اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے کہ اجتماع میں حاضرین کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور نو واردوں میں کام سے لگاؤ اور انس پیدا ہو تا گیا حتی کہ وہ حضرات جو اپنی تجارتوں میں ہم تن لگے رہتے تھے اہل ثروت تھے مسجد کا راستہ تک ان کو معلوم نہ تھا ڈاڑھی والوں سے ان کو چڑھ تھی اس کام سے لگنے کے بعد خود ڈاڑھی رکھنے لگے اور عین کاروباری مشغولیت کے وقت دوکان چھوڑ کر جماعت اور تبلیغی گشت میں شرکت کرنے لگے وہ حضرات جو پیدل چلنے میں اپنی ذلت سمجھتے تھے وہ فرش زمین پر بے تکلف سوتے۔ ساتھیوں کا بدن دابنے کھانا پکانے اور غریبوں کے محلے میں دروازے پھرنے میں ان کو عار نہ رہا گویا کہ ان کی پوری زندگیاں ہی بدل گئی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی خدمت عاجزی و انکساری تواضع و دیعت کر رکھی ہے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی جماعتوں کے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ کام ہندوستان کی سرزمین سے نکل کر باہر بھی اپنا اپنا اثر دکھانے لگی حضرت مولناؒ آخر زندگی تک اس کام کو نسلاً پروان چڑھانے میں لگے رہے اور اس کی جڑ کو ایسا مضبوط کر دیا کہ جو ابتک جاری و ساری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک بعد نسل اس کام کو فروغ ملتا رہے گا حضرت مولانا اپنے زندگی کے آخری لمحات میں بہت ہی زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود نہ اسفار میں کمی واقع ہوئی اور نہ مشغولیت وانہماک میں بلکہ جو جوش وولولہ پہلے تھا وہ اب بھی بدستور قائم تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے بولنا بند

نہیں کیا فرماتے تھے کہ تبلیغ کے لئے بول کر مر جانا پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ اس سے خاموش رہ کر صحت حاصل کروں اس بیماری کی حالت میں بھی چلتے تھے اکثر نماز خود پڑھاتے تھے تقریر میں کوئی کمی نہیں تھی جس کی بنا پر مرض کافی ترقی کر چکا تھا خطرے کے آثار نمایاں ہو رہے تھے آپ کی علالت کی خبر تمام اہلِ شہر کو تھی ملاقات کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا آپ کی وفات سے دو تین دن قبل بارش ہو گئی اور کبھی کبھی ہوا بھی تیز چلنے لگتی لیکن شمع محفل بہت جلد خاموش ہونے والی تھی اس لئے شمع بھڑک بھڑک کر جل رہی تھی۔

آخری دن شام کو فرمایا کہ جس کو مجھ سے بیعت کرنا ہے بیعت کر لے مشورہ ہوا کہ اس وقت تھکان بہت ہے بیعت کا سلسلہ کل پر مؤخر کر دیا گیا "وکان امر الله قدرا مقدورا" ایک مرتبہ فرمایا کہ آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے وضو کرا دو اور نیچے اتار دو تاکہ دو رکعت نماز پڑھ لوں پھر دیکھو نماز کیا رنگ لاتی ہے ۱۲ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا ڈاکٹر آئے اور گولی دی رات کو بار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز آتی رہی پچھلے پہر مولوی یوسفؒ اور مولوی اکرام الحسن کو یاد فرمایا مولوی یوسفؒ آمل لے ہم تو چلے اور صبح کی اذان سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکاں مسافر جو شاید ہی کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو منزل پر پہونچ کر میٹھی نیند سو گیا۔

" یآیتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی "

☆☆☆

﴿ فقہیات ﴾

سجاد احمد انور قاسمی
متعلم : کلیۃ الشریعہ (اول)

آثار صحابہؓ کی تشریعی حیثیت

قانونِ اسلامی کے بنیادی ماخذوں میں آثارِ صحابہ کو ایک اہم مآخذ کی حیثیت حاصل ہے

صحابی کی تعریف

لفظ صحبت کے معنی ہیں ساتھ رہنا، اسی سے لفظ صحابی اور صاحب ماخوذ ہے یعنی ساتھ رہنے والا اصحاب اور صحب اس کی جمع ہے، اور لفظ صحابہ بطور جمع اسی معنی میں مستعمل ہے اردو میں بھی یہی رائج ہے اور اصطلاح میں صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ایمان کی حالت میں سرکار دو عالم ﷺ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہو، اور ایمان ہی پر اس کی موت ہوئی ہو۔ اور اگر اسلام سے پہلے دیکھا اور ملا نہیں تو صحابی نہیں کہیں گے۔

یہی تعریف جمہور نے کی ہے البتہ بعض لوگوں نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایک مدت تک نشست و برخاست کا بھی موقع ملا ہو، بعض لوگوں نے روایت کرنے کی بھی شرط لگائی ہے۔

لیکن صحیح مسلک جمہور کا ہے، علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

فذهب الجمهور الى انه من لقى النبى ﷺ مومنا به و لو ساعة سواء روى عنه ام لا ..... لا يدل عليهما دليل من لغة ولا شرع کہ باتفاق اہلِ لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے مگر صحبت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جس نے کم یا زیادہ صحبت اختیار کی ہو، خواہ روایت کرے یا نہ کرے (ارشاد الفحول ۱/ ۲۷۹)

آثار کی تعریف

آثار لغت کے اعتبار سے علامت اور خبر کے معنی میں ہے اور اصطلاحاً آثار کا اطلاق ان احادیث پر ہوتا ہے جو موقوف یا مقطوع ہو جیسا کہ صاحبِ قواعد الفقہ نے مقدمہ شیخ عبدالحق کے حوالہ سے لکھا ہے

و فى مقدمة الشيخ الاثر عند المحققين يطلق على الحديث الموقوف و المقطوع كما يقولون جاء فى الآثار و فى خلاصة الخلاصه و ليسمى الفقها الموقوف اثرا (قواعد الفقه / ۱۵۸)

حدیث موقوف وہ حدیث ہے جس کی سند صحابہ کرام تک پہونچتی ہو، گویا صحابہ کے آثار صحابہ کے

اقوال یا افعال ہیں۔

عدالت صحابہ

پوری امت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب پاکباز اور عادل ہیں، صحابہ کی عدالت و ثقاہت پر قطعی دلائل موجود ہیں، بلا چوں و چرا ان کو عادل تسلیم کرنا ضروری ہے، صرف روایت حدیث ہی نہیں بلکہ دوسرے معاملات زندگی میں بھی وہ ثقاہت و عدالت کے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں۔ اور انبیاء کے بعد کوئی جماعت نہیں گذری جس نے دیانت و تقویٰ، اور عدالت و ثقاہت کا اس درجہ بلند معیار قائم کیا ہو جو صحابہ نے قائم کیا،

اصول حدیث و فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے الصحابہ کلھم عدول کہ تمام صحابہ عادل قابلِ اعتبار ہیں شافعیہ میں ابو الحسین بن القطان نے اس کلیہ سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک بعض صحابہ سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں جو ان کے مقام صحبت کے منافی ہیں۔

قال ابو الحسین بن القطان فوحشی قتل حمزہ وله صحبه و الولید شرب الخمر فمن ظهر علیه خلاف العد الة لم یقع علیه اسم الصحبة (ارشاد الفحول للشوکانی ۲۷۶/۱)

ابو الحسین نے فرمایا وحشی نے حمزہ کو قتل کیا جب کہ انہیں صحبت حاصل تھی اور ولید نے شراب پی اس لئے جس شخص کے بارے میں خلاف عدالت کام کا ثبوت مل جائے اس پر صحبت کا اطلاق نہیں ہو سکتا

مگر یہ ایک خلاف حقیقت بات ہے اس لئے کہ حضرت وحشی نے حضرت حمزہ کا قتل کفر کے دور میں کیا تھا اور ولید کے شراب کا معاملہ بھی خلاف تحقیق ہے۔

اسی طرح معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حضرت علی سے جنگ لڑنے والے صحابہ بھی عدول کی فہرست سے خارج ہیں علامہ شوکانی نے طبری کے حوالے سے اس کا اچھا جواب دیا ہے۔

قال الکیا طبری و اما ما وقع بینهم من الحروب والفتن فتلك امور مبنیة علی الاجتهاد و کل مجتهد مصیب او المصیب و احد والمخطی معذور بل ماجور (ارشاد الفحول ۲۷۵/۱)

مشاجرات صحابہ کی بنیاد اجتہاد پر ہے اور کسی بھی مجتہد کو خطاکار نہیں کہا جاسکتا۔ چاہے فی الواقع کوئی ایک ہی صواب پر ہو اور دوسرا خطا پر لیکن اس پر وہ معذور ہے بلکہ مستحق اجر ہے۔

بعض لوگوں نے عدالت کے لئے طول صحبت اور ایثار و اعانت کی بھی شرط لگائی ہے۔ مگر جمہور محدثین و فقہاء اس قسم کی کوئی تفریق نہیں کرتے اس لئے کہ قرآن میں جو صحابہ کے فضائل آئے ہیں ان میں کوئی تخصیص یا استثناء نہیں پایا جاتا اور جو حضرات فی الجملہ تخصیص کی طرف گئے ہیں، انہوں نے اصلاً عدالت کے مفہوم پر غور نہیں

کیا عدالت ایک مشترک لفظ ہے اس کے کئی معانی ہیں۔ انصاف، عصمت روایت حدیث میں کذب سے پرہیز صحابہ کے لئے "عدالت" کا لفظ جو بولا جاتا ہے اس کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ صحابہ معصوم ہیں یا ان سے گناہ کا صدور ناممکن ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قابلِ اعتماد ہیں، اور ان کے حالات و کوائف پر بحث و تحقیق کے بغیر ان کی روایات قبول کی جائیں گی۔ علامہ ابیاری فرماتے ہیں۔

لیس المراد بعد التهم ثبوت العصمة لهم و استحالة المعصية منهم و انما المراد قبول رواياتهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة (ارشاد الفحول ۱/ ۲۷۸)

کہ صحابہ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ وہ کامل معصوم ہوں اور معصیت کا صدور ان سے محال ہو بلکہ عدالت سے مراد یہ ہے کہ ان کی روایات بغیر چھان بین کے قبول کی جائے گی۔

آثارِ صحابہ کی قانونی حیثیت

لیکن معاملہ صرف لائق اعتماد اور قابل قبول ہونے تک محدود نہیں ہے، بلکہ خود ان کے اعمال و افعال جو اجتہاد پر مبنی ہوں بھی اسلامی قانون سازی میں ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے سرکار ذی وقار کی زندگی سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی، آپ ﷺ کے فکر و عمل کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا جو کچھ اور جس طرح آپ سے سنا، یا آپ کو کرتے دیکھا اس کی اتباع کرنے کی کوشش کی حتی الامکان منکرات بلکہ شبہات سے بھی بچتے رہے۔

ایسی حالت میں ان سے بڑھکر مزاج شناس نبوت اور کون ہو سکتا ہے؟ ان کی رائے اور عمل کے مقابلے میں کس کی رائے کو اہمیت دی جاسکتی ہے؟

آثار صحابہ اکابر امت کی نظر

یہی وجہ ہے کہ فقہاء امت نے آثار صحابہ کو بطور حجت اور معیار تسلیم کیا ہے اور اس کو ایک قانونی حیثیت دی ہے۔ اس سلسلے میں ایک نگاہ ائمہ اربعہ کے نقطہائے نظر پر ڈال لینا مناسب ہے۔

(۱) حنفیہ

امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے متبعین متفقہ طور پر اقوال صحابہ کو قول آخر کی حیثیت دیتے ہیں اور عام طور پر اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ حنفیہ کے یہاں مقررہ اصول ہے۔

اذا لم اجد فی کتاب الله و لا سنة رسوله اخذت بقول اصحابه من شئت و ادع من شئت ثم لا اخرج عن قولهم الی غیره ۔ فالامام ابو حنیفة لا یری رائی واحد معین منهم حجة

(علم اصول الفقه للخلا ف ۱/ ۹۵)

کہ جب کوئی مسئلہ در پیش ہوتا ہے تو ہم اولاً کتاب اللہ پر نظر کرتے ہیں، پھر سنت رسول اللہ پر پھر آثار صحابہ پر صاحب کشف الاسرار نے نقل کیا ہے۔

قد اتفق عمل اصحابنا با التقليد فيما لا يعقل بالقياس يعنى ابا حنيفه و صاحبيه كلهم متفقون بتقليد الصحابى كما فى اقل الحيض (كشف الاسرار ۲/ ۱۷۴)

جن امور میں قیاس کا دخل نہیں ہے ہمارے اصحاب (ابو حنیفہ اور صاحبین) بالاتفاق صحابی کی تقلید کے قائل ہیں۔ مثلاً اقل حیض کی مدت کا معاملہ۔

نسفی لکھتے ہیں۔

الاصل قول ابى سعيد البردعى ان تقليد الصحابى واجب يترك به القياس لاحتمال السماع قال و على هذا ادركنا مشائخنا (كشف الاسرار ۲/ ۱۷۵)

یعنی صحابی کی تقلید واجب ہے اس کی وجہ سے قیاس متروک ہو جائے گا اس لئے کہ احتمال ہے کہ انہوں نے یہ رائے یا یہ عمل حضور ﷺ سے سن کر اختیار کیا ہو۔ ہمارے مشائخ کا خیال یہی ہے

(۲) مالکیہ

امام مالک اور ان کے پیروکاروں نے بھی آثارِ صحابہ کو بغیر کسی قید کے حجت مانا ہے۔ مالکی مذہب کے ایک بڑے ترجمان امام شاطبی نے اپنی مشہور کتاب "الموافقات" میں اس موضوع پر بحث کی ہے فرماتے ہیں

سنة الصحابة يعمل عليها و يرجع اليها و من الدلائل على ذلك امور احدها ثناء الله عليهم و مدحهم بالعدالة كقوله كنتم خير امة اخرجت و قوله و كذلك جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس فعلى الاولى اثبات الافضلية على سائر الامم و فى الثانيه اثبات العدالة مطلقا و ذلك يدل على مادلت عليه الاولى (الموافقات ۴/ ۷۴ بحواله منصب صحابه / ۵۴)

صحابہؓ کی سنت پر عمل کیا جائے گا اور اختلاف کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اس کی بہت سی دلیلیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اللہ نے صحابہ کی تعریف کی اور ان کو عادل اور معتمد قرار دیا مثلاً اللہ نے کہا "كنتم خير امة الخ كذلك جعلنا كم امة الخ" پہلی آیت میں تمام امتوں پر افضلیت و برتری کا بیان ہے اور دوسری آیت میں مطلق عدالت کو ان کے لئے ثابت کیا گیا، اور یہی چیز پہلی آیت سے بھی سمجھ میں آتی ہے۔

والثانى ماجاء فى الحديث من امر باتباعهم و ان سنتهم فى طلب الاتباع كسنة النبى

قال عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهدين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ (موافقات ۴/۷۶ بحواله منصب صحابه)

(۲) دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیروی کا حکم دیا اور ان کے طرز عمل کو وجوب اتباع میں اپنے طرز عمل کے مشابہ قرار دیا۔ مثلاً فرمایا تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے ان کو پکڑ لو اور جم جاو۔

(۳) حنابلہ

حضرت امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں اقوال صحابہ کی عمومی حجیت اور قابلِ استدلال ہونے کی بات ہے اور دوسرے میں عموم باقی نہیں۔ لیکن ان کی کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح قول اقوالِ صحابہ کی مطلق حجیت ہونے کا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ آثار صحابہ کی حجیت پر بحث کی ہے انہوں نے ایک مستقل باب "و جوب اتباع اقوال الصحابة" قائم کیا ہے۔ اس میں امام احمد کا ایک اصول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الاصل الثانی من اصل فتاویٰ الامام احمد ما افتیٰ به الصحابة فانه اذا وجد لبعضهم فتوی لا یعرف له مخالف منهم فیها لم یعد ها الی غیرها و اذا وجد الامام احمد هذا النوع من الصحابة لم یقدم علیه عملاً ولا راياً ولا قیاسا (اعلام الموقعین ۱/۱۱)

امام احمد کے فتاوی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ صحابہ کے وہ فتاوی جس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ہے ان سے بالکل وہ صرف نظر نہیں کرتے۔ حضرت امام احمد کو جب اس قسم کے فتاوی مل جاتے تو ان پر کسی کے عمل رائے یا قیاس کو ترجیح نہیں دیتے۔

(۴) شافعیہ

امام شافعی سے دو قسم کے قول منقول ہیں، قول قدیم میں وہ جمہور فقہاء کی طرح قول صحابی کی حجیت کے قائل ہیں۔ البتہ قول جدید میں وہ اس سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ صاحب کشف الاسرار نے امام شافعی کے قول قدیم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ انه حجیه شرعیة مقد مة علی القیاس و به قال اکثر الحنفیه و مالك و هو قدیم قول الشافعی (کشف الاسرار ۲۶۸)

یعنی یہ حجت شرعیہ ہے۔ قیاس سے ان کا درجہ مقدم ہے، اسی کے قائل امام مالک اور اکثر حنفیہ ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

اگر چہ کہ اکابر شافعیہ نے قول جدید کو اہمیت دی ہے لیکن بعض شافعیہ نے قول قدیم کو اختیار کیا ہے خود حضرت امام شافعی کی کتابوں میں قول قدیم ہی موجود ہے۔ الرسالہ کے باب الجد میں صحابہ کا اختلاف نقل کرنے اور اس پر بحث و تمہید کے بعد فرماتے ہیں۔

فلم یکن لی خلافهم و لا الذهاب الی القیاس و القیاس مخرج من جمیع اقاویلهم ارأیت اقاول اصحاب رسول الله ﷺ اذا تفرقوا فیها فقلت نصیر منها الی ما وافق الکتاب او السنه او الاجماع او کان اصح فی القیاس ..... قلت له ما وجدنا فی هذا کتابا و لا سنة ثابتة و لقد وجدنا اهل العلم یا خذون بقول و احدهم مره و یترکونه اخری (الرسالہ ۸۲۔۸۱ بحوالہ منصب صحابہ ۶۳)

میرے لئے ان کی مخالفت اور کسی قیاس کو اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ قیاس سے ان کے اقوال سے بالکلیہ خروج لازم آئے گا۔ صحابہ کے اقوال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جب ان کا کسی مسئلہ مین اختلاف ہو جائے تو میں نے کہا کہ جو قول کتاب و سنت یا اجماع یا صحیح ترین قیاس کے زیادہ موافق معلوم ہو گا اس کو ہم اختیار کر لیں گے۔ میں نے کہا کہ اس سلسلے میں ہم نے کتاب و سنت سے کوئی رہنمائی نہیں پائی البتہ اہلِ علم کو دیکھا کہ وہ ان صحابہ میں سے کبھی کسی ایک کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور کبھی ترک کرتے ہیں۔

گویا امام شافعی کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کے مختلف اقوال سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ انہی اقوال میں سے کسی ایک قول کے اختیار کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت استاذ محترم مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب دامت برکاتہم ان دونوں اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب منصب صحابہ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام شافعی کے دونوں اقوال کے درمیان اگر کوئی تضاد نہیں ہے تب تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں لیکن اگر تضاد ہو تب بھی مسئلہ پر اس سے کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے حضرت امام شافعی کے ایک قول جدید کے علاوہ خود ان کا قول قدیم اور بقیہ تینوں مذاہب فقہ اس پر متفق ہیں کہ صحابہ معیار حق اور حجت ہیں اور ان کے اقوال قابل استدلال ہیں۔ بلکہ ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اگر امام شافعی کا نقطۂ نظر اس تعلق سے فی الواقع بدل گیا تھا تو انہوں نے اپنے اس اصول سے رجوع کی تصریح کیوں نہیں فرمائی (منصب صحابہ ۶۵)

ائمہ و فقہاء کا نقطۂ نظر واضح ہو جانے کے بعد نصوص پر بھی نگاہ ڈالی جائے کہ اس باب میں ان سے کیا روشنی ملتی ہے۔

آیاتِ قرآنی

قرآن کریم میں اس سلسلے میں جابجا واضح اشارے موجود ہیں کہ صحابہ کی جماعت اللہ کی پسندیدہ جماعت

ہے، اور اس کا کوئی عمل رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ یہ انسانیت کے لئے ایک قابلِ اتباع جماعت ہے۔

و السابقون الاولون من المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه (سوره توبه پاره ۱۱)	مہاجرین و انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی اتباع کی ان سب سے اللہ راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

اس آیت میں میں رضی اللہ عنہم ورضواعنہ کا جملہ صحابہ کے اقوال وافعال کو ماخذ قرار دینے کے بارے میں نہایت اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالخصوص ورضواعنہ میں حکمت الٰہی کے ساتھ ان کے تعامل کی ہم آہنگی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۲) و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى و نصله جهنم و سآء ت مصيرا (سوره نساء روكوع ۱۴)	جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستہ چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ادھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت میں جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بری جگہ پہنچے گا۔

اس ایت میں سبیل المومنین سے اسوہ صحابہ مراد ہے۔

(۳) اتبعوا من لا يسألكم اجرا و هم مهتدون (سوره يسن ۲۱)	پیروی کرو ان کی جنہوں نے تم سے معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا اور وہی سیدھے راستے ہیں

صحابہ کرام ہی ہیں جنہوں نے اجرت کا مطالبہ نہیں کیا اور وہی لوگ کامیاب بھی تھے۔

(۳) واتبع سبيل من اناب الىّ ثم الى مرجعكم فانبئكم بما كنتم تعملون (سوره لقمان ۵۱)	پیروی کرو ان کے راستے کی جو میری طرح رجوع کرنے والے ہیں پھر تمہیں میری جانب لوٹنا ہے پھر بتلادوں گا اس چیز کو جو تم کرتے تھے۔

صحابہ بالیقین منیب الی اللہ تھے، پس ان کے اقوال وافعال کی اتباع کی جائے گی۔

ان آیات میں امت کو صحابہؓ کی پیروی کی تلقین کی گئی ہے اور ان کی اتباع پر کامیابی و کامرانی کا مژدہ سنایا گیا۔ اور وعدہ کیا گیا کہ صحابہ کی اتباع کرنے والے فوز عظیم سے ہمکنار ہوں گے اور مخالفت کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔

احادیث نبوی

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم فبایھم اقدیتم اھتدیتم میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس ان میں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے (مشکوۃ ر ۵۵۴)

یعنی صحابہ کرام آسمانِ رشد و ہدایت کے درخشاں ستارے ہیں امت جس کو بھی اپنا راہ نما بنائے گی منزل مقصود تک پہونچ جائے گی۔

و ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملة و تفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدة قالوا من ھی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی (مشکوۃ ر ۳۰)	بنی اسرائیل ۷۲ بہتر فرقوں میں بٹی اور میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹے گی سب کے سب جہنمی ہیں سوائے ایک فرقہ کے صحابہ نے پوچھا وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے اصحاب جس پر ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے طریقہ کو بعینہ اپنے صحابہ کا طریقہ بتلایا، یعنی ان کی راہ چلنا دراصل میری راہ چلنا ہے اور ان کی پیروی حقیقۃً میری پیروی ہے۔

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ (مشکوۃ ر ۳۰)	اے لوگوں تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی پیروی کرو ان کو خوب تھام لو بلکہ ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑلو۔

انہی آیات و احادیث کی بنا پر علماء نے صحابہ کو حجت اور معیار حق تسلیم کیا ہے شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری فرماتے ہیں

کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر کی سیرت پر چلنے میں ثواب ہے اور اس کو چھوڑنے میں گناہ اس لئے کہ ہمیں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرو پس جب ان دونوں کی پیروی کا حکم آچکا تو یہ واجب ہوگا اور واجب کا تارک سزا کا مستحق ہے۔ (بحوالہ منصب صحابہ ۱۶۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں

حق و باطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے جس چیز کو انہوں نے آنحضرت کی تعلیم سے قرائن حالی و مقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ار ۱۵۷ بحوالہ منصب صحابہ ر ۱۶۹)

علماء دیوبند بھی صحابہ کو علی الاطلاق حجت اور معیار حق تسلیم کرتے ہیں (علماء دیوبند کا دینی مسلک ر ۱۱۹)

☆☆☆

محمد یونس انصاری
متعلم : دورۂ حدیث

امام ابو حنیفہؒ اور فقہ اسلامی

اماالانبیاء محبوب کبریا ﷺ کا ارشاد عالی ہے۔

لو کان الایمان عند الثریالنا و له رجال من فارس : یعنی اگر ایمان ثریا کی بلندی پر پہنچ جائے تب بھی فرزندان فارس اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے (بخاری شریف کتاب التفسیر) حافظ الحدیث علامہ ابن حجر، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث پاک کا مصداق امام اعظم ابو حنیفہؒ کو قرار دیا ہے جنہیں متعدد صحابہ اکرام کی زیارت کا شرف حاصل ہے ائمہ اکرام و فقہاء عظام میں یہ واحد شخص ہیں جنہیں امام اعظم کا لقب ملا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰ھ سرزمین کوفہ میں ہوئی والدین نے نعمان کے نام سے موسوم کیا ماحول نے ابو حنیفہ کی کنیت دی تو میدان فقہ نے امام اعظم کے لقب سے سرفراز کیا آپ کا گھرانہ اپنے دور کا انتہائی معزز و مکرم تھا نیز حضرت علیؓ کی دعا نے آپ کے خاندان کی شان میں چار چاند لگا دیئے۔ اس مکڑی کی جالی روایت کو بعض ناقدین اور خصوصاً آجکل کے غیر مقلدین نے اپنی نقد و جرح کا آلہ بنا کر (استعمال کیا) آپ کی ذات کو داغدار کرنے کی کوشش کی حقیقت سے دور ناقدین و غیر مقلدین تحقیقات کو پس پست ڈال دیا اور شور و غل مچایا کہ ابوؒ حنیفہؒ ایک غلامی خاندان کے فرد ہے۔ لیکن خطیب بغدادی کی تحقیق نے ان کا منھ توڑ دیا چنانچہ تہذیب الکمال میں امام صاحب کے پوتے کی زبانی ایک روایت نقل کی گئی۔

انا ابن اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان من ابناء الفارس الاحرار و الله لدما وقع علینا رق قطو لدجدی فی سنه ثمانین

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہملوگ نسل فارس ہیں واللہ کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

اسماعیل کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انکا خاندان کبھی کسی کی غلامی نہیں کی بلکہ انکا خاندان رئیس خاندان تھا۔ دولت، شان، شوکت وراثت میں ملی تھی لیکن پھر بھی مال وزر کی چمک سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ دریادلی اور فیاضی آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی وراثتی عزت کے باوجود عجز وانکساری نس نس میں بسی تھی کم گو مگر

خوشگو تھے۔ آپ اس دور میں آنکھیں کھولے جس کو تاریخ پر آشوب اور پر فتن کہتی ہے یعنی اس وقت عراق میں حجاج بن یوسف گورنر تھا اس پر فریب دور میں آپ نے تعلیم کی رغبت نہ کی اور والد کے مال سے تجارت میں لگ گئے جب ہر جانب درس و تدریس کے چرچے عام ہو گئے تو امام صاحب کا دل بھی اس کے لئے بیچین ہوا اسوقت کوفہ اسلامی علوم کا مخزن و منبع تھا چنانچہ آپ نے تجارت کو چھوڑ کر میدان درس میں شریک ہو گئے اس وقت جو علم ذہانت کا متقاضی تھا وہ علم علم کلام تھا چنانچہ آپ اس میں لگ گئے اور ایک بلند ن درجہ حاصل کئے لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا قسمت نے آپ کو اس علم سے بیزار کر دیا علم حدیث اس وقت تک کافی عروج پر پہونچ چکا تھا چنانچہ اس کی تحصیل کے لئے عنان جہد موڑلی اور اس میں بھی ایک منفرد حیثیت بنائی تاہم "محدث" کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے محدث کا لقب نہ ملنے کی وجہ سے کئی لوگوں نے آپ کو حدیث کے زمرے میں شمار نہیں کیا آج کل غیر مقلدین نے تو یہاں تک بہتان تراشی کی کہ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں نہ جانے کس بنیاد پر یہ کہتے ہیں جبکہ تمام اسلاف نے آپ کو مجتہد مانا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ اعلی درجہ کے مجتہد ہے اور مجتہد کے لئے اجتہاد کے وقت احادیث پر نظر رہنا اور اس کو محفوظ کرنا از حد ضروری اور لازم ملزوم ہے۔ اس کے بغیر وہ مجتہد نہیں کہلاتا۔ اس کے باوجود چند کوتاہ بینوں نے (جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں لیکن ہیں وہ غیر مقلد) کہا کہ امام صاحب قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں اور فقہ اسلامی میں حدیث سے کوسوں دور ہیں۔

یہ حقیقت نہیں ہے مگر یہ سچ ہے کہ امام صاحب نے قیاس کیا ہے اسی لئے آپ کو اہل الرائے میں سر فہرست گنوایا جاتا ہے۔ لیکن آپ قیاس جب کرتے جب کوئی نص موجود نہ ہوتی۔

چنانچہ امام اعظمؒ ہی سے ان کے اوپر لگائے گئے الزام کی تردید سنئے۔ فرماتے ہیں :

انا نعمل اولا بکتاب الله ثم بسنة رسول الله ما جاء عن الرسول الله ﷺ فعلی الراس والعین بابی وهو وامی و لیس لنا مخالفة (مقدمه ابن خلدون)

ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں پھر سنت رسول پر، جو ان سے ثابت ہو وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے۔

نیز اس الزام کا جواب دیتے ہوئے امام صاحب فرماتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔ بخدا اس نے افترا پردازی کی کیا حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی کوئی ضرورت ہے! بشکل خط اس تحریر کو امام صاحب نے خلیفہ وقت کے سامنے پیش کر کے دل سے بغض و کینہ صاف کر دیئے۔ پھر بھی غیر مقلدین اس بات کو ماننے کو تیار نہیں ہے اور طوطے کی رٹی زبان کہتے ہیں۔ آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں یہ سراسر ظلم ہے ناانصافی ہے کینہ ہے، بغض ہے اور کپٹ ہے۔ بات صرف سترہ حدیث کی نہیں ہے بلکہ حقیقت سے

آنکھ بند کرنا ہے۔ تاریخ لکھنے والوں نے آپ کے اساتذہ حدیث کو شمار کیا ہے وہ ایک گروہ کثیر ہے، حافظ ابن حجر ہوں کہ علامہ ذھبی ہوں سب نے آپ کو محدث مانا ہے۔ امام مالک۔ عطاء بن رباح۔ علقمہ، امام باقر علیہم الرحمۃ سے تحصیل حدیث کی ہے کثرت شیوخ بھی آپ کی خصوصیت بن گئی۔

بہر حال جو شہرت، جو عزت، اور جو مقبولیت آپ کی قسمت کے پلنے میں آئی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہے فقہ نے تو آپ کو آفتاب و ماہتاب بنا کر چھوڑا۔ پھر تحصیل حدیث کے بعد علم فقہ کی منزل کی جانب قدم بڑھائے۔ اس وقت کوفہ میں حضرت حماد فقہ کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور ان کا درس خوب شہرت پاچکا تھا چنانچہ آپ ان کے حلقہ درس میں حاضری دیتے رہے۔ اور قریباً اٹھارہ سال تک آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ کوفہ کے علاوہ حرمین و بصرہ کے اسفار بھی کئے۔ شام کی جانب اپنی سواری لے گئے۔ پھر چالیس و بیالیس سال کی عمر میں سند درس پر فائز ہوئے اور ایک کثیر جماعت نے مختلف علوم و فنون میں آپ سے بھرپور استفادہ کیا فقہ میں خصوصاً آپ کو ید طولی حاصل تھا حماد ہی کے زمانے میں آپ درجہ اجتہاد پر فائم ہو چکے تھے۔ اس زمانے کے تمام علوم و فنون پر مہارت کے باوجود آپ نے فقہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

فقہ اسلامی

عالم شباب میں ذخیرہ حدیث میں مشغول رہے اور تمام کبار تابعین اسی میں محو تھے تاہم زمانہ پر آشوب تھا۔ حدیث کے میدان میں وضع و اختراع کا بازار گرم تھا۔ جس کی وجہ سے محدثین اکرام کو صحیح و موضوع احادیث کی معرفت میں دشواری ہوتی تھی۔ امام صاحب نے بھانپ لیا کہ زمانہ بہت نازک ہے جگہ جگہ پر کانٹے اور انگارے ہیں اس لئے حدیث بہت احتیاط سے لیتے تھے۔ اور مسائل کا استخراج کرتے تھے یہ انداز استخراج کو بہت سے لوگوں نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کیوں کہ یہ لوگ حدیث کو اسی کے معنی پر محمول کرنے اور اسی حکم پر عمل پیرا ہوتے۔

امام صاحب کو اللہ نے تعمیق و گہرائی کا فن رگ رگ میں پیوست کر دیا تھا۔ آپ تحقیق کرتے اور حدیث کے گہرائی و گیرائی تک غوطہ زن ہوتے اور حدیث سے دوسرے مسائل کا استخراج کرتے تھے اسی لئے آپ کو اہل الرائے کے فہرست میں اولیت کا درجہ بھی دیا گیا۔

دوسری صدی کی ابتدائی دہائیوں کی بدحالی اور حدیث کی بدنظمی ہی نے آپ کو مجبور کیا کہ کوئی ضابطہ تیار کیا جائے جس سے آنے والی نسل بھی فیضیاب ہوتی رہے ورنہ یہ بدنظمی اور بدحالی سیلاب کی طرح باندھ توڑ کر پھیلتی رہے گی اور روکے نہ رکے گی۔ چنانچہ آپ نے ایک کمیٹی تیار کی۔ ہر فن کے مشہور و معروف علما و ائمہ کو اُرکان کے

حیثیت سے اسمیں جمع کیا تاکہ آئندہ کوئی اس کمیٹی پر انگشت نمائی نہ کر سکے اس عظیم کارنامے کا آغاز ۱۲۰ھ میں ہوا اور ۱۴۰ھ میں مکمل ایک قانون اسلامی تیار ہو گیا

آپ کی زندگی کا یہ عظیم اور منفرد کارنامہ آپ کو قانون سازی میں سر فہرست ملے گا یہ قانون قرآن و حدیث کے موافق تھا اس مین کوئی نص کے ہوتے ہوئے رائے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن آہ ثم آہ چند لوگوں کی موشگافیاں کہ فقہ حنفی قرآن وحدیث سے دور ہے اور بعض نفس پرستوں نے تو کھلم کھلا بغض کو ثابت کر دیا کہ حنفی طریقے پر جو نمازیں پڑھی گئیں وہ سر سے ادا ہی نہیں ہوئی، یہ بے سر و پا موشگافی در حقیقت نماز میں قہقہ والی حدیث کو جھٹلاتی ہے۔ بہر حال یہ تو آج کی پیدا ہوئی بے سر و پا بات ہے۔ ائمہ عظام نے فقہ حنفی جو اقرب الی النصوص ہے اس کو صحیح گردانا اور اپنا مسلک اختیار کیا اور اکثر و بیشتر سلاطین و امراء حنفی المذہب کے مقلد تھے محمود غزنوی، نور الدین زنگی فقہ حنفی کے معتقد تھے امام صاحب کی قوت فکر اتنی بلند اور قوی تھی کہ عالمی سطح پر اسلامی مملکیت میں آپ ہی کی تقلید کی جاتی تھی۔

وکیع بن جراح جیسے امام بھی امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور موجد جرح و تعدیل یحیٰ بن سعید قطان بھی امام صاحب کے پیرو تھے امام طحاوی باوجود مجتہد کہ امام صاحب کے مقلد تھے سفیان ثوری کا اکثر امام صاحب سے روایت کردہ مسائل پر عمل کرتے تھے۔ امام صاحب فقہ اسلامی کی تیاری اور اس کا انتظام ایک مسلم حقیقت ہے وقت نے امام صاحب کے ساتھ اتار چڑھاؤ کھیل کا کھیلا ہے ہم عصروں نے بھی ان کی اس کوشش کو ناپسند کرنے کی جرأت کی لیکن انکشاف حال نے دل و دماغ کو صاف کر دیا امام ابو حنیفہؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی لیکن اس پر فریب دور میں آپ کے علمی کارنامے اور علمی ذات کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے آپ کے احسانات عظیمہ کو فراموش کر کے زندگی کے اوراق کو تار تار کرنے کی جرأتیں ہو رہی ہے آپ کے علم کے روشنی کو بجھانے کی ناپاک سازشیں اور ناکام ارادیں ہو رہے ہیں مگر منظور خدا کو کون ٹال سکتا ہے۔

وہ شمع کیا بجھے روشن جسے خدا کرے

چنانچہ ابھی تک اس شمع کی کرنیں" ھدایہ "، "البحر الرائق " اور " فتح الملھم" کی شکل میں روشن ہیں اور روشن رہیں گی۔

﴿شخصیات﴾

ابوالمکارم

متعلم : کلیۃ اللغۃ دوم

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ___ ایک عظیم مجدد

عالم اسلام کے علمی حلقوں کو عرصۂ دراز سے ایک نابغہ روزگار مفکر اور پابند نصوص مجتہد کی ضرورت تھی جو فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے جن کا خود علم کلام پر پورا اثر پڑ چکا ہو آنکھیں ملا کر بات کر سکیں قرآن پر اس کا اس طرح ایمان ہو جس طرح نازل ہوا خدا تعالیٰ کے تمام صفات و افعال کو وہ بغیر تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتا ہو جیسا وہ خود اس کے بارے میں فرماتے ہیں اور ان کے حقائق کی ایسی تفسیر کرتے ہوں جن کے ایک طرف دلائل شرعی مؤید ہوں، دوسری طرف عقل و منطق بھی ان کو تسلیم کرتے ہوں بارہ ویں صدی ہجری میں ایسے وقت میں ایک متبحر عالم کی امت کو سخت ضرورت تھی جو ان تمام خصوصیات کا حامل ہو، آخر وہ وقت آگیا کہ ایسے نازک حالات میں ۱۷۰۲ء میں شیخ عبدالرحیم کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا جن کے علم و کمال کو دیکھ کر بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اپنی ایمان کی تجدید بھی کی وہ شاہ ولی اللہ ہی کی ذات تھی (تاریخ دعوت و عزیمت ۱۶۳)

بارہ ویں صدی ہجری میں پورے اعتماد کیساتھ جن کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے وہ محدثِ جلیل نازش وطن فخر چمن شاہ ولی اللہ ہیں، شاہ صاحب عقائد اسلامیہ، بلکہ تمام علوم و افکار اسلامیہ کی تشریح و تفہیم اور اس کو سلف کے فہم و مسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، انہوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ فرمایا تھا اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے تھا، دوسری طرف وہ قرآن کریم کے دقیق النظر مفسر علم حدیث کا ماہر اور مقاصد شریعت کے راز دار تھے، آپ نے حدیث کی ترویج و اشاعت درس حدیث کے احیاء فن حدیث کے ساتھ اعتناء اور اس موضوع پر اپنی محققانہ و مبصرانہ تصانیف کے ذریعے ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے صحیفۂ تجدید اور کتاب زندگی کا ایک اہم روشن باب ہے،

(تاریخ دعوت و عزیمت ر ۱۶۹)

حضرت شاہ صاحب عظیم مجدد

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات سے نوازا تھا، وہ متوازن اور معتدل مسلک کے حامل تھے، اور ان کی فکر ایک نقطہ اعتدال ہے، جو انہوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا ہے جو ان کی طبع سلیم ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے (تاریخ دعوت وعزیمت ۴/۲۰۴)

شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح امت دین کی فہم صحیح احیاء علوم نبوت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصر ہی نہیں بلکہ دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے، اس کی وجہ (توفیق اور تقدیر الٰہی کے ماسوا) اس عہد کے حالات کا تقاضہ بھی ہو سکتا ہے جو شاہ صاحب کے حصہ میں آیا اور وہ جامعیت علوئے ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحب کے خصائص میں سے ہے۔ ان سب کا نتیجہ یہ تھا کہ شاہ صاحب نے علم و عمل کے کئی ایسی میدان میں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دیا کے ان کے سوانح نگار اور اسلام کے تاریخ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والوں کے لئے انکا احتوا اور ان سب کا تفصیلی اور تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہو گیا، اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ شکوہ سنج ہو جاتی ہے۔

دامانِ نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو زداماں گلہ دار

اصلاح عقائد اور دعوت الی القرآن

سب سے پہلے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے پہلو کو لیتے ہیں کہ تجدید دین اور اصلاح امت کی ہی نقطۂ آغاز اس کے بغیر احیاء دین و ملت کی جو کوشش کی جائے گی وہ نقش بر آب اور عمارت بے آس ہو گی قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات و مقالات سے اور مستند تاریخ نے نائبین انبیاء اور علماء ربانین کے طرز عمل اور تربیت کار سے اسی حقیقت کو ثابت کیا ہے اور قیامت تک یہ ہر اس اصلاح و تجدید کا دستور العمل رہے گا جس کا مزاج نبوی اور جس کا نظام قرآنی ہو گا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ۴/۱۳۲)

شاہ صاحب نے سفر حجاز کے پانچ سال بعد اصلاح عقائد کی کوششوں کے ساتھ جو خصوصی طور پر درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ سے ہو رہی تھی، یہ فیصلہ کیا کہ ہدایت عام، اصلاح عقائد بھی اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کے لئے قرآن کریم کی ہدایت و تعلیمات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا اس فیصلہ کے بعد شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ پر توجہ فرمائی، فارسی زبان میں ترجمہ کیا

اور اس کی اشاعت فرمائی اس کے محرکات اور اسباب اور اس اقدام کی تاریخ تفسیر فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں موجود ہے ملاحظہ فرمائے، یہ زمانہ جس میں ہملوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی یہ تقاضا کرتی ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ سلیس اور بامحاورہ فارسی زبان میں کیا جائے تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور تمام حضرات معانیٔ قرآن کا ادراک کر سکیں اسلئے اس اہم کام کا داعیہ حضرت والا کے دل میں پیدا ہوا شاہ ولی اللہ واحد ذات ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کے یہ حالات کو دیکھ کر قرآن کریم کے عربی ترجمہ سے فارسی میں منتقل کیا پہلے کے تمام تراجم پر غور کیا گیا تاکہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے، اس کی ترویج کی جائے، حضرت والا نے اس میں یہ بھی خیال کیا کہ یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق سلیم کے مطابق ہو بہر کیف اسی عرصہ میں سورہ بقرہ، ونساء، کا ترجمہ ہو گیا اس کے بعد شاہ صاحب کا سفر حرمین کا اتفاق ہوا اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا کئی سال کے بعد ایک عزیز نے ترجمہ قرآن پڑھنا شروع کیا اور یہ کام اس گذشتہ عزم کا محرک بن گیا اور یہ فیصلہ کیا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ لیا جائے جب ثلث قرآن تک ترجمہ ہو گیا تو ان عزیز کو سفر پیش آگیا اور ترجمہ پھر موقوف ہو گیا، پھر ایک مدت کے بعد ایک تقریب پیش آئی جس سے پرانا خیال تازہ ہو گیا اور ثلث سے لیکر اخیر تک ترجمہ ہو گیا آپ نے بعض حضرات کو مسودہ صاف کرنے کا حکم دیا اور ان سے یہ کہا گیا کہ اس کے ساتھ قرآن کریم کی عبارت بھی لکھ دیں تاکہ مستقل نسخہ تیار ہو جائے ان سعادتمند حضرات نے عیدالاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے تبییض شروع کی اس کے بعد اس عزم کی تحریک شروع ہوئی اور اوائل شعبان میں تسوید کی بھی تکمیل ہو گئی اور ۱۱۵۶ھ میں اس کتاب کی ترویج ہوئی اور باضابطہ اس کا درس شروع ہوا اور اس کے متعدد نسخہ تیار ہو گئے

(تاریخ دعوت وعزیمت ۱۴۵/۵)

حضرت شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمٰن، اور الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے علاوہ، اصول ترجمہ پر بھی ایک مقدمہ لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ و محققانہ ہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلے میں قرآن مجید کے ترجمہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایک عالم و محقق کے انداز سے اس کا لاحقیقت پسندانہ جائزہ لیا عقیدۂ توحید ملت ابراہیمی کا سب سے بڑا شعار اور حضرت ابراہیم کی دعوت اور جد و جہد کا سب سے بڑا مقصد، خاتم الرسل ﷺ کی دعوت کی بنیاد اور ابتداء اور انتہا تھی سارا قرآن اور احادیث کا دفتر اور سیرت نبوی ﷺ اس پر شاہد ہے آپ نے توحید و شرک کے درمیان ایسا خطِ امتیاز کھینچا توحید کی حقیقیت کو اس طرح عیاں کہ کیا شرک کے ادنیٰ سے ادنی شائبہ اور ہلکی سے ہلکی پرچھائیں کے خلاف ایسا جہاد کیا، کہ امت مسلمہ کے عقائد میں شرک کے داخل ہونے اور عقائد میں فتور واقع ہونے کے ذرائع کا ایسا سد باب کیا کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ۱۵۴)

علم حدیث کے میدان میں تجدیدی خدمات

شاہ صاحب کی کوششوں سے کتب اربعہ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی شریف کو تحقیق کیساتھ پڑھائے جانے کا ہندوستان میں رواج پیدا ہوا جواب بھی عرب ممالک میں مفقود ہے شروح حدیث کا دور شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک عظیم ترین کتبخانہ تیار ہو گیا جس کی مثال ممالک عربیہ میں بھی نظر نہیں آتی کتب حدیث کے تراجم کئے۔ جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دانوں کو بیش بہاء فائدہ پہونچااور عمل کی تحریک اور اتباعِ سنت کا شوق پیدا ہوا، اور ہندوستان فنِ حدیث کا ایک بڑا مرکز بن گیااور انہیں کی جہد مسلسل اور پیہم کوششوں کیوجہ سے آج علم حدیث پر بہت اونچے پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے ان تجدیدی کارناموں کو دیکھ کر مصر کے جلیل القدر علامہ سید رشید رضا مصری "مدیر المنار" کو یہ کہنا پڑا اگر ہمارے بھائی علماء ہندوستان نے اس زمانے میں علم حدیث کیساتھ اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر اس کا زوال ہو چکا تھا اس لئے کہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف پیدا ہو چکا تھا جو اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہونچ گیا،

شاہ صاحب نے اس علم کیساتھ اشتغال پھر اس کی نشر واشاعت کی سرگرمیاں اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں پوری کی پوری وقف کر دیں (تاریخ دعوت وعزیمت ر ۱۸۲)

شاہ صاحب جب اپنے استاذ شیخ ابو طاہر مدنیؒ سے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ الا طریقا یؤدینی لربعکم،

میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہونچتا ہے

شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے وہ حدیث شریف ہی کی تشریح و تفہیم تدریس و تعلیم اور اشاعت و تعمیم میں مصروف رہے۔

بقول شاعر

جو تجھے بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

وہ حدیث کی نشر واشاعت کے لئے کمر بستہ ہو گئے، اور بہت جلد ہی انکا مدرسہ، مدرسہ رحیمیہ ہندوستان کے طول و عرض میں حدیث کی سب سے بڑی درسگاہ بن گئی جہاں ہندوستان کے گوشے گوشے سے تشنگان علم حدیث پروانہ وار وہاں پہنچنے لگے ان مقامات میں سندھ، کشمیر، جیسے دور دراز مقامات بھی تھے دہلی اور اس کے اطراف اور شمالی ہند کا تو کچھ کہنا ہی نہیں، اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد علم حدیث کا ایسا چرچا شاہ صاحبؒ

کے علمی کارناموں کی بنیاد پر ہوا کہ لوگ اس کی طرف ایسے رجوع ہوئے کہ ہندوستان یمن کا ہمسر بن گیا۔ حتی کہ اس کے جانفزاں جھونکے خود سرزمین حجاز، تک پہونچنے لگے۔

غرض۔ شاہ صاحب نے مختلف میدانوں میں تجدیدی کارنامے انجام دیئے، جن کا دائرہ ہندوستان سے بیرون تک پہونچا، اللہ ان کو ساری امت کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے آمین

☆☆☆

عبد الوحید
معلم کلیۃ الدعوۃ دوم

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
ایک نابغہ روزگار شخصیت

ہندوستان کی زمین ہر دور میں مردم خیز رہی ہے، اور یہاں ہر زمانہ میں علماء، صلحاء، اولیاء اتقیاء، بڑی تعداد میں پیدا ہوئے جن کی ذات سے بلا امتیاز مذہب وملت تمام باشندگان ملک مستفیض ہوئے، اور ان کی ذات بیش بہا علمی دینی اور سماجی خدمات کا ذریعہ بنی، انہی نابغہ روزگار ہستیوں میں حضر مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی ذات گرامی بھی تھی جن کا شمار ان ممتاز علماء کرام میں ہوا جن کے علم و فضل اور دینی و علمی خدمات پر اہلِ علم کو ناز ہے، اس ایک حبر کبیر نے تن تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظّم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے اور اب ان جیسا آدمی شاید صدیوں میں بھی پیدا نہ ہو، وہ بیک وقت معقولات کے دقیق النظر اور کامل الفن عالم، وسیع النظر محدث، نکتہ شناس اور نکتہ آفریں مفسر، بالغ نظر فقیہ، بصیرت مند متکلم، وسیع النظر مورخ، سیال قلم مصنف، سحر البیان مقرر، کامیاب و علم آموز استاد مدرس، حقیقت پسند و باخبر عالم دین اور عصر حاضر اور نسل جدید کے نبض شناس اور ان سب کے ساتھ درد مند و پر محبت اور عشق رسول، حمیت اسلام اور درد و سوز سے بھرا ہوا دل رکھنے والے عالم تھے، فارسی اور اردو کا یکساں مذاق رکھتے تھے شعر و شاعری کا ذوق اور سخن شناسی و سخن سنجی دونوں سے وافر حصہ ملا تھا، غرض وہ ہندوستان کی اس گذشتہ تہذیب و ثقافت کی یادگار تھے جو ہندوستان کو مسلمانوں کی آمد سے ملی تھی اور جو ورثہ کے طور پر مسلسل آٹھ سو سال تک یہاں نسلا بعد نسل نقل ہوتی رہی تھی۔

ولادت

مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنے ننھیال موضع استھانواں ضلع پٹنہ میں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے پرورش و پرداخت کا اکثر حصہ گیلان ہی میں گذرا گیلان سے آپ کو بے انتہا انس و محبت تھی، آپکی پیدائش سے قبل آپ کے دادا کا انتقال ہو چکا تھا، چچا حکیم ابو نصر صاحب اور والد بزرگوار حافظ ابو الخیر کے زیر سایہ آپ کی

پرورش ہوئی، آپ کی والدہ بھی ایک دیندار خاتون تھیں، چچا کے کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی توجہ اس ہونہار بھتیجے (مناظر احسن) پر مرکوز تھی کہ کس طرح یہ خاندان کی عظمت و عزت کا نشان بن جائے اور وادا کی خالی مسند اس سے رونق پذیر ہو،

تعلیم وتربیت

پانچ چھ سال کی عمر میں چچا مرحوم نے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ بسم اللہ کرائی، ابتدائی تعلیم قرآن، اردو فارسی اور عربی صرف نحو کی کتابوں کا اکثر حصہ خود چچا نے گیلان ہی میں پڑھائیں، ابتدائی عربی کی کتابیں جب مکمل ہو گئیں تو ان کی ذہن سازی کے لئے بہار سے راجپوتانہ کے علاقہ ٹونک پہنچادئے گئے اس وقت آپ اپنی عمر کے چودھویں سال میں تھے، مولانا گیلانی نے ٹونک کے اسی مدرسہ خلیلیہ میں جم کر سات سال تعلیم حاصل کی اور خصوصیت سے معقولات کی کتابیں کافی انہماک اور شوق سے پڑھیں مولانا کا خود بیان ہے کہ منطق کی کچھ کتابیں گو پڑھ چکا تھا لیکن مولانا برکات احمد صاحب نے غیر معمولی شفقت اور توجہ کی وجہ سے اس فن کے ابتدائی رسالہ ایسا غوجی سے پڑھانا شروع کیا، (رسالہ دارالعلوم دیوبند ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ)

ٹونک میں مولانا برکات احمد صاحب سے مولانا گیلانی نے ابتدا سے لیکر انتہا تک یعنی شرح اشارات تک معقولات کی تمام کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھیں، بقیہ دوسرے فنون کی کتابیں دوسرے استاذ کی خدمت میں اسی مدرسہ میں رہ کر پڑھیں۔

بغرض تحصیل حدیث دارالعلوم دیوبند کے لئے روانگی

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس زمانہ میں علم حدیث کا شیخ الہند سے بڑھ کر کوئی دوسرا استاذ ہندوستان میں نہ تھا اور نہ دارالعلوم دیوبند کا سا کوئی مدرسہ تھا، جہاں ملک کے کونے کونے سے طلبہ تو آتے ہی تھے بیرون ملک سے بھی حدیث پڑھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، علوم دینیہ کی درس و تدریس کے اعتبار سے دارالعلوم کا دور شباب تھا، بہر حال مولانا گیلانی علم حدیث کی تحصیل کی غرض سے دارالعلوم روانہ ہو گئے، بقول مولانا مرحوم

"رمضان بعد حسب طلبی خاکسار گھر سے تن تنہا روانہ ہوا کچھ نہیں جانتا تھا جس ماحول میں شریک ہونے جارہا ہوں، وہاں کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس ماحول سے مناسبت پیدا ہو گی یا نہیں" آج کی سی سہولت نہیں تھی، گیلانی سے اپنے اسٹیشن شنجھورہ پیدل چل کر آنا پڑا ہو گا جو دس پندرہ میل سے کم نہیں یہاں سے گیا، گیا سے سہارنپور اور سہارنپور سے دیوبند پہونچے، علامہ حضرت کشمیریؒ نے آپ کا امتحان داخلہ لیا، اچھی استعداد پاکر چند جملے فرمادئے بس اسی وقت سے آپ کی استعداد کی پوری تعریف ہونے لگی، پھر جب

بعض منفی خیالات اور شکوک و شبہات کا زور ہوا اور آپ کو اپنے دین و ایمان کی فکر دامن گیر ہوئی تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی نے باطنی توجہ ڈالی جس سے آپ کی دنیا بدل گئی،

آپ کے اساتذۂ حدیث

آپ نے دورہ حدیث کا سب سے پہلا سبق حضرت شاہ صاحب سے مسلم شریف کا پڑھا، بخاری شریف کا سبق صدر المدرسین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانیؒ نے شروع کرایا، حدیث کی چوتھی اہم کتاب ابو داؤد شریف دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے شروع فرمائی، موطا امام محمد اور موطا امام مالک آپ نے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی سے اور ابن ماجہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب سے اور نسائی شریف حضرت مولانا سید احمد حسین مدنیؒ سے پڑھی ترمذی شریف حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھی، دورہ کے سال دو مزید کتابیں سراجی مولانا، گل محمد خان اور ہدایہ آخرین مولانا، حکیم محمد حسن صاحب سے آپ نے اور پڑھیں،

سالانہ نتیجہ

سالانہ امتحان میں آپ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے اور فرسٹ ڈویزن میں تیسری پوزیشن حاصل کی مجموعی ۵۰۰ میں سے آپ نے ۴۸۳ نمبرات حاصل کئے۔

معاش کی تلاش

مدرسہ کی زندگی جب ختم ہو جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک چوراہے پر کھڑا ہے، جہاں سے ہر طرف راستے جاتے ہیں دنیا کے سرد و گرم اور نشیب و فراز سے انسان قطعاً ناواقف ہوتا ہے، مختلف کاموں کا خیال آتا ہے مگر کسی پر دل نہیں جمتا، اسی طرح مولانا گیلانی کی طالبعلمی جب ختم ہو چکی تو وہ بھی اسی فکر میں پڑ گئے کہ کونسی راہ اختیار کی جائے، کافی غور و فکر کے بعد مولانا نے ٹونک کا سفر کیا جہاں انہوں نے مدرسہ خلیلیہ کے کتب خانے میں صرف پانچ روپیہ ماہوار (اور بعد میں اسی مدرسہ میں ۲۰ روپیہ ماہوار) پر خدمت انجام دی، لیکن مولانا کافی ذہین تھے انکو اپنی صلاحیت و استعداد پر بھروسہ تھا اور جوانی کا حوصلہ بھی تھا، مولانا نے اپنے مستقبل کو درخشاں اور تابناک بنانے کے لئے سوچا کہ کچھ اور تجربات کئے جائیں ذہن میں ٹونک کے بعد فوراً حیدر آباد کا نام آیا جہاں میر عثمان علی خان کی حکومت تھی وہاں علماء اور علم نوازی دونوں تھی اس خیال نے رفتہ رفتہ فیصلہ کی صورت اختیار کر لی اور آپ حیدر آباد پہونچ گئے، یہاں پہونچ کر مولانا پھر ذہنی کشمکش کا شکار ہو گئے اور بڑی الجھن میں پھنس گئے وہاں کی رنگینیوں میں آپ کی طبیعت نہ لگی پھر دیوبند واپس آگئے اور وہاں کچھ دنوں تک خدمات انجام دیں، لیکن اللہ تعالیٰ

نے اسی سرزمین حیدر آباد کو آپ کے درس و تدریس اور فیضان عام کے لئے لکھ دیا تھا۔

قیام حیدر آباد

قدرت حضرت مولانا گیلانی سے ایک خاص انداز کی علمی خدمت لینا چاہتی تھی، کلکتہ کا ہنگامہ اس کا ذریعہ بنا، اور وہ براستہ حیدر آباد دیوبند کے لئے ہی روانہ ہوئے تھے کہ راستے میں عید الاضحی کا چاند نظر آگیا اور تقدیر نے حیدر آباد اترنے پر مجبور کر دیا، یہ وہی حیدر آباد ہے جس سے ڈیڑھ سال پہلے دامن جھٹک کر دیوبند چلے گئے تھے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام

حیدر آباد میں سب سے نمایاں سرکاری مدرسہ دار العلوم کے نام سے قائم تھا اس وقت اس کے پرنسپل حضرت مولانا حمید الدین فراحی تھے یہی دار العلوم مولانا حمید الدین فراحی کی تحریک و تخیل اور بابائے اردو مولانا عبد الحق اور دوسرے لوگوں کی کوششوں سے عثمانیہ یونیورسٹی میں تبدیل ہوا، اگست ۱۹۱۹ء میں اس کی داغ بیل ڈالی گئی نواب عثمان علی خاں والی حیدر آباد کے نام پر اس کا نام تجویز ہوا، مولانا گیلانی رقمطراز ہیں۔

"ربع صدی سے زیادہ مدت کے اس عرصہ میں کیا کیا دیکھا کیا کیا سنا کن حالات سے گذرا، عثمانیہ یونیورسٹی میرے سامنے حیدر آباد میں کس طرح قائم ہوئی، استادوں کی پہلی کھیپ میں شریک ہو کر اس عجیب و غریب تعلیم گاہ میں ہم کیسے داخل ہوئے، یونیورسٹی کے اندر اور باہر جو کچھ پیش آیا تھا اس کو دکھانے والا کیا کچھ بنا کر دکھاتا رہا اب یہ داستان ماضی ہو چکی، ورنہ یہ سینۂ روزگار کے جن اسرار کا گنجینہ بنا ہوا ہے، اب اس کو کرید کر کیا کیجئے گا، روشنی بھی دیکھی اور تاریکی بھی، فراز بھی سامنے آیا اور نشیب بھی چڑھا بھی اور گرا بھی"

(رسالہ دار العلوم دیوبند ۱۹۵۵ء ص، ۴۵)

عثمانیہ یونیورسٹی میں علمی اور دینی خدمات

مولانا گیلانی کے ایک شاگرد رشید غلام محمد بی۔اے۔ رقمطراز ہیں

"بات یہ ہوئی کہ ان دنوں جامعہ عثمانیہ کی روز افزوں وسعت و ترقی کے ساتھ شعبۂ دینیات میں ایک ٹھوس عالم کی شدید ضرورت تھی اتفاقاً ۱۹۱۹ء میں مولانا گیلانی کا حیدر آباد آنا ہوا، اور یہاں حمید الدین فراحی سے ملاقات ہوئی، علامہ فراحی اس جوہر قابل کو پہچان گئے انہوں نے خواہش کی کہ وہ لکچری کے لئے جامعہ میں درخواست دیں اور بعض حضرات دیوبند نے اس کی تائید فرمائی تو مولانا کو اسے منظور کرنا پڑا اور ۱۹۲۰ء میں بحیثیت لکچرر "دینیات لازم" جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہو گئے، پھر عرصہ کے بعد شعبۂ

دینیات میں منتقل ہوگئے پھر ریڈر رہے اور پروفیسر ہوئے، وہ شعبہ کی جان تھے اور شعبہ دینیات ان کا مجسم ارمان" (مقدمہ مقالات احسانی ص، ۷)

عثمانیہ یونیورسٹی میں مولانا کی امتیازی حیثیت

حیدر آباد میں جو اہلِ علم کی دو اہم مجلسیں تھیں ایک فضیلت جنگ حضرت مولانا انوار اللہ خان صاحب مدار المہام اور دوسری یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد پیش کار وزیر اعظم کی، دونوں میں وہاں کے علماء کے سامنے مولانا کی تقریریں قیام یونیورسٹی سے پہلے ہو چکی تھیں، اور علوام و خواص میں کافی مقبول تھے، اس لئے عثمانیہ یونیورسٹی میں کسی استاذ سے اپنے فن میں پیچھے نہیں تھے، بحیثیت استاذ جب لکچر دینے لگتے تو طلبہ کی بھیڑ جمع ہو جاتی، ہندو طلبہ بھی کھینچ کر آجاتے، اور جامعہ کے ہونہار طلبہ لکچر سننے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے ایک شاگرد نے بہت درست لکھا ہے کہ :

"حضرت مولانا گیلانی پر مولیٰ کے کرم کی خاص نشانی تھی، پیدائش کے اعتبار سے قصبائی مگر شہرت کے اعتبار سے عالمی، قد و قامت کے مختصر مگر فکر و نظر کے ناپیدا کنار سمندر، علم و بصیرت کے یگانہ مگر عام امور زندگی سے بیگانہ دماغ کے زیرک، مگر دل کے دیوانے ہوشیاری و مستی کا سنگم، میدان تقریر کے شہسوار اور تحریر کے سید القلم

(تذکرہ شاہ ولی اللہ ص، ۳)

استاذی اوصاف

درس و تدریس کے لئے جو چیزیں شرط ہیں وہ مولانا میں بدرجہ اتم موجود تھیں، اخلاص، طلبہ سے ہمدردی و شفقت، مطالعہ کی وسعت و گہرائی، انداز بیان کی ندرت، اور اثر اندازی، علمی وقار، ماحول اور تقاضائے زمانہ پر نظر، جب بولنے پر آتے تو مسلسل بولتے جاتے، معلوم ہوتا علم و تحقیق کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے ان کی باتوں سے یہ احساس نہیں ہونے پاتا تھا کہ کوئی شخص علم کے فلک چہارم سے اہل زمین کو خطاب کر رہا ہے یا کوئی عالم نشستگاہ تصور کر کے سامعین کو درس دے رہا ہے، یہی وجہ تھی کہ مولانا نے بہت جلد یونیورسٹی کے علاوہ شہر حیدر آباد میں بھی ایک امتیازی مقام پیدا کر لیا۔

مطالعہ کی کرشمہ سازی

مولانا گیلانی کا ذہن رسا تھا، مطالعہ سے قلبی شغف تھا، حافظہ قوی رکھتے تھے ہر وقت علم و فن میں غرق رہا کرتے، کتب بینی کے ذوق نے آپ کے دماغ میں بہت سارا مواد جمع کر رکھا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور تاریخ اسلام مولانا کا خاص موضوع تھا، افادہ اور استفادہ سے حتی الوسع کوئی لمحہ خالی نہ ہوتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ مولانا کا دل اس قدر صاف اور بے غل و غش تھا کہ کبھی اپنی بڑائی کا شائبہ بھی نہیں پایا گیا، اپنے چھوٹوں کو خوب

ابھارتے ان کی حوصلہ افزائی کرتے، حتی کہ کبھی کبھی اگر وہ نا سمجھ ہوتا تو بے جا تعلی میں مبتلا ہو جاتا، مولانا گیلانی نے اپنے تلامذہ کو تیار کرنے اور ان میں اسلامیات کا ذوق پیدا کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کیں، اور اس راستہ سے بڑی اہم علمی خدمات انجام دیں جو شاید جامعہ عثمانیہ سے علحدہ رہ کر انجام نہیں دیئے جاسکتے تھے، "جزاہ اللہ خیر الجزاء"

ریٹائرمنٹ

ملازمت کا جب اخیر زمانہ آگیا تو مولانا گیلانی نے سید صاحب کی خدمت میں لکھا کہ:

"آخر وہ گھڑی آہی گئی جس کا تیس سال پہلے سے انتظار تھا در میان میں سبکدوشی یا گلو خلاصی کی کوشش بھی گئی لیکن مصلحت الٰہی نے کامیاب نہیں ہونے دیا ۳۱ مارچ ۱۹۴۹ء بعد نماز ظہر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات کی صدارت کا جائزہ دے دیا، دو تین دن بعد اسی گاؤں کی طرف واپسی کا ارادہ ہے جس سے تقریباً نصف صدی پہلے روانہ ہوا تھا۔

(مکتوب ۱۴ر اپریل ۱۹۴۹ء)

گیلان واپسی

ریٹائر ہونے کے بعد مولانا اپنے وطن گیلان ضلع پٹنہ تشریف لے گئے اور مستقل طور پر یہیں قیام پذیر ہو گئے اپنی بیٹھک میں لکھنے پڑھنے کا سامان فراہم کرایا، اس مدت قیام میں حکیم الاسلام۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے اصرار پر سوانح قاسمی کی تالیف کی ذمہ داری قبول فرمائی تدوین حدیث کا سلسلہ بھی جاری تھا مگر انہماک سوانح قاسمی کے ساتھ تھا، بڑھاپے نے مولانا کو لاغر اور کمزور کر دیا پھر اس پر تنفس کے مرض نے نڈھال کر دیا اس زمانہ میں سوانح قاسمی کی تین جلدیں آپ نے کئی سو صفحات میں لکھیں، تدوین حدیث کی بھی تکمیل کی، ۱۹۵۳ء میں مولانا گیلانی پر دل کا حملہ ہوا پھر اس نے مستقل مرض کی شکل اختیار کر لی مارچ ۱۹۵۴ء میں دل کا سخت دورہ پڑا، گھر والوں نے پوری جانفشانی سے علاج کرایا پٹنہ اسپتال لائے گئے جب ذرا اطمینان ہوا تو گھر تشریف لے آئے، ۱۹۵۶ء میں مولانا کافی نحیف و کمزور ہو گئے دونوں پاؤں پر سوجن کے آثار آگئے، قضاء وقدر کا فیصلہ ہو گیا، اور ۵ جون ۱۹۵۶ء مطابق ۲۵ر شوال ۱۳۷۵ھ بوقت سات بے صبح داعئ اجل کو لبیک کہا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، بعد نماز ظہر نماز جنازہ ادا کی گئی، ممتاز عالم دین حضرت مولانا سید فصیح احمد استھانویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے، "انا للہ و انا الیہ راجعون"

تصانیف پر ایک نظر

کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا گیلانی میں بہت ساری خوبیاں جمع کر دی تھیں، جہاں وہ درس و تدریس

میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور تقریر میں شہرت کے مالک تھے وہیں مولانا تحریر کے بھی بادشاہ تھے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ آپ کو سلطان القلم لکھا کرتے، تحریر کا ذوق طالبعلمی کے زمانے سے تھا چنانچہ دارالعلوم میں قیام کا پہلا ہی سال تھا اور دورہ حدیث میں ابھی داخل ہی تھے شیخ الہندؒ نے ایک دن اپنے عزیز شاگرد سے فرمائش کی کہ جب تم لکھنے پڑھنے کا ذوق رکھتے ہو تو دارالعلوم کے رسالہ القاسم کے لئے مضمون کیوں نہیں لکھتے '

خشک نگاری سے پرہیز

مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

"کچھ تو مولانا گیلانی کی افتاد طبع اور شاید خاندانی لینت و رفق اور کچھ جامعہ عثمانیہ کے طویل تعلق اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور نئی نسل کے مسلسل سابقہ نے مولانا کی تحریر و تعبیر میں جدید ذہن کی رعایت اور دینی حقائق کے بیان کرنے میں حکمت و تدریج کا پہلو غالب کر دیا تھا اپنے عقائد و خیالات میں پورے راسخ اور متصلب تھے لیکن اپنے طرز بحث اور طرز تحقیق واستدلال میں بالکل عصری" (پرانے چراغ ص ۸۵)

وسعت معلومات اور رسوخ فی العلم

مولانا کی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ معلوم ہوگی، مولانا علی میاںؒ کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ وسعت نظر، وسعت مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت ممالک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے (والغیب عند اللہ) تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں، انہوں نے کتابوں میں جو مواد جمع کر دیا ہے وہ بیسوں آدمیوں کو مصنف و محقق بنا سکتا ہے (پرانے چراغ/۸۵)

تصنیفات و تالیفات

مولانا گیلانی نے بہت کچھ لکھا مگر بہت سارے مسودات شائع نہ ہو سکے اب تک جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کی فہرست یہ ہیں،

(۱) حضرت ابو ذر غفاریؓ (۲) ایک ہندوستانی صحابی (۳) اسلامی معاشیات (۴) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت دو جلدیں (۵) تدوین قرآن (۶) تدوین حدیث (۷) تدوین فقہ (۸) مقالات احسانی (۹) الدین القیم (۱۰) النبی الخاتم (۱۱) ہزار سال پہلے (۱۲) مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (۱۳) تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۴) کائنات روحانی (۱۵) سوانح قاسمی تین جلدیں (۱۶) امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی (۱۷) تذکیر بسورۃ الکہف وغیرہ۔

مولانا علی میاں کی شہادت

دراصل مولانا گیلانی کا سارا توسع طرز تحریر اور طریقہ تفہیم میں تھا، ان کی کتابیں اور مضامین نئے اسلوب میں لکھے گئے ہیں، اور کہیں کہیں تو وہ اپنی کتاب میں تاریخی مواد اس طریقہ اور ترتیب سے پیش کرتے ہیں اور اپنے دعویٰ کو ایسے علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک قدیم مدرسہ کے فاضل اور ایک فقیہ و محدث ظاہر ہونے کے بجائے عصر حاضر کے مصنف اور اجتماعیات و علوم عمرانیہ کے فاضل معلوم ہوتے ہیں، مولانا کی اسی جامعیت نے انکو اپنے معاصر علماء میں ایک امتیاز بخشا تھا، اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو ان کی تصنیفات کا گرویدہ بنادیا تھا،

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق (پرانے چراغ ر ۸۸)

حاصلِ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا گیلانی کے اندر بہت سے صفات و کمالات کو جمع فرمادیا تھا۔ وہ قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج تھے، مولانا گیلانی نے علم وادب اور شعور و آگہی کے اس شہر حیدر آباد میں اپنی زندگی کے جو ایام گذارے ہیں وہ حیدر آباد والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان تھا، یہاں علم و حکمت کی جو نئی فضا تخلیق ہوئی اس میں مولانا گیلانی کا بنیادی حصہ ہے، مولانا گیلانی نے قیام عثمانیہ کے دوران تصنیف و تالیف کی شکل میں ایک لمبی فہرست چھوڑی ہے جو اہلِ حیدر آباد کے لئے ایک قیمتی علمی ورثہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تصانیف سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے اور اس کی نشر واشاعت پر بھرپور توجہ دی جائے۔

☆☆☆

عبدالوہاب
متعلم : ہفتم عربی

نظام ہفتم میر عثمان علی خان
شخصیت اور کارنامے

شہنشاہ عالمگیر کی موت دراصل سلطنت مغلیہ کی موت کا پیغام تھی، ان کی موت کے ساتھ ہی مغل دربار کے جاہ جلال میں فرق آنے لگا، تیموری خاندان کے شہزادے باری باری تخت پر قدم رکھتے گئے، مگر نظام الملک آصف جاہ جیسے خیر خواہ و دور اندیش صوبہ دار نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے جرأت مندانہ قدم اٹھایا اور فورا تخت مغلیہ کی خدمت و مدد کے لئے کمر بستہ ہو گیا، لیکن ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو کچھ کرنے والوں کو بہت سی سازشوں کا شکار بنا دیتے ہیں حالات نے وہ ناگوار صورت اختیار کرلی کہ نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر پایہ تخت دہلی میں رہ کر دربار اور مرکزی حکومت کی کچھ بھی خدمت نہ کر سکتے تھے انہوں نے اپنی بصیرت و بصارت سے بھانپ لیا کہ سلطنت مغلیہ اپنے روز افزوں تنزل کے سبب آخر ایک دن معدوم ہو جائے گی، ان ناگفتہ بہ حالات میں ان کو احساس ابھرا کہ کم از کم اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت اور مفادات کا انتظام و انصرام ضروری ہے، چنانچہ ان فرائض کی تکمیل کی خاطر وہ دکن آگئے اور یہاں خود مختاری اختیار کرتے ہوئے ایک نئی آزاد اسلامی حکومت "دولتِ آصفیہ" کا سنگ بنیاد رکھ دیا، گویا یہ دکن میں مغل سلطنت اور اسلامی اقتدار کے وجود و بقاء کی تنظیم جدید تھی،

"نظام ہفتم میر عثمان علی خان" ان کی ساتویں پشت میں ہوئے ہیں ان کی ذات بابرکت میں وہ تمام صفات و خصوصیات موروثی طور پر ودیعت کردی گئیتھیں جو ان کے اجداد کرام کو خزانۂ قدرت سے عطا ہوئی تھیں،

آصف جاہ اول سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین قطب دکنؒ کے مرید تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آصف جاہ اول حضرت نظام الدینؒ کی باریابی حاصل کرنے کے لئے اس وقت ان کے پاس پہنچے کہ دستر خوان پر کلچے رکھے ہوئے تھے حضرت نے اسی کو ان کی خدمت میں پیش کیا، اس موقع پر حضرت قطب دکنؒ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ آپ کی سات پشت دکن پر حکومت کرے گی، جو بالکل صحیح ثابت ہوئی اور ۲۲۴ سال تک آصف جاہی بادشاہوں نے سلطنتِ حیدرآباد پر حکمرانی کی،

ولادت

نظام ہفتم کی ولادت، یکم رجب ۱۳۰۲ھ م ۵/اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی، امۃ الزہریٰ سے دولتِ آصفیہ کے آخری بے نظیر سلطان نے پرانی حویلی میں آنکھ کھولی، پرانے مشرقی طرز پر تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، عربی، فارسی، انگریزی، اردو کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، نظام ہفتم زبان و قلم دونوں پر حاوی تھے نثر و نظم دونوں میں کمال حاصل تھا، شاعری آپ کو ورثہ میں ملی تھی، آپ نے استاد جلیل کی شاگردی اختیار کی اور اپنا تخلص عثمان رکھا،

۱۹۱۰ء میں نواب جہانگیر جنگ بہادر کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔

مسند حکومت

اب وہ وقت آگیا تھا کہ دکن کی ترقیوں کو مہمیز لگائی جائے چنانچہ آپ ۴/رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو ۲۴ سال میں محبوب دکن نواب میر محبوب علی خان کے جانشین مقرر ہوئے اور آصف جاہ سابع آپکا لقب ہوا،

اس طرح عہد عثمانی کا عہد زرین ۲۹/اگست ۱۹۱۱ھ سے شروع ہوتا ہے جس کی مملکت کا رقبہ ۸۶ ہزار مربع میل، کل آبادی ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ کے لگ بھگ، اور سالانہ آمدنی ۳۲ کروڑ کے قریب ہے۔

تاریخ انسانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی اس انسان کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھمائی گئی تو وہ تکبر و انانیت کبر و نخوت کے نشہ میں مخمور ہر حرام کو حلال اور باعزت کو بہ عزت کرنے کو اس نے اپنا نصب العین سمجھ لیا،

اسی حقیقت کو فارسی شاعر نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔

خلاف رائے سلطان رائے جستن — بخون خویش باشد دست شستن
اگر شاہ روز را گوید شب استین — بباید گفت اینک مہ و پروین

بے مثال شخصیت

لیکن یہاں آصف جاہ سابع کی زندگی کا نقش بالکل نرالا ہے یہاں پر شہنشاہی میں فقیری کی درویشانہ شان ہے آپ کی شخصیت ایسی بے نظیر و بے مثال ہے کہ اس کا تقابل سرزمین دکن کے عام سلاطین سے کرنا مشکل ہے، ایسی شخصیت جو علم و عمل سیاسی بصیرت، مدبرانہ قیادت، علم دوستی و علم نوازی اسلام پسندی و مذہبی رواداری کے لئے بے مثال ہے، سلطان کے ایک معمولی ملازم کے لڑکے کو علاج کی غرض سے پونا روانہ کرنے کا حکم ہو رہا ہے، شاہی موٹر سے ٹکرانے والی بکری کو سرکاری طور پر علاج اور اس کی نگہداشت کا فرمان جاری ہو رہا ہے اپنے آپ کو اہلِ دکن کی زندگی کے نشیب و فراز ان کے رنج و غم اور ان کی خواہشوں و تمناؤں سے خود کو پوری طرح وابستہ کر رکھا تھا،

مذہبی رواداری اور انسانیت نوازی بھی حد درجہ تھی،

مہاراجہ کشن پرشاد، وزیر اعظم حیدر آباد، وینکٹ رامار یڈی، کوتوال بلدہ، تاراپوروالا، مشیر مال، راجہ نرسنگ راؤ، مہتمم سیونگ بینک نظامت ٹپہ، جیسے اعلیٰ مناسب وعہدوں پر خدمات انجام دیتے تھے جو مذہبی رواداری کی ایک روشن مثال ہے، حضور نظام تاریخ میں ایسے شخص ہیں جو اولاد پر بہت زیادہ مہربان ہیں، کبھی پاؤں رکھ کر مذہبی تذکرہ نہیں کیا جاتا، اسمائے حسنیٰ اس وقت زبان پر نہیں آتے جب سگریٹ ہاتھ میں ہو، سرکاری کاروبار میں اکثر افتتاح وغیرہ کی شاہی رسم کی موقع پر پہلے ہی سے وہاں قاری کا انتظام ہو جاتا تاکہ ہر کام کا آغاز اللہ کے کلام سے ہو، جمعہ کی نماز اپنے دونوں صاحبزادوں کے ساتھ مسجد شاہی میں ادا کرتے اور اس کے بعد تلاوت کی مجلس کا انعقاد عمل میں آتا، قاری صاحب کی آیت ختم کرنے سے پہلے ہی آپ آیت کا اگلا حصہ پڑھتے جس سے آپ کی قرآن کریم سے مناسبت اور شغف معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ پیر جماعت علی شاہ کی ایماء پر آپ نے مسجد شاہی میں شہزادیوں کو لانا بند کر دیا، ایک مرتبہ اخبار میں کسی کا مراسلہ پڑھا جس میں شاہی سواری سے عام لوگوں کو زحمت کرنے کا سامنا ہوتا ہے فوراً تحسین کو اس کی اصلاح کا سامان کرنے کا حکم فرمایا، ایک مرتبہ مجلس وعظ ہو رہی تھی ایک درباری نے انہیں دیکھتے ہی بگلوس (کمر پٹہ) باندھ لیا، آپ نے دیکھ لیا اور پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا حضور تشریف فرما ہیں! آپ نے جواب دیا یہ میرا دربار ہے یا رسول اللہ ﷺ کا دربار ہے؟ آپ کی مذہبی خدمات میں حج جیسے فرض عبادت کی آرزو رکھنے والوں کے لئے بھی دریادلی کا مظاہرہ کیا جاتا،

"حج کے سلسلہ میں ان ملازمین سرکار کو جو حج کا ارادہ کرتے ہیں خواہ امیر ہو یا غریب اعلیٰ عہدہ دار ہو یا معمولی چھ ماہ کی رخصت دی جاتی اور رخصت بھی اس عوان کی جس کا مدت ملازمت اور استحقاق وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس پر لطف یہ کہ چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ بھی عطاء فرمائی جاتی"

(یادگار سلور جبلی)

ماہر القادری نے نظام ہفتم کی شخصیت کا اپنے آبدار قلم سے جو نقش کھینچا ہے، وہ بڑا دلچسپ ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"ان میں جرأت بھی تھی اور ساتھ ہی جوش وعزیمت اور دینی حمیت بھی، مذہب سے انہیں غیر معمولی شغف تھا، باغ عام کی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد بے اختیار سجدے میں گر جاتے، جمعہ کے دن قرأت سننا ان کے معمول میں داخل تھا،

علماء دین کے قدر شناس تھے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تقریر فرما رہے تھے نظام اس جلسہ میں تشریف فرما تھے مولانا نے کہا کہ یہ میر عثمان علی خان بادشاہِ وقت ہیں مگر حضرت بلالؓ کے جوتے کا تسمہ انہیں کہیں مل جائے تو یہ اسے اپنے سر کا تاج بنالیں گے" اس پر میر عثمان علی خان نے والہانہ انداز میں

بیشک مولانا، بیشک مولانا فرمایا، اپنی والدہ کے احترام و مزاج داری میں انہوں نے ایک مثال قائم کر دی، بڑے جفاکش واقع ہوئے تھے ایک سو چار ڈگری بخار ہے اور کام کر رہے ہیں اپنا بستر جھاڑنا تکیہ رکھنا اس قسم کے کام وہ خود کرتے، اردو کا خط صاف اور دیدہ زیب تھا حرفوں پر احتیاط کی ساتھ نقطے لگاتے اور تحریر کو "مشکول" (Punctuate) کرتے جاتے دماغ کی یکسوئی اور ذہن و فکر کی ترتیب کا یہ عالم تھا ایک طرف وائسرائے ہند سے خط و کتابت میں پیشی کے سکریٹری کو مشورہ دے رہے ہیں دوسری طرف کسی ملازم کا کوئی بچہ بیمار ہے تو اس کی خیرت پوچھ کر اس کے لئے دوا تجویز فرما رہے ہیں"

(یادرفتگان، ۱۲۲)

آپ کی بلند و بالا شخصیت سے متاثر ہو کر ایک خاص وفد نے آپ کو ۲۱ر ستمبر ۱۹۱۸ء کو "محی الملت والدین" کا معزز لقب عطاء کیا،

تواضع و عاجزی

خلاف معمول مغرب نماز کے لئے شاہی مسجد (باغ عامہ) پہنچ گئے اذان کے لئے مؤذن پس و پیش میں تھے فرمایا امام صاحب نہ ہو تو کیا ہوا ہم میں سے کوئی پڑھالے گا، اذان کے بعد مصلیوں نے اصرار کیا کہ بادشاہ ہی کو نماز پڑھانی چاہئے آپ نے امامت فرمائی نماز کی تکمیل کے بعد بآواز بلند فرمایا جس کو نماز لوٹانا ہو وہ لوٹالے، پھر امین جنگ سے گویاں ہوئے "مولوی صاحب" آپ نے سبھوں کی نماز خراب کر دی مجھ کو آگے بڑھا کر،

عشق رسول ﷺ

اس عظیم شہنشاہ کو عشق رسول سے بھی وافر حصہ ملا تھا، ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

ہو جاوں عثمان مدینہ میں خاک تو سمجھوں کہ مٹی ٹھکانے لگی

نام کے پہلے لفظ 'عثمان' سے غنی اور دوسرے لفظ 'علی' سے بہادری ظاہر ہے،

عظیم الشان کارنامے

آپ کی شخصیت کے چند حسین گوشوں کے ذکر کے بعد آپ کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں کیوں کہ شخصیت اور کارنامہ ایسے ہی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں جیسے پھول کے لئے خوشبو،

○ ۱۳۱۷ھ میں موسیٰ ندی کی قیامت خیز طغیانی جس نے حیدر آباد کے بے شمار محلوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جہاں کھنڈرات کے علاوہ کچھ باقی نہ بچا بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اب حیدر آباد کو سنورنے اور سنبھلنے کے لئے کم از کم ایک صدی کی ضرورت ہوگی، لیکن آپ نے بہت جلد ان تباہیوں پر قابو پالیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد شہر پہلے

کی طرح پھر تر و تازہ نظر آنے لگا۔

عہد عثمانی کی تعمیرات

○ آصف جاہ سابع کی فن تعمیر سے دلچسپی کی بناء پر شہر کو خوبصورت بنانے کے لئے دیدہ زیب عمارتوں کا سلسلہ جاری ہوا، عہد عثمانی کی عمارتوں نے حیدر آباد کو دہلی و آگرہ کی صف میں لا کھڑا کیا، موسیٰ ندی کے ایک دامن میں عثمانیہ دواخانہ، عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) سٹی کالج جیسی سربفلک عمارتیں تعمیر ہوئی۔ چادر گھاٹ پل حمل و نقل کی مشکلات دور کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوا، پہلے بازار خرید و فروخت کرنے والوں کی ضرورت کو پورا نہیں کر رہے تھے۔ آپ نے چار مینار تا عابڈس سڑکوں کو کشادہ کیا، پتھر گٹی ، عثمانہ بازار، معظم جاہی مارکٹ وغیرہ جیسی قابلِ دید بازاروں سے آج بھی ہزاروں لوگ وابستہ ہیں، چار مینار کے سایہ میں نظامیہ یونانی شفاخانہ، جس سے آپ کی طب یونانی سے شغف کا اظہار ہوتا ہے، اس کے باب الداخلہ پر چھ سنگ مرمر کی قدِ آدم تختیاں لگائی گئی ہیں جن میں بادشاہ کی تمناؤں کو اور اس کی اپنی رعایا کے ساتھ تعلق کو کندہ کیا گیا ہے،

پانی کے مسئلہ کا حل

پینے کے پانی کی دقتیں دور کرنے کے لئے شہر سے باہر مختلف مقامات پر عثمان ساگر، حمایت ساگر، اور نظام ساگر تعمیر کروائے، آج بھی پانی کی سربراہی کے مسئلے پر حیدر آباد کی حکومت اور یہاں کے باشی بالعموم انہی آب ذخائر پر انحصار کرتے ہیں۔

تعلیم و تحقیق کی طرف توجہ

ہر قوم و ملت کی کامیابی کا مدار اس کی نئی نسل کی تعلیم و اصلاح پر منحصر ہوتا ہے شہر میں دو کالج تھے جو کالحاق باہر کی یونیورسٹیوں سے تھا، ریاست میں ایک ایسی یونیورسٹی کی شدید ضرورت تھی جو اردو زبان کے ذریعہ مختلف علوم و فنون کو فروغ دے، چنانچہ ۱۹۱۹ء میں "جامعہ عثمانیہ" عالم وجود میں آئی جس کا شمار دنیا کی بارہ جامعات میں ہوتا ہے دائرۃ المعارف کا قیام آپ کی علم پروری کا شاہکار نمونہ ہے جس کی نظیر اس دور میں کسی دوسرے ملک میں بھی ملنی مشکل ہے، جہاں عربی زبان کی ترقی و ترویج اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں اور مخطوطات کی تحقیق و تعلیق اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا گیا، جامعہ کے قیام کے بعد سب سے اہم مسئلہ کتابوں کی فراہمی تھا لہذا اس کی تکمیل کے لئے دار الترجمہ وجود میں آیا، جس میں متعدد علوم عقلیہ و نقلیہ کی کتب کے اردو ترجمے کرائے گئے، دنیا کی جدید علمی ترقیات کے تناظر میں اردو زبان میں اصطلاحات سازی کا کام کیا گیا۔ جو علمی تاریخ میں انقلابی عمل اور اردو کی تاریخ میں عدیم النظیر کارنامہ تھا۔

مدارس کی تعداد

ڈاکٹر یوسف حسین خان لکھتے ہیں

"اعلی حضرت بندگانِ عالی کی تخت نشینی کے وقت مدارس کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی جس میں پائنسٹھ ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے اور اور آج مدارس کی تعداد ساڑھے چار ہزار ہے اور طلباء کی تعداد ۲۳ لاکھ ستائیس ہزار ہے"

(دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات ص ۲۰ بحوالہ عہد ثانی ص ۱۸)

عثمان علی خان نے پست اقوام کی بھی ہمت افزائی کی اور ان کے لئے بھی مدارس کھولے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے نظام کی اس ہمدردی اور خلوص کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اچھوتوں کی پستی کو دور کرنے کی کوشش کی،

مکہ مسجد کے جنوب میں مدرسہ حفاظ بھی آپکی خدمات کی سنہری کڑی ہے، جس طرح آج ہندی سرکاری زبان ہے، قطب شاہی دور میں فارسی سرکاری زبان تھی لیکن نظام سابع نے اردو کو سرکاری زبان بنایا۔

تعلیم نسواں کی طرف توجہ

تعلیم نسوان کی طرف زمانہ سابق میں کم توجہ دی گئی ساری ریاست میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے صرف ۸۰ مدارس تحتانیہ اور ۱۰ مدارس ثانویہ سے زیادہ نہ تھے عہد عثمانی کے پچیس برس میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اب ۶۷۴ مدارس تحتانیہ ۲۵ مدارس ثانویہ اور ایک زنانہ کالج چار مدارس تعلیم المعلمات کی تربیت و ٹریننگ کے لئے خاطر خواہ انتظام کے ساتھ وجود میں آئے۔

معذوروں کی تعلیم

وہ بدنصیب بندگانِ خدا جو نابینائی عدم گویائی اور ثقل سماعت کی وجہ سے قدرتاً ہر طرح مجبور ہوتے ہیں، ہمارے علم نواز بادشاہ کی نظر عنایت سے محروم نہیں رہے ان کے لئے مستقل مدرس اور اسکول قائم کئے، چنانچہ جس طرح "سلطان العلوم" کا لقب آپ کو زیب دیتا ہے وہ کسی اور کو نہیں۔

دیگر خدمات جلیلہ

دورِ عثمانی سے پہلے انگریز کمپنی کی ریلوے چل رہے تھی ۱۹۳۰ء میں حکومت نے اس ریلوے کو کمپنی سے خرید لیا، سات ہزار میل سے زیادہ سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا سمنٹ کی صاف ستھری سڑکیں تمام ہند میں مشہور تھی، ۱۳۴۲ھ میں محکمہ لاسلکی کا قیام عمل میں آیا۔

○ آصفیہ لائبریری آپ سے پہلے ہی وجود میں آئی مگر موجودہ خوبصورت عمارت آپ کے دور کی یادگار

ہے، چمن اور بے شمار عوامی فلاحی مقامات تعمیر ہوئے جس میں 'باغ عامہ' قابلِ ذکر ہے جس میں مسجد شاہی عثمانیہ نمائش گاہ، جوبلی ہال، ٹاؤن ہال (موجودہ اسمبلی) تالاب جو بچوں کو تفریح کا سامان مہیا کرتا ہے قابلِ ذکر ہیں،

ایک انگریز حکمراں کا مقولہ ہے "اگر عوام بادشاہ کی حکمرانی سے خوش ہے تو سمجھو کہ وہاں خوشحالی ہے، اور یہ بات دکن پر پوری طرح صادق آتی تھی،

○ اسی طرح مکہ مکرمہ میں نظام دکن کی دو عظیم الشان کئی منزلہ سرائیں جن کو رباط کہتے ہیں حرم محترم سے قریب واقع ہیں ان میں روشنی، صفائی، حفاظت سامان بیت الخلاء وغیرہ کا سرکار کی طرف سے پورا انتظام ہے جس کے لئے ایک عملہ مقرر ہے"

(یادگار سلور جبلی)

ہالینڈ پارک اسٹیشن کے متصل مسجد نظامیہ کا قیام ڈارڈ میڈلے اور عباس بیگ وغیرہ کی اسلامی تحریک و محنت کا نتیجہ ہے لندن میں مسلمانوں کی یہ واحد شاندار مسجد ہے جس کی تعمیر میں حضرت اقدس نے معتد بہ رقم دی اسی بناء پر اس کا نام مسجد نظامیہ رکھا گیا"

(یادگار سلور جبلی)

وفات

آخر قدرت کے بنائے ہوئے قانون سے انبیاءؑ کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا خالق کا نمائندہ جسے نہ کسی حکومت کے باب الداخلہ پر جانے سے خوف نہ کسی غریب کے جھونپڑے میں جانے سے رحم آتا ہے، جدید حیدر آباد کے معمار کے پاس بھی پیغام اجل لیکر آپہنچا، اس طرح جمعہ ۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ م ۲۴/ فروری ۱۹۶۷ء دوپہر ایک بج کر بائیس منٹ پر مختصر سی علالت کے بعد نذری باغ میں انتقال ہوا، تمام امور کی فراغت کے بعد ساڑھے آٹھ بجے صندوق امبولینس کار میں رکھا گیا امبولینس کے پیچھے چالیس موٹر بسیں تھی جلوس جنازہ شہر کے اہم مقامات سے ہوتا ہوا مکہ مسجد پہنچا اور اوپر سامیانہ تھا جسے عرب گارڈ تھامے ہوئے تھے،

حضرت حبیب جعفر العیدورس نے نواب مکرم جاہ بہادر کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھائی، دو لاکھ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، اور مسجد جودی میں مدفون ہوئے،

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

محمد شمشاد قمر بن قاسم
متعلم : چہارم عربی

﴿ اصلاح و تصوف ﴾

اشاعت اسلام میں صوفیوں کا حصہ

یہ بہت ہی وسیع اور اہم موضوع ہے، اشاعت اسلام میں بزرگان، اولیاء کرام، اور صلحاء امت کے جو زندہ و تابندہ کارنامے ہیں ان کے تذکرے آج بھی کتب تاریخ میں موجود ہیں، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے سلسلہ میں حضرات صوفیاء کے کرانا موں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

راہِ سلوک کے ان بزرگوں نے اس سلسلہ میں بڑی قربانیاں دیں اور کچھ ہی عرصہ میں رشد و ہدایت کی ایک عام فضاء پورے ملک اور مختلف گوشے میں پھیلتی گئی، اور ائمہ رشد و ہدایت کی کھیپ کی کھیپ تیار ہونے لگی یہ حضرات حضور اکرم ﷺ کی صفت " ویزکیھم " کی ہو بہو تصویر تھے اور اسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ مخلص تھے ریاوسمعہ نام و نمود کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔

آج دنیا میں کہیں بھی دین سے محبت، عبادت میں شغف انابت الی اللہ کی کیفیت پائی جاتی ہے یہ ان بزرگوں کی اور خدا ترس بنداں کی بے لوث خدمات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے حبیب پاک ﷺ کے اسوۂ زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے خود کو اسی سانچے میں ڈھالنا یہ خاص انکا وطیرہ تھا گویا یہی ان کی زندگی کا حاصل تھا اگر تجزیہ کیا جائے تو اصول و ضوابط کی روشنی میں دین کے تین شعبے ملتے ہیں۔ اول ایمان۔ دوم اعمال صالحہ۔ سوم روحانی و قلبی صفات و کیفیات اور تزکیۂ اخلاق

ایمان

ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، وحیِ رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ جیسی غیبی حقیقتوں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے جو خبریں دی ہیں اور جو کچھ بیان فرمایا ہے ان تمام کو حق ماننا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا یہ دین حق کا سب سے اہم ترین شعبہ ہے اور پورے دین کی اساس و بنیاد اسی پر ہے اور یہی شعبہ ہمارے عقائد کا موضوع ہے۔

اعمال صالحہ

اس سے مراد دین کا وہ تمام تر عملی حصہ ہے جو جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں

اسلامی عبادات، دعوت، معاملات، اور آداب معاشرت وغیرہ داخل ہیں یہ شعبہ گویا دین کا اس اعتبار سے پور قالب ہے کہ اسلام کا پورا عملی نظام اسی سے وابستہ ہے علوم دینیہ میں علم فقہ کا خاص تعلق اسی شعبہ سے ہے

روحانی و قلبی صفات و کیفیات اور تزکیۂ اخلاق

جن لوگوں کی کتاب و سنت پر کچھ نظر ہے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہو سکتے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایمانیات و عبادات، معاملات اور آداب معاشرت کے ابواب میں اپنی تعلیم اور عملی نمونہ سے امت کی ہدایت ور ہنمائی فرمائی ہے اسی طرح آپ نے اللہ کی محبت و خشیت، یقین و توکل، احسان و اخلاص جیسی روحانی و قلبی صفات و کیفیات اور تزکیۂ اخلاق کے متعلق بھی اہم ہدایات دی ہیں اس پر بس نہیں بلکہ اس باب میں امت کے لئے اپنی ذات کو نمونہ کے طور پر چھوڑ گئے ہیں ۔

الغرض ایمان اور اعمال صالحہ کی طرح یہ بھی دین کا ایک اہم اور مستقل شعبہ ہے اور یہی تصوف و سلوک کا خاص موضوع ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تو تینوں شعبوں کی یکساں طور پر جامع تھی آپ کے اصحاب بالخصوص اکابر صحابہؓ کو آپ ﷺ کی اس جامعیت سے وافر حصہ ملا تھا، اس لئے یہ حضرات دین کے ان تینوں بنیادی شعبوں کی حسب توفیق اپنے قول و عمل دونوں سے خدمت انجام دیتے رہے آنحضور ﷺ کے حامل اور جامع رہے ہوں لیکن اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور ذوق یا ماحول کے مطابق ان میں سے بعض نے ایک شعبہ کی خدمت سے اپنا خاص تعلق رکھا اور بعض نے دو شعبہ کو اپنا موضوع بنایا، اس میں شک نہیں کہ بعد کے زمانوں میں ملکی سطح پر پھیلاؤ جس حد تک بڑھ گیا تھا اور جیسے حالات در پیش تھے اسی پس منظر میں اس کی تقسیم کار ناگزیر بھی تھی آج ہمارے سامنے فقہاء، محدثین، ائمہ عقائد اور صلحاء امت کی ایک لمبی فہرست وہ اسی تقسیم عمل کا نتیجہ ہے۔ ائمہ اور فقہاء خصوصیت کے ساتھ دین کے اول دو شعبوں کی جس طرح خدمت حفاظت اور تنقیح و تفصیل کی امت مرحومہ پر احسان عظیم فرمایا اسی طرح حضرات صوفیاء نے دین کے تیسرے اہم شعبوں کی خدمت و حفاظت اور اس باب میں آنحضرت ﷺ کی نمائندگی و نیابت کا اہم فریضہ انجام دیا اس لئے امت پر انکا بہت بڑا احسان ہے حضرات صوفیاء کرام کی کوششوں کا اصل نصب العین اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت، اخلاص و احسان زہد اور توکل جیسی روحانی و قلبی صفات و کیفیات کی تحصیل اور اخلاق فاضلہ کی دولت سے مزین کرنا ہے لیکن چونکہ یہ چیزیں صرف کتاب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتیں ہے بلکہ بسا اوقات صحیح ادراک بھی نہیں ہوتا اس لئے آنحضرت ﷺ نے صرف کتب بینی صفحہ قرطاس کو سیاہ کرنے پر نہیں بلکہ کسی ولی کامل اور اہل نسبت بزرگ کی صحبت و معیت میں رہ کر جو سینہ بسینہ سنت نبوی کے چراغ کو روشن کرتے رہے دوسروں کو بھی اسی نسبتی حضرات کی صحبت میں چند ایام گزارنے کا

مشورہ دیا اور چونکہ عادت اللہ یہی دیکھنے کو ملی ہے کہ اہل اللہ کے ختم فیض کے سوا یہ دولت کسی کو نہیں مل سکی ہے جو لوگ ان حضرات کی صحبت سے محروم رہتے ہیں وہ اس عظیم دولت باطنی سے محروم ہی نہیں بلکہ اس کی معرفت سے بھی قاصر رہتے ہیں موجودہ دور میں نئی نئی چیزیں نئے نئے حالات پیدا ہوتے ہیں ان میں سے نشر واشاعت کی وسعت بھی ہے کتابوں کی کثرت نے آج بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی پیدا کر دی ہے جو دین کو صرف کتابوں اور رسالوں کے صفحات سے حاصل کرنے کے قائل ہیں اور یہ چیز فی نفسہ کچھ بری نہیں ہے کتب بینی مطالعہ کا ذوق اور دینی سرگرمی پیدا کرنے کے لئے قلم وزبان کا استعمال بہت ہی خوش آئند بات ہے مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس پر بالکلیہ انحصار قابل گرفت ہے اور دین کے مزاج ومذاق اس کی حیثیت روایت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

صوفیاء ہند

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تعجب اور موجب حیرت رویہ بعض ان حضرات کا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ امیر المومنین سید شہید اور اسماعیل شہید کو اپنے زمانوں کا مجدد مانتے ہیں اور اس کے ساتھ تصوف کو افیم باضلالت بھی کہتے ہیں (معاذ اللہ) حالاں کہ جس کسی نے حضرت مجدد کے مکتوبات، شاہ ولی اللہ کی تصانیف اسماعیل شہید کی عبقات اور منصب امامت اور حضرت شہید کے مجموعہ ملفوظات، صراط مستقیم کا مطالعہ کیا ہو وہ اس حقیقت سے ضرور واقف ہوگا کہ یہ حضرات سلوک تصوف کے صرف قائل اور حامل ہی نہیں بلکہ دین کے داعی علمبردار اور اصحاب سلاسل ائمہ ہیں خاص طور پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مخلص اور ہر روز ہاتھوں سے اشاعت اسلام اور اصلاح باطن کے حسن سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی اس سے کون صاحب علم ناواقف ہے اس کے بعد سے خواص عوام شاہ رعیت سبھوں نے ان بے غرض اور پاک نفس درویشیوں اور مردان خدا سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا اور بر عظیم کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک خانقاہوں اور روحانی مراکز کا ایک جال بچھ گیا مرکزی شہروں کو چھوڑنا مشکل سے کوئی قابل ذکر قصہ اور مقام اس سے محروم رہا لوگوں کو ان بزرگوں اور خانقاہوں سے جو الہانہ عقیدت اور قلبی تعلق تھا اور ان کی طرف رجوع کی کیفیت تھی اس کا اندازہ اس دور کے واقعات سے ہوتا ہے جو تاریخ میں محفوظ ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جنہوں نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی بنیاد رکھی ہے اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد وہدایت کا قیام فرمایا ہے وہ اجمیر میں قیام فرماتھے اور وہیں سے رشد وہدایت کے چراغ جلا رہے تھے اگر چہ کہ صراحت کے ساتھ آپ کی دعوت و تبلیغ کی مکمل ومفصل قدیم تاریخی مستند کتابوں میں نہیں ملتی ہیں مگر عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر وعظیم تعداد میں بندگان خدا نے اسلام کی دولت پائی اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے (تاریخ دعوت عزیمت: ۳/۳)

محمد فیض اللہ

متعلم : کلیۃ اللغۃ اولی

مسلمانوں کی پستی کا علاج

دین اسلام ایک جامع اور مکمل دین ہے، "قرآن کریم" ایک مکمل نظام حیات ہے، احادیث رسول ﷺ قرآن حکیم کی شرح و تفسیر ہے، لفظ ایمان اور اسلام کے عنوان خود ہی امن و سلامت کی دعوت دیتے ہیں کہ ایمان و اسلام کے اندر سراسر امن و سلامت ہے، جہاں بھی ایمان و اسلام پہنچے گا اپنا مادہ امن و سلامت ساتھ لیکر پہنچے گا۔ ایمان قلب انسانی کو امن سے پر کر دیتا ہے اور اسلام اس کے اعضاء جوارح اور لسان و بیان کو سلامتی سے آراستہ کرتا ہے جس سے مومن و مسلم امن و سلامتی کی علامت بنجاتا ہے، اسلام انسان کی دینوی و اخروی زندگی کی فلاح و بہبودی کی ضمانت لیتا ہے، اسلام باہمی عداوت و نفرت، حد بندیوں کو مٹا کر توحید الٰہی کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری اور اخوت کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے، اس میں کالے۔ گورے کی تفریق یا عربی و عجمی کے تفاوت کی کوئی جگہ نہیں ہے، ان امتیازات کی جڑ کاٹ دیتا ہے، قرآن کریم میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو واضح کر دیا ہے۔

یا ایھا الناس إنا خلقنا کم من ذکرو انثی و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم O

(سورۃ حجرات/۱۳)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (آدم و حواء) اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ تمہیں آپس میں ایک دوسرے کی شناخت ہو، بیشک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر وہ ہے جس کے اخلاق و اعمال دوسرے سے اچھے ہوں،

اسلام ایک مکمل دستورِ حیات

اسلام کسی شخصیت کا نام نہیں اور نہ چند چیزوں کے اعتقاد کر لینے کو اسلام کہا جاتا ہے، بلکہ اسلام ایک فیصلے،

طرز عمل، اور دستور کا نام ہے، اسلام منصفانہ سماج اور اخلاقی نظام کو مرکزی اہمیت دیتا ہے جو عقیدے کے ساتھ ساتھ معاملات میں عدل وانصاف پر زور دیتا ہے، امن و آشتی کی تلقین کرتا ہے، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو ضروری سمجھتا ہے۔

اسلامی زہد و تصوف دنیا کو قبول کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سبھوں کا حق سمجھتا ہے، جبکہ مسیحی زہد ترک دنیا کی تلقین کرتا ہے، اور زندگی کو بھی گناہ سمجھتا ہے، قرآن حکیم انسانی زندگی کے ہر سمت اور گوشے ریاست و بادشاہت سے لیکر سماجی۔ گھریلو اور انفرادی زندگی تک پیش آنے والے چھوٹے بڑے تمام مسائل و مشکلات کا حل دیتا ہے، انسان کی دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی دین اسلام میں منحصر ہے، اس لئے جو بھی انسان اپنی اس دنیوی زندگی کو دین اسلام کے مقتضیات کے مطابق گزارے گا اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی یقینی ہے،

شیطان انسان کا دشمن

افسوس کی بات یہ ہے کہ شیطان ہر حال میں بنی آدم کے پیچھے لگا ہوا ہے، شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ قیامت تک آنے والی نسل آدم کو گمراہ کرنے کی وہ پوری کوشش کرے گا، شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، انہی شیطانی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ خود مسلمان اپنے ضابطہ حیات قرآن کریم کو چھوڑ کر مغربی تہذیب وتمدن کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کے سبب پوری دنیا میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں موجود ہونے کے باوجود ذلیل وخوار ہو رہے ہیں، ان کی اپنی کوئی شناخت نہیں رہی ہے، ان کی کوئی امتیازی شان باقی نہیں رہی۔

لوگوں کی قسمیں

اس وقت مسلمانوں کے اندر مختلف قسم کے لوگ نظر آرہے ہیں، ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اس نازک حالت میں بھی غفلت کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے پیغامات سے بے خبر ہیں، محض دنیا اور عیش طلبی میں مصروف ہیں، ان کے اندر احساس نہیں ہے، اور اس شعر کا مصداق بن گئے ہیں

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تجھے پاس نہیں،

بعض لوگ وہ ہیں جن کو ان حالات سے واقفیت تو ہے لیکن وہ احساس کمتری کے شکار ہیں۔ یہ لوگ ناامیدی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، اور بعض کے اندر احساس کی دولت تو ہے اور واقفیت بھی ہے اور ان حالات کا مقابلہ کرنے اور اصلاح کرنے کی صلاحیت بھی ہے، اس کے باوجود دعوت و تبلیغ اور اشاعت دین کے راستے میں پیش آنے والی بعض رکاوٹوں کیوجہ سے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، اور بہت قلیل تعداد میں بعض ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو قرآن وحدیث کی پیشگوئی کے مطابق قیامت تک ہر دور میں رہیں گے یہ حضرات جوش و ہوش کیساتھ اس

سلسلہ میں اپنی ممکنہ کوششوں کو صرف کررہے ہیں،

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

آج وقت کا یہ اہم سوال ہے کہ مسلمانوں پر یہ حالات کیوں آرہے ہیں؟ان کے ظاہری و باطنی اسباب کیا ہیں؟اوران حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے،

اسکا اصل جواب یہ ہے کہ مسلمان پر مصائب کے نازل ہونے کا سبب گناہ و معصیت ہے، جیساکہ قرآن میں ہے

ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت أیدیکم و یعفوا عن کثیر O (سورہ شوری ۳۰/)	تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہیں اور بہتوں کو اللہ تعالیٰ در گزر کر دیتے ہیں،

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس O (سورۂ روم/۴۱)	لوگوں کے اعمال کیوجہ سے سمندر اور خشکی میں فساد رونما ہوا ہے

اور ایک جگہ فرمایا گیا

ان الله لا یغیر ما بقومٍ حتی یغیروا ما بانفسهم O (سورۂ رعد آیت ۱۱/)	اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ قوم خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلے

آیت کریمہ کا دو مطلب ہو سکتا ہے (۱) کوئی قوم جبتک اپنی اعلیٰ حالت کو پستی کی طرف خود نہیں لے جاتی ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کو پستی کے طرف نہیں لے جاتا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زوال نہیں آتا ہے۔ (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنی بری حالت کو اعلیٰ حالت میں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتی اللہ تعالیٰ بھی ان کی حالت کو اچھی حالت میں تبدیل نہیں کرتا، اور جب خود ہی بری حالت کو درست کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور مدد حاصل ہوتی ہے،

اسی طرح احادیث میں بھی کثرت سے اس بات کی تصریح ملتی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی و تنزلی کا مدار اتباع شریعت ہے، جیساکہ حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"میں بادشاہوں کا مالک ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے دلوں کو رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں، ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کیساتھ پھیر دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں،

(مشکوۃ شریف ۲/۳۲۳)

اسی طرح حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریب زمانہ آرہا ہے کہ کفار کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے دستر خوان کی طرف بلاتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اسوقت بہت ہو گے لیکن تم کوڑے کرکٹ کی طرح بے وزن ہو گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دیگا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا، ایک صحابی نے عرض کیا اس کمزوری کا سبب کیا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت،، ابوداود ر ۲/ ۵۹۰ مشکوۃ ر ۲/ ۴۵۹) مذکورہ بالا آیات واحادیث سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کی ناکامی اور مصائب کا بڑا سبب دین سے دوری ہے اور آج بھی مسلمان اتباع شریعت اور عمل صالح کے بغیر اپنی حقیقی منزل نہیں پاسکتے، قرآن کریم میں ہے

ان الارض یرثها عبادی الصالحون (سورۂ حج ر ۱۰۵) — سرزمین کا وارث اور خلیفہ میرے صالح بندے ہی ہونگے

ایک دوسری آیت میں ہے

وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنّهم فی الأرض O (سورۂ نور ر ۵۵) — تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو سرزمین میں خلافت اور حکومت عطاء فرمائیں گے

ان دونوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے سرزمین کا وارث اور خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شریعت کے پابند اور عمل صالح کے خوگر ہوں،

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے اتباع شریعت اور عمل صالح ضروری ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کی مددگار ذات باری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشی اتباع شریعت میں ہے، خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے لئے اتباع شریعت اور عمل صالح ضروری ہے، اس بناء پر اگر مسلمان شریعت کے پابند ہو جائیں تو دنیا و آخرت دونوں میں فلاح و بہبودی یقینی ہے۔

مسلمانوں کی ترقی میں دین داری کا دخل

آج کل بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دیندار ہونے، نماز، روزہ کی پابندی کو ترقی میں کیا دخل ہے بلکہ ترقی کے لئے طاقت اور سیاسی تدابیر کافی ہیں، جیسا کہ ان کے ذریعہ کفار ترقی کر رہے ہیں حالانکہ یہ سمجھنا اور مسلمانوں کی ترقی کو کفار کی ترقی پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کی ترقی کا معیار کفار سے مختلف قرار

دیا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا، رہا یہ سوال کہ مسلمان خواہ کتنے ہی گناہ گار ہوں ایمان کی بدولت بہر صورت کفار سے بہتر ہیں،

اس لحاظ سے مسلمانوں کو کفر پر غالب رہنا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کی بدولت مؤمنین کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور ایمان لا کر ایک مؤمن اپنے کو مطیع و فرمانبردار ہونے کا دعوی کرتا ہے، برخلاف کفار کے وہ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں، مطیع کی ہر ہر بات پر گرفت کی جاتی ہے، اور باغی کو ہر جرم پر سزا نہیں دیجاتی ہے ان کو بغاوت کی سزاء آخرت میں اکھٹا دی جائے گی، ان کے لئے ابدالابد جہنم ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ مسلمانوں کی مثال ٹوپی جیسی ہے کہ اس میں ذرا سی ناپاکی لگجاتی ہے تو فوراً اتار لی جاتی ہے، ناگواری محسوس ہوتی ہے، اور کفار کی مثال جوتے کی ہے کہ کتنی ہی ناپاکی اور گندگی لگ جانے کے باوجود بھی نہیں اتارا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو مسلمان پر گناہ کا کوئی بھی دھبہ نظر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا ہے دنیا میں بھی تنبیہ کے لئے کچھ جزاء اور عقاب دیدیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بہت سی مدد کو روک لیتا ہے،

(شریعت وسیاست ۲۰/)

جیسا کے غزوۂ احد کا واقعہ ہے کہ تھوڑی سی غلطی کی وجہ سے شکست کھانی پڑی، جس کو قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے

ولقد صدقكم الله وعده اذتحسوا نهم باذنه حتى اذا فشلتم و تنازعتم فى الامر و عصيتم من بعد ما اراكم ماتحبون منكم من يريد الدنيا و منكم من يريد الآخرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم ولقد عفاعنكم والله ذو فضل على المؤمنين O

(آل عمران / ۱۵۲)

اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم کو تمہاری خوشی کی چیز دکھا چکا، تم میں سے کوئی دنیا چاہتا تھا اور کوئی آخرت، پھر تم کو الٹ دیا ان سے تاکہ تم کو آزماوے، اور وہ تم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مہربان ہے ایمان والوں پر O

اذ تصدعدون و لا تلوٗن على احد والرسول يدعوكم فى أخرتكم فاثابكم غما بغم لكيلا تحزنوا على ما فاتكم و لا مآاصابكم والله خبير بما تعملون O

(آل عمران ۱۵۳)

جب تم چڑھ رہے اور پیچھے پھر کر کسی کو نہیں دیکھ رہے۔ اور اللہ کے رسول تم کو تمہارے پیچھے سے پکار رہے پھر تم کو غم کے عوض غم پہنچا تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر جو کچھ پیش آجاوے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے باخبر ہے۔

اس طرح سے غزوہ حنین میں مدد نازل ہونے والی تھی، افراد کی کثرت کی طرف خیال جانے کی وجہ سے (کہ ہم کو تو بہت غزوے میں ہماری تعداد کم ہونے کے باجود غلبہ ملا ہے تو آج تو بہت ہیں اس لئے بطریق اولیٰ ہم ہی غالب رہیں گے۔ اس خیال کی وجہ سے) وہ مدد روک لی گئی، جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے،

ولقد نصركم الله فى مواطن كثيرة و يوم حنين ٥ اذا عجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا و ضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم و ليتم مدبرين ٥

اللہ تعالیٰ بہت میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا اور حنین کے دن جب تم خوش ہوئے اپنی کثرت پر پھر وہ تمہارے کام میں نہ آئی اور زمین تم پر تنگ ہو گئی باوجود فراخی کے پھر تم پیٹھ دیکر ہٹ گئے،

(سورۂ توبہ آیت ر ۲۵)

اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ تھوڑی سی اجتہادی غلطی کی وجہ سے، بے خیالی میں سنت کے ترک ہو جانے کی وجہ سے، غیر اللہ پر تھوڑا سا اعتماد کی وجہ سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

سماج میں پھیلی برائیاں

آج سماج میں کیا کیا برائیاں نہیں ہیں، عبادات سے بے اعتنائی کیساتھ ساتھ خواہشات نفسانی کا اتباع۔ خود غرضی۔ لالچ۔ ظلم و زیادتی۔ دوسروں کی حق تلفی، جھوٹ۔ غیبت۔ خیانت حسد۔ کینہ۔ سود خوری۔ رشوت۔ جوئے بازی، بے حیائی۔ بدکاری۔ بے پردگی، گانا بجانا، فلم بینی وغیرہ اتنی کثرت سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ ﷺ کی دعاء قبول نہ کیا ہوتا "کہ اے اللہ میری امت پر امم سابقہ کی طرح فوری آسمانی غضب نہ نازل فرمانا (الدر المنثور ر ۱۹) ، تو العیاذ باللہ ہم کو آسمان سے عذاب نازل کر کے ہلاک کر دیا گیا ہوتا، یہ گناہیں انسانی معاشرے کے لئے زہر قاتل ہیں، جب تک سماج سے یہ چیزیں قلع و قمع نہ ہوں گی سماج کی اصلاح ناممکن ہے۔ علماء کو ان چیزوں کی طرف سنجیدگی اور حساسیت کے ساتھ توجہ دینی چاہیئے۔ جو دین ہم تک پہونچنے کے لئے افضل الخلائق۔ رحمۃ اللعالمین۔ سید المرسلین، رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید کئے گئے ہیں، اور طائف کے میدان میں لہولہان ہونا پڑا، تیئس سال تک جان و مال۔ راحت و آسائش کی قربانی دی، جس دین کی حفاظت کے لئے بہت سے اصحاب رسول ﷺ شہید ہوئے، آپ ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کے بہتر ٹکڑے کئے گئے، حضرت بلالؓ کو طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑے، جس دین کی اشاعت و تحفظ کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا اثاثہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آج وہ دین و شریعت جس سے زیادہ محبوب شی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے ہم کو بدون محنت و مشقت کے حاصل ہے، ہم اس دین کی ناقدری کر رہے ہیں، جس سے دین کو

کوئی نقصان نہیں پہونچا ہم خود نقصان اٹھا رہے ہیں، حالی نے کیا خوب کہا تھا۔

وہ دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پر دیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اقبال کہتے ہیں

وہ زمانہ میں معزز تھے عامل قرآن ہو کر اب ذلیل و خوار ہوئے ہم تارک قرآں ہو کر،

مسلمانوں کے ہر طبقے کو چاہئے کہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور سماجی اور انفرادی زندگی میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کریں، ان کو قلع و قمع کرنے کے لئے ہر ممکن جدو جہد صرف کریں،

دعوت و تبلیغ کی اہمیت

اب کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے آپ ﷺ کے بعد دعوت و تبلیغ کی ساری ذمہ داری امت مسلمہ کے کندھے پر بالخصوص علماء کرام پر ڈال دی گئی ہے، علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ دعوت و تبلیغ امر بالمعروف نہی عن المنکر امت مسلمہ پر فرض ہے، فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرض عین کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے ہر ہر فرد پر حسب استعداد اس کا انجام دینا شرعاً لازم و ضروری ہے، لیکن اکثر علماء کرام فرض کفایہ کی طرف گئے ہیں اور یہی قول راجح ہے، فرض کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امت میں سے بعض افراد جن میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینے کی صلاحیت و اہلیت موجود ہو اس فریضہ کو ادا کریں تو سبھوں کے ذمہ سے اس کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی،

حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا کہ "اگر تم داعی نہیں بنو گے تو دوسروں کے مدعو بن جاوگے" (دعوت اسلام۔ایک اہم فریضہ ۶/)

علماء کی دوہری ذمہ داری

ظاہر ہے کہ دعوت و تبلیغ۔امر بالمعروف نہی عن المنکر اور امت و سماج کی اصلاح کے لئے دین و شریعت۔ مامورات و منہیات اور اصلاح نفس کے طریقوں سے واقفیت اور انسان کے دشمن نفس اور شیطان کے مکائد اور ان سے بچنے کے راستے کو جاننا ضروری ہے، علماء کرام ہی کو انکا بخوبی علم ہوتا ہے، آیت کریمہ

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون O

(سورہ توبہ/۱۲۲)

ہر فرقہ اور قبیلہ سے ایسی ایک جماعت کیوں نہیں نکل رہی ہے تاکہ علم دین حاصل کریں اور پھر اپنے قبائل میں واپس ہو کر ان کو ڈرائیں تاکہ وہ لوگ (برائیوں اور معاصی سے) بچتے رہیں۔

اس آیت میں اس کام کے لئے خاص علماء کرام کو خطاب کیا گیا ہے کیوں کہ دین شریعت کی دعوت۔انذار و تبشیر اور اصلاح امت علم کے بغیر نا ممکن ہے۔اس لئے علماء کی ذمہ داری دوہری ہے۔

اب بھی قیامت تک آنے والے علماء کرام پر شرعاً یہ ذمہ داری ہے کہ تقریر۔ تحریر۔تزکیہ ہر ممکن ذریعہ سے سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کریں، اور چار کاموں کو اپنا مشغلہ بنائیں جن کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا، جنکا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے،

ولقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة O (آل عمران/ ۱۶۴)

تلاوت قرآن، تزکیۂ نفوس، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت،ان چاروں کاموں کو انجام دینے کی اہلیت وصلاحیت علماء کرام ہی رکھتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ہمیں پورے طور پر دین پر چلنے اور اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور نبھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

(آمین)

☆☆☆☆☆

محمد مقیم الدین
متعلم : دورۂ حدیث

اللہ والوں کی صحبت کا اثر

دنیا میں جتنی چیزیں ہیں تقریباً تمام چیزوں کا اثر انسانی قلوب پر پڑتا ہے لہذا انسان کے لئے مناسب ہے کہ ہمیشہ اچھی صحبت کو اپنائے کیوں کہ اللہ پاک نے اپنی لازوال اور لافانی کتاب میں فرمایا ہے

یا ایھا الذین آمنوا اتقو الله و کونوا مع الصادقین (سورہ توبہ / ۱۱۹) اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور سچوں (اور صالح) بندوں کی صحبت اختیار کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو نیک اور صالح بندوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اس کی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ ہے کہ بسا اوقات وہ لوگ جو فسق و فجور میں اور گناہ و عصیان کی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں ان کے دل میں بھی کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ ہم بھی نیک اور صالح بن جائیں مگر خراب ماحول کے مسموم اثرات ان کے درمیان حائل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ احساس و آرزو دل میں ہی مچل کر رہ جاتی ہے حالانکہ جس سے بھی آپ سوال کریں کہ بھائی تمہیں جنت چاہئے؟ تو وہ یقیناً ہاں میں جواب دے گا اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوا دکھائی دے گا اور اس کو اس دارِ فانی سے چل بسنے کا یقین بھی ہو گا، لیکن تعجب ہے انسان پر کہ جنت کا طالب تو ہے مگر جنت میں لے جانے والے اعمال سے کوسوں دور ہے جہنم سے پناہ چاہتا ہے مگر جہنم ہی کے اعمال کو فروغ دے رہا ہے موت کا یقین ہے پھر بھی آخرت کی تیاری سے غافل ہے۔ انسان اگر کامیابی چاہتا ہے تو اپنا رشتہ اللہ پاک سے جوڑ لے اور اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ خوشنودئ الٰہی حاصل ہو ہی نہیں سکتی ہے جب تک کہ شیطان کی مخالفت نہ کی جائے اور شیطان کی مخالفت ہو ہی نہیں سکتی ہے تا آنکہ نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور نفس کا تزکیہ اللہ والوں کی صحبت کے بغیر بہت مشکل ہے۔

تاثیر صحبت

خود صحابہ کرام کو جو مقام ملا وہ صحبت رسول ﷺ کی بنا پر ملا اسی صحبت کے فیض سے وہ صحابی کہلائے۔ لہذا مومن کے لئے لازم ہے کہ اپنے نفس کو مزکی اور دل کو مصفی و مجلی بنانے کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے

کیوں کہ خالق کائنات نے انسان کے اندر ایک ایسا مادہ پیدا کیا ہے جو اچھی اور بری دونوں خصلتوں کو قبول کرتا ہے اب اگر انسان اپنے آپ کو اہل اللہ کی صحبت میں ڈال دے تو اس کا صالح جذبہ ابھر کر سامنے آجائے گا اور اعمال حسنہ میں روز افزوں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی بروز قیامت اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا ہے پس چاہئے کہ دیکھ لے وہ کس کو اپنا خلیل اور دوست بنا رہا ہے۔ ابو داؤد، ترمذی ،ریاض الصالحین ۱۷۵/، بخاری شریف کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ جو لوگ اللہ والوں کی مجلس میں بغیر کسی غرض کے بھی بیٹھ جاتے ہیں تو وہ بھی مغفرت کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں محروم نہیں کیا جاتا۔ هم الجلساء لا یشقیٰ جلیسهم ۹۴۸/ یہ ہے اللہ والوں کی صحبت کا اثر اب آپ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کرنے والوں کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ یہی وہ لوگ تھے جب حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے اور آپ ﷺ کی صحبت اختیار نہیں کی تھی تو ظلم و ستم کے حدود کو پار کرتے ہوئے جہنم کے دہانے پر آچکے تھے درندگی کا یہ عالم تھا کہ باپ اپنی بیٹی کو زندہ درگور کر دیا کرتا تھا تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے الغرض ہر قسم کی برائی موجود تھی مگر جب مدنی آقا تاجدار مدینہ سرور کونین جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی تو جن کے اندر درندگی تھی ان میں جذبہ ترحم پیدا ہو گیا بتوں کی پوجا سے نفرت ہو گئی اور وحدانیت کا کلمہ دل میں موجزن ہو گیا صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ کر اوصاف ایمانی کے ایسے ایسے کمالات پیدا کئے کہ اوصاف بشری میں کمی آتی گئی اور ملکوتی صفات میں ترقی کرتے چلے گئے آخر کار یہ لوگ صحبت کی بنا پر تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر پہونچ گئے جس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے تعریف فرمائی اور اعلان کیا رضی الله عنهم ورضو عنه۔ اور کہیں فرمایا اولئك هم المتقون ،اور کہیں اولئك هم الصادقون۔ اور کہیں اولئك هم الفائزون۔ اور کہیں اولئك هم المهتدون اور کہیں اولئك هم المفلحون۔ ان تمام تعریفوں کے باوجود ایسے صحابی جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کی مجلس میں ہوتے تو دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی اور اپنے گھر والوں میں آتے تو دل کی کیفیت وہ نہیں ہوتی تھی جو آپ ﷺ کی مجلس میں ہوتی تھی ایک مرتبہ حضرت حنظلہؓ اپنے گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ ہائے افسوس حنظلہ منافق ہو گیا راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ تو انہوں نے اپنے دل کی کیفیت بتائی۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے یہی کیفیت میری بھی ہے یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا حال سنایا حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں، لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہے گاہے۔ حکایات صحابہ ۴۵ غرض اسی فیضان صحبت نے کسی کو صدیق کسی کو فاروق کسی کو عثمان

غنی بنادیا کسی کی گواہی کو دو کے قائم مقام بنایا اور اس سے بھی زیادہ اعزاز واکرام کی بات یہ ہے کہ خود رب ذوالجلال نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھنے والوں کو الگ مت کیجئے کیوں کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کو صبح وشام یاد کرتے ہیں جیسا کے اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے "ولا تطر د الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ماعلیك من حسابھم من شی و ما من حسابك علیھم من شئٍ فتطردھم فتکون من الظلمین "

(سور انعام آیت ۵۲)

صحبت میں بڑی تاثیر ہے اور ہر دور میں اس کے مظاہر سامنے آئے ہیں، شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے واقعات میں اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں جس سے اندازہ ملتا ہے کہ ایک لمحہ کی ملاقات وصحبت نے کئی انسانوں کے قلوب بدل ڈالے اور اتنا گہرا اثر ہوا کہ دل کی دنیا بدل گئی اور سب ڈاکو رشد وہدایت والے بن گئے اسی طرح جب آپ وعظ ونصیحت فرماتے تو بجلی کا اثر ہوتا اور کوئی ایسی مجلس نہ ہوتی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں (قلائد الجواہر ومختلف کتب تذکرہ) شاعر کہتا ہے

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی مجلس میں ایک شخص خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے بیٹھ گیا اور موقع کی تلاش میں تھا وہ چکنی چپڑی باتیں کرنے لگا خواجہ نے کہا کہ تو جس ارادہ سے یہاں آیا ہے پہلے وہ کرلے اتنا سننا تھا کہ وہ شخص خواجہ کے قدموں میں گر پڑا معافی طلب کی پھر خواجہ کا سچا عاشق ہو گیا تو دیکھئے گیا تھا رہزن بن کر اور واپس ہوا رہنما بن کر سچ ہے کہ

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قاری صدیق صاحب باندویؒ کے تعلق سے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کہیں سے مدرسہ کے لئے خطیر رقم اپنے ساتھ لا رہے تھے سوئے اتفاق کہ کچھ ظالموں نے آپ سے روپے چھین لئے حضرت نے سمجھایا کہ یہ بچوں کی امانت ہے اس لئے اس پر بری نگاہ مت ڈالو ں مگر ظالموں نے نہیں مانا بہر حال حضرت اپنا راستہ طے کرتے ہوئے مدرسہ آگئے اللہ پاک کا کرنا ایسا ہوا کہ ان ظالموں کے پاؤں زمین سے چپک گئے تو ان لوگوں نے خبر بھجوائی کہ حضرت ہماری غلطی معاف فرمادیں آئندہ ایسی حرکت نہیں ہوگی حضرت نے معاف کردیا تو ان کے پیر زمین سے جدا ہوئے پھر یہ سب کے سب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے پورے روپے واپس کئے اور اس ظالمانہ حرکت سے رک گئے اور مخلص مومن بن گئے شاعر کہتا ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی ہے بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی ہے۔

صحبت سے دل زندہ ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی بارگاہ میں مردہ دل بھی زندہ ہو جاتے ہیں اور اس کی کیفیت اس لہلہاتے ہوئے کھیت کی طرح ہو جاتی ہے جو اپنے تنے پر کھڑے ہو کر ہوا کے جھوں کوں کے ساتھ جھوم جھوم کر اپنے مالک کو خوش کرتا ہے اسی طرح وہ شخص جو اہل اللہ کی صحبت میں رہتا ہے اور اپنے اعمال کے کھیت میں حسنات کے پودے لگاتا ہے اور پھر محنت و مجاہدہ عبادت و ریاضت کے ذریعہ اس کی سینچائی کرتا ہے تو اس کی زندگی کا ہر پہلو ہرے بھرے سرسبز و شاداب لہلہاتے ہوئے کھیت کی طرح ہو جاتا ہے وہ شخص عشق الٰہی میں جھومتا ہے خالق کائنات اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور فرشتے بھی اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

ماحول کا اثر

اللہ پاک نے انسان کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اگر یہ چاہے تو اپنے اعمال صالحہ کی بنیاد پر فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جائے اور چاہے تو اسفل السافلین میں پہونچ جائے۔ "ثم رددناہ اسفل سافلین" لہذا اچھے اوصاف کو حاصل کرنے کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے۔ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ و عصیان کا ماحول ہے گرد و پیش سے عام انسان تو عام انسان ہیں کبھی اللہ کے خاص بندے بھی متاثر ہو جاتے ہیں ، سینما اور گانے بجانے کی آوازیں دنیا کی فحاشی یہ سب کچھ انسان کو متاثر کرتے ہیں جائزہ لیا جائے کہ چپ و راست جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں اور مسموم فضاؤں سے قلوب پژمردہ اور ناتواں ہو چکے ہیں آخر اس کا علاج کیا ہے؟ "باتیں ان یاد رہیں گی" نامی کتاب میں حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ عاد و ثمود کی بستی سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے اپنا منھ چھپالیا اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہاں سے جلد گزر جاؤ۔ دیکھئے ماحول کا اثر حضور کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ کہ حضور ﷺ نے ایک جگہ رات میں پڑاؤ ڈالا سوئے اتفاق کہ تمام صحابہ سوئے رہ گئے جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضاء ہو گئی اس رات کو لیلۃ التعریس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے آخر کار سرکار دو عالم ﷺ سب سے پہلے بیدار ہوئے پھر صحابہ کو بیدار فرمایا اور حکم دیا کہ یہاں سے جلد کوچ کر جاؤ کیونکہ یہ شیطانی جگہ ہے تمام صحابہ سرعت کے ساتھ وہاں سے نکل پڑے اور دوسری جگہ نماز فجر کی قضا فرمائی اس کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے ہو جاتی ہے "عن ابی ھریرۃ قال عرسنا مع النبی ﷺ فلم نستیقظ حتی تطلع الشمس فقال النبی ﷺ لیاخذ کل رجل براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرنا فیہ الشیطان (مسلم شریف ۲۳۸/) ایک دوسری حدیث میں ہے "فکان

اول من استیقظ رسول الله والشمس فی ظهره ، قال فقمنا فزعین ثم قال ارکبوها ۔ فرکبنا فسرنا حتی ارتفعت الشمس الخ" (مسلم شریف ر ۲۳۹) لہذا ہمیں بھی گندے ماحول سے نکل کر اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنی چاہئے اگر ہم ایسا کریں گے تو ہماری زندگی میں نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے ماحول کے اثرات مرتب ہوں گے مگر افسوس صد افسوس کہ یہ گندے رسائل واخبارات سنیما ٹیلی ویژن ریڈیو اور رقص وسرور کے ماحول نے انسان کے ذہن وفکر اور دماغ کو اس طرح مدہوش کر دیا ہے کہ اسے اپنے کو سنبھالنے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سانپ کتنا چالاک اور ہوشیار ہوتا ہے مگر جب سپیرے کی بین کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی ہے تو ہوش ہوش ہو کر جھومنے لگتا ہے اس کو اپنے حال کی خبر نہیں رہتی اور سپیرا اس کو آسانی سے قابو کر لیتا ہے اس کی ساری چالاکی ہوشیاری اور دفاعی قوت بیکار ہو جاتی ہے یہی حال آج کے انسانوں کا ہے۔

صحبت کا ادنی فائدہ

اہل اللہ کی صحبت کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والا شخص گناہ پر قائم نہیں رہ سکتا توفیق توبہ ہو ہی جاتی ہے اور شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے بخاری شریف کی روایت هم القوم لایشقیٰ جلیسهم ۹۴۸ یعنی یہ ایسے مقبول حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہ سکتا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے شرح بخاری فتح الباری جلد گیارہ میں حدیث شریف کے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے ان جلیسهم یندرج معهم فی جمیع مایتفضل الله علیهم اکراما لهم یعنی اہل اللہ اور صالحین کی صحبت میں بیٹھنے والا انہیں کے ساتھ درج کیا جاتا ہے اور وہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالی اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے وہی اہل اللہ کے خدام کو بھی عطا فرماتا ہے جس طرح معزز مہمانوں کے ساتھ ادنی خادم کو بھی وہی نعمتیں دی جاتی ہیں جو معزز مہمانوں کے لئے خاص ہوتی ہیں، پس اہل اللہ کے جلیس وہمنشیں کو ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتا ہے اب اگر کسی کے اندر دین کی پیاس ہی نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ والوں کی صحبت میں جس طرح طالبین صادقین فیضیاب ہوتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جن کے قلوب دین کی طلب اور پیاس سے خالی ہیں وہ بھی فیضیاب ہو سکتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت میں آجائیں یہ نہ سوچنا چاہئے کہ جب ہمارے اندر دین کی طلب صادق نہیں ہے تو ہم کو اللہ والوں کے یہاں کیا ملے گا۔ اللہ پاک نے اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں پارس پتھر کا اثر رکھا ہے اور پارس پتھر کا اثر یہ ہے کہ لوہا جب اس سے چھوتا ہے تو وہ بھی فوراً سونا بن جاتا ہے۔

فوائد صحبت

مولانا حکیم اختر صاحب (کراچی پاکستان) فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے والا چار وجہوں سے

فیض یاب ہوتا ہے، پہلی وجہ نقل ہے یعنی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال واقع ہوا ہے آپ جب اہل اللہ کی صحبت میں رہیں گے تو ان کے شب و روز کے طریقۂ مناجات اور ان کے طریقۂ فریاد ان کے آداب و اخلاق اور خدا کے حضور میں ان کے رونے گڑگڑانے اور نالۂ نیم شبی کو دیکھیں گے تو ممکن نہیں کہ آپ ان کے اوصاف عالیہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کریں آپ کی نقال طبیعت یقیناً ان اعمال میں نقل کرنے کی سعی کرے گی۔ دوسری وجہ صحبت کی عام برکت ہے اگر کوئی اہل اللہ کی صحبت میں بغیر کسی خاص ذہن و فکر آئے اور کوئی غرض بھی نہ جب بھی وہ اس برکت سے مستفید ہوگا اور آہستہ آہستہ ان کی مقناطیسی شخصیت اپنی طرف کھینچتی رہے گی۔ تیسری وجہ معرفت الٰہی ہے ہے یعنی ان کی صحبت سے معرفت رب حاصل ہوتی ہے انسان نفسانی اور شیطانی مکر و فریب سے بچنے کی تدبیر جان لیتا ہے۔ چوتھی وجہ دعا ہے یعنی جہاں وہ ساری امت کے لئے دعا کرتے ہیں وہیں اپنے متعلقین و مریدین کے لئے بھی دعا کرتے ہیں بارگاہ الٰہی میں ان کی مخلصانہ دعا بہر حال قبولیت کی تاثیر رکھتی ہے

دل سے دل کو راہ

ان چار وجوہ کے علاوہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ دل سے دل میں خفیہ راستہ ہوتا ہے غیر مرئی طور پر اللہ والوں کی ایمانی قوت ان کے ہمنشیوں پر اثر کرتی ہے اور ان کے طاقتور یقین کا نور ان کے جلیسوں کے ضعیف اور کمزور یقین کو توانی بخشتا ہے اور نورانی بنا دیتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں دیکھو دو چراغ ہوتے ہیں ان کا وجود اور جسم ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوتے ہیں مگر فضاء میں دونوں کی روشنی ایک ہوتی ہے اسی طرح اللہ والوں کا جسم اور تمہارا جسم تو الگ الگ ہے مگر ان کے دل کا کامل نور تمہارے ضعیف نور کو کامل بنا دے گا۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی ر ۱۳۸)

حافظ عبدالولی صاحب بہرائچی نے حکیم الامت کو خط لکھا کہ حضرت میرا حال بہت برا ہے نہ جانے قیامت میں کیا حال ہوگا حضرت نے جواب میں فرمایا کہ انشاءاللہ بہت اچھا حال ہوگا اگر کاملین میں نہیں تو تائبین میں ضرور اٹھائے جاوگے۔ (بحوالہ سابق)

پھول کی صحبت میں کانٹے بھی قابل قدر

یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ جو لوگ اللہ والوں سے جڑے رہتے ہیں محروم نہیں ہوتے اس کی تائید مولانا رومیؒ کے اس قول سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں اپنا منھ چھپائے ہوتے ہیں ان کو باغباں گلستاں سے نہیں نکالتا، لیکن جو خالص کانٹے ہیں اور پھولوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے

آن خارم ی گریست کہ اے عیب پوش خلق شد مستجاب دعوت گل عداز رشد

ایک کانٹا زبان حال سے رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدا میرا عیب کیسے چھپے گا کیوں کہ میں تو کانٹا ہوں اس کی فریاد گریہ وزاری قبول ہو گئی اور حق تعالیٰ کے کرم نے اس کی عیب پوشی اس طرح فرمائی کہ اس پر پھول اگادیا جس کی پنکھڑیوں کے دامن میں اس خار نے اپنا منھ چھپالیا اگر ہم کانٹے ہیں نالائق ہیں گناہوں کے سمندر میں تیر رہے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ جلد از جلد اپنے گناہوں سے تائب ہو کر کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں اس کی برکت سے انشاء اللہ خلعت گل سے نوازے جائیں گے یعنی اللہ والے ہو جائیں گے ورنہ کاملین میں نہ ہوئے تو تائبین میں ضرور اٹھائے جائیں گے مثل خار کے ہم محروم نہیں رہیں گے۔یقین کیجئے کہ دنیا سے بے نیازی کی صفت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے ہی سے حاصل ہو گی مگر شرط یہ ہے کہ آپ کے اندر طلب و جستجو تڑپ اور پیاس ہو، مولنا رومیؒ فرماتے ہیں کہ لیلیٰ کا جب انتقال ہو گیا تو مجنوں کو اس کی خبر نہیں تھی بعد میں قبرستان پہونچا تو ہر قبر کی مٹی سونگھتا پھرتا تھا لیلیٰ کی قبر کی مٹی سونگھتے ہی وہ دیوانہ ور کہنے لگا یہی ہے یہی ہے اگر انسان کی روح میں اللہ کا عشق ہو تو اللہ والوں کے جسموں کی خوشبو سونگھ کر پہچان لے گا کہ اس کے قلب میں اللہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ انسان اپنے اندر مجنوں کی تڑپ اور بے قراری پیدا کرے لیکن آج تو بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب اللہ والے کہاں ہیں؟ یاد رکھئے یہ شیطانی دھوکا ہے جس دن اللہ والے نہ ہوں گے تو یہ زمین و آسمان بھی نہ ہوں گے بلکہ قیامت آجائے گی (بحوالہ سابق) لہذا اہل اللہ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے آپ ذی علم لوگوں سے معلوم کر کے اپنا تعلق اللہ والوں سے جوڑیں اسی میں انسان کی فلاح مضمر ہے۔اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

***

﴿ادبیات﴾

محمد ارشاد اللہ خاں
معلم : چہارم عربی

اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر
محمد قلی قطب شاہ

اردو زبان نے ہزاروں شاعروں اور ادیبوں کو پیدا کیا مگر اردو تاریخ میں سب سے پہلے جس شاعر نے اپنا دیوان مرتب کیا وہ محمد قلی قطب شاہ ہے، جو ایک طرف دکن کے تاج و تخت کا شہنشاہ تھا تو دوسری طرف زبان و ادب اور علم و فن کی تجوری بھی اسے حاصل تھی اس عظیم شاعر کے مختصر حالات درج ذیل ہیں ۔

پیدائش

محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش ۹۷۳ھ مطابق ۱۵۶۶ء میں ہوئی اور وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد ۹۸۸ھ میں پندرہ سال کی عمر میں گولکنڈہ کے تخت و تاج کا مالک بنا۔

تعلیم و تربیت اور عشق مزاجی

محمد قلی کے علم و فضل کی تعریف کسی مورخ نے نہیں کی ہے اور چونکہ وہ بادشاہ تھا اس لئے صرف اتنا لکھ کر اسکو اپنے دوسرے بھائیوں پر ترجیح دے دی کہ "از برادراں بہ جمیع صفات صوری و معنوی ممتاز بود"

مورخین کا یہ سکوت حق بجانب تھا کیوں کہ محمد قلی بچپن سے ازادرہ اور عاشق مزاج تھا اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی بچپن کی طبعیت باقی رہی وہ اپنے کلام میں اپنی طبعیت کے انداز کے بہت سے نمونے چھوڑ گیا۔

وہ اپنے اشعار میں صاف صاف اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میرے استاد مجھے علم و ہنر کی تعلیم دینا چاہتے ہیں، حالانکہ میں تو ازل سے ہی عشق کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اگر میں علم و ہنر سیکھنا بھی چاہوں تو علماء مجھے کیا سکھائیں گے میں نے تو اپنے دل میں صرف اپنے معشوق کے نام کے حرف بیٹھا لئے ہیں۔

علماء و فقہاء خود تو الف کے معنے نہیں جانتے اور مجھ سے کہتے ہیں کہ 'ب' پڑھو علم عاشقی میں الف کے معنی سمجھنا ہی مشکل ہے اور پھر ظاہری علم و فضل سے سوائے غرور و تمکنت کے کیا حاصل ہوتا ہے عالم لوگ اپنی بغلوں

میں کتابیں رکھ کر ان کے بل بوتے پر فخر کرتے ہیں حالانکہ ہمارے ہر مشام سے عشق و عاشقی کی خوشبو مہکتی ہے سچ تو یہ ہے کہ یہ علم اور یہ کتابیں ہر کسی سے پڑھی نہیں جاسکتی۔ عالموں نے علم عاشقی کی کٹھن راہ دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرلی ہے اور میں نے نہ صرف اس میں کمال پیدا کیا بلکہ جذبہ عشق میں کتابیں بھی لکھ ڈالیں اور زندہ جاوید ہو گیا ان خیالات کا اظہار جن اشعار میں بیان کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

عالم مجھے تعلیم کریں علم و ہنر کا — لکھے ہیں ازل تھے ہمنا عشق قرار
ازل تھے عشق کے پلڑے کے تئین کئی منج بٹ — فقیہ و زہداں میانے منجے کئے ہیں سراج
عالم مجھے سکھائیں گے کیا اپنا علم — وہ نانوں کے حروف ہمن دل ہیں کلام

تخت نشینی

محمد قلی کے باپ محمد ابراہیم قطب شاہ نے پنج شنبہ ۲۱ ربیع الثانی ۹۸۸ھ کے دن عصر کے وقت انتقال کیا اور اس کے انتقال کے بعد محمد قلی قطب شاہ تخت تشین ہوا اس وقت اس کی عمر صرف چودہ سال سات مہینے آٹھ دن تھی (محمد قلی قطب شاہ زور بہ حوالہ برہان ماثر ۵۳۵)

لقب اور تخلص

تخت نشین ہونے بعد محمد قلی نے "ابو المظفر سلطان محمد قلی قطب شاہ" کا لقب اختیار کیا چنانچہ وہ اسی نام سے تاریخ کی کتابوں میں یاد کیا جاتا ہے اس سرکاری لقب کے علاوہ خانگی تحریروں میں محمد قلی ہمیشہ "غلام علی محمد قلی قطب شاہ" لکھا کرتا تھا محمد قلی کو فخر تھا کہ وہ ہمیشہ سے محمد ﷺ کا غلام ہے اور اسی غلامی کیوجہ سے وہ دنیا میں سرفراز ہوا اسی امتیاز اور فخر سے اس کا پورا کلیات بھرا پڑا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دوسرے بادشاہ اپنی سلطنت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں لیکن میں صرف محمد ﷺ کے نام اور انکا غلام ہونے پر فخر کرتا ہوں کیوں کہ محض اسی وجہ سے میں بچپن سے کامیاب ہوں اور آج ایک اقبال مند بادشاہ ان خیالات کا اظہار جن اشعار میں بیان کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

بادشاہاں کرتے ہیں اپ مال پر جگ میں بڑائی — منج محمد نانوں تھے تاج و دولت خسروانی
اسم محمد تھے اپنے جگ میں سوخاقانی منجے — بندۂ نبی کا جم اہے سہتی ہے سلطانی منجے
محمد کی غلامی تھے محمد قطب شہ شہ ہے — اسی برکت تھے دائم سب خوارج کون بلا دیتا
محمد کا غلامی منج خطاب سر بلندی ہے — سورج کرناں سوں باندے سایہ یاں ہم عید و ہم نوروز

(کلیات محمد قلی قطب شاہ)

اپنے نام پر فخر کرنے کے علاوہ محمد قلی کو اس بات پر بھی فخر تھا کہ وہ ابراہیم قلی کا تیسرا فرزند ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسماعیل علیہ السام کی نگہبانی کی اور ان کو قربان ہونے سے بچالیا اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہر آفت و مصیبت سے بچالے گا (محمد قطب شاہ زور)

اصل نام کے علاوہ سلطان محمد قلی نے اپنے کلام میں اپنے نام کی وہ تمام شکلیں بطور تخلص کے استعمال کئے ہیں جو اس کی زندگی میں اس کے لئے مستعمل ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کو مخاطب کرنے والے مختلف حیثیتوں کے لوگ ہوتے ہیں وران میں سے ہر ایک کا طریقۂ تخاطب جدا ہوتا ہے بڑے ایک طرح کا نام لیتے ہیں اور برابر کے لوگ الگ طرح سے بہر حال ہو کوئی اپنی حیثیت سے نام لیتا ہے۔ معلوم ہوتا کہ محمد قلی نے ہر ایک کا لحاظ رکھا ہے اور جس جس نام سے لوگ اس کو پکارتے تھے ان سب ناموں کو اپنے کلام میں تخلص کے طور پر لکھ ڈالا شاید ہی کسی زبان کا کوئی شاعر ہو جس نے اپنے نام یا تخلص کو اتنی طرح سے استعمال کیا ہے کلیات قلی میں حسب ذیل سترہ تخلص ملتے ہیں۔ محمد، محمد شاہ، محمد قلی، محمد قطب، قطب زماں، قطب شہ، محمد قطب شہ، محمد قطب شاہ غازی، محمد قطب شاہ راجہ، محمد قطب شاہ سلطان، قطب شہ نواب، معانی، قطب معنیٰ، قطب مینی، قطب معانی، ترکمان قطب، ان میں سے سب سے زیادہ معانی، قطب، قطب شہ اور ترکمان استعمال کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی نے اصل میں اردو شاعری کے لئے معانی اور فارسی کے لئے قطب شہ اور تلنگی کے لئے ترکمان استعمال کیا ہے کیوں کہ اس کے قدیم ترین اردو زبان نے ہر مقطع میں معانی تخلص موجود ہے فارسی دیوان چونکہ دست یاب نہیں ہوا ہے اس لئے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ فارسی میں کونسا تخلص استعمال کیا ہے اسی طرح تلنگی دیوان بھی دستیاب نہیں ہوا ہے اور چونکہ ترکمان تلنگی میں بھی مستعمل ہے اور اس کے معنی مسلمان کے ہیں اس لئے یقینی ہے کہ یہ لفظ تلنگی شاعری میں تخلص کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اردو کلام میں محمد قلی نے ترکمان آٹھ یا دس جگہ استعمال کیا ہے جیسا کہ کے ایک شعر میں ہے،

محمد قطب شہ راجہ ایں سر محمد نانوں باندھیا ہے سہرا
نبی صدقے سدا کہتا ہے ترکماں کہ منج سر تاج ہے حضرت امیرا

حیدر آباد کی تعمیر

شہر حیدر آباد قطب شاہیہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لحاظ سے دسویں صدی کے اواخر میں خود بخود آباد ہونے لگا تھا کیوں کہ سلطنت کے پایہ تخت گولکنڈہ میں مزید آبادی کی گنجائش نہ رہی تھی اس لئے آبادی مشرق موسی ندی کے کنارے کنارے بڑھنے لگی یہاں تک کہ سلطان محمد قلی نے ۱۰۰۰ھ میں شہر حیدر آباد کا سرکاری

طور پر سنگ بنیاد رکھا۔ شہر حیدر آباد کی تعمیر و تزئین محمد قلی کا ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے حیدر آباد کی تزئین کے لئے محمد قلی قطب شاہ نے بہت سی عمارتیں بنوائیں اور ان سے حیدر آباد کو مزین کیا۔ ان میں سب سے مشہور و معروف اور اپنی خوبصورتی میں بے نظیر ''چار مینار'' اور چار کمان ہیں اور بھی بہت سی عمارتیں اس صاحب ذوق بادشاہ نے تزئین حیدر آباد کے لئے بنوائیں جیسے 'جامع مسجد' داد محل ندی محل، بنات گھاٹ، باغ دل کشا، خداداد محل، باغ محمد شاہی، کوہ طور، جنان محل، اور بادشاہی عاشور خانہ وغیرہ (سیر گولکنڈہ زور)

موجودہ زمانے میں ان میں سے اکثر کا وجود ختم ہو چکا ہے لیکن ان میں سے بعض آج بھی باقی ہیں اور اپنی جگہ بے مثال ہیں

شعر و شاعری

عشق و عاشقی کی وجہ سے سلطان محمد قلی کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جس کے خاطر اس نے اردو اور فارسی کلام کا مطالعہ بھی کیا۔ یوں تو اس کی کلیات میں اکثر شعراء کے نام نظر سے گذرتے ہیں لیکن اس کو سب سے زیادہ خواجہ حافظ کے کلام سے لگاؤ تھا۔ وہ انہیں کے رنگ میں رنگا ہوا تھا خواجہ حافظ کی شاعری اس کی طبیعت کے مناسب تھی اس لئے وہ دیوان حافظ کا گویا حافظ تھا محمد قلی نے بزمیہ مثنویوں کا بھی اپنے عشق عاشقی کے سلسلہ میں مطالعہ کیا ہوگا۔ کیوں کہ وہ اکثر عشقیہ قصوں مثلاً لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو، یوسف زلیخا، وغیرہ کا ذکر کرتا ہے اس کے کلام میں غزل، رباعیاں، مرثیئے۔ قصیدے اور نظمیں موجود ہیں اس کے کلیات کو اردو زبان میں اوزان و بحور، جذبات و تخیل، اور تشبیہ و محاورے میں فارسی زبان کے تابع بنادیا گیا ہے۔

کمال سخن اور شاعرانہ بلندی

موزونی طبع، قوت مشاہدہ۔ بلندی تخیل، اور مسلسل مشق وہ خوبیاں ہیں جو کسی شاعر کو کمال عروج تک پہونچاتی ہیں اور خوش قسمتی سے وہ تمام خوبیاں بلکہ اس سے زیادہ اس میں موجود تھیں اس کا دربار بڑے بڑے شاعروں سے معمور تھا، اس میں مشاہدہ اور تخیل کی کمی نہ تھی اور اس سے بڑھ کر عیش و عشرت کی زندگی نے اس کی شاعری کے پروان چڑھنے میں مدد دی ہے، مئے و معشوق کے ساتھ نغمہ بھی ضروری ہے اور اسی نغمہ کے خاطر اس نے بہت سی نظمیں اور غزلیں لکھ ڈالیں، اس کے اشعار میں اس امر کے صاف صاف اشارے موجود ہیں کہ اس کا کلام اس کے دربار اور حرم سراؤں میں شوق سے گایا جاتا تھا۔ اس کے درباری شاعروں اور صاحب ذوق امیروں کے علاوہ رقاصان بزم اس کو خوش کرنے اور اسکے فیضان سے لطف اندوز ہونے کے خاطر اس کا کلام دست بدست لکھ لیتے اور گاتے رہتے ان حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ وہ روز کچھ نہ کچھ ضرور کہتا، ضرورت ہمیشہ ایجاد کا

باعث رہی ہے اور قلی نے اپنے ماحول کو اپنے کلام کا اتنا محتاج بنالیا تھا کہ اس کو ہر روز شعر و سخن سے دلچسپی لینا پڑتا، وہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

صدقے نبی ﷺ قطب شہ یوں شعر بولے ہر دن　　دریا کو روز جوں ہے موجاب کا طلوع

اس کی روزانہ مشق نے اگر قلی کو ایک بلند پایہ شاعر بنادیا تو کونسی عجیب بات ہے یہ تو اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ محمد قلی جیسا بادشاہ اس کی سرپرستی میں منہمک ہو گیا، محمد قلی نے ہر صنف ہر طبع آزمائی کی ہے خاص کر ادب میں اور اس کے علاوہ اس نے اپنے آپ کو صرف ادب کے دائرے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ پوری زندگی ہر چھوٹی بڑی اہم اور غیر اہم بات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اس کی کلیات میں شاید ہی کوئی ایسی صنف ہو جس پر اس نے طبع آزمائی نہ کی ہو،

اس میں قصیدے، مثنویاں، مرثیہ بھی ہیں اور غزلیں، قطعات، نظمیں اور رباعیاں بھی ہیں۔

اس نے اپنے کلام میں دو باتوں کو زیادہ اہمیت دی ہے ایک "مذہب" دوسرا "عشق" مذہب اس لئے پیارا ہے کہ اس کی مدد سے زندگی حکومت دولت عروج اور دنیوی اعزاز حاصل ہوا، عشق اس لئے عزیز ہے کہ اس سے زندگی میں رنگینی اور لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے عشق اور مذہب دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

مذہب کے اشعار

سدا تو مدح نبی کی و علی کی کہتا ہے　　قطب شہ شعر تیرا تو لکھے ہیں دست بدست
شعر تیرا معانی صدقے نبی　　لکھ لیتے ہیں ہاتے ہات گاتے پلات

عشقیہ اشعار

یوں سیتی ہت راکھی ہے اپ کمر　　سورج چند نمن جھکے زر کمر
میں اس نور سوں لبیدیاں ہوں کیا عجب　　دو جگ روشنی پایا کس نیں خبر

علالت

محمد قلی کو اپنے آباؤاجداد کے مقابلے میں بہت کم عمر ملی اگر چہ دوسری چیزوں میں قدرت نے اس سے فیاضی سے کام لیا قلب و دماغ کی جو، قوتیں اس کو عطا کی گئیں تھیں اس کے کسی پیشرو کو نہیں دی گئیں تھیں۔ اس کی عیش و عشرت نے اس کی زندگی پر برا اثر ڈالا اور اس کی رندی و بے باکی نے اس کو ہمیشہ اپنی صحت سے لاپروار کھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کثرت سے شراب نوشی کی وجہ سے کمزور ہو گیا اور کمزوری بیماریوں کی میزبان ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آباؤاجداد کے مقابلے میں لاغر و نحیف نظر آتا تھا اپنے کلام میں کئی جگہ اس نے علالت کا ذکر کیا ہے اور

شفاء قلی کے لئے دعائیں کی ہیں

وفات

آخر وہ دن آہی گیا جس کو دور سے دور رکھنے کے لئے دعائیں مانگا کرتا تھا کثرت سے شراب نوشی کیوجہ سے اس کے جسم کو گھن سالگ گیا تھا آخر کار ماہ رمضان ۱۰۲۰ھ میں وہ بیمار پڑا اور ڈھائی مہینہ تک بخار کا سلسلہ جاری رہا (قلی قطب شاہ محبوب الزمن دوم) روز بروز اس میں شدت آتی گئی آخری دو روز میں اس کے مرض نے ایسی شدت اختیار کرلی کہ حد درجہ ضعیف ہوگیا (محمد قلی قطب شاہ، حدیقۃ العالم/۲۶۰) اور پھر وہ سنبھل نہ سکا غرض ہفتہ کی صبح میں بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ میں اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں اور وہ صرف ۴۷ سال کی عمر میں دنیا اور اس کی عشرتوں اور کامرانیوں کو سوگوار چھوڑ گیا۔

دریغ آن شہنشاہ ہندوستان جم تاج بخش و ممالک ستاں
دریغ آنکہ نہ بیند سپہر نظیرش در آئینہ ماہ و مہر

محمد صابر
متعلم : ششم عربی

اقبال کی شخصیت کے تعمیری عناصر

اقبال پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ان کا خاندان کشمیری برہمنوں کا خاندان تھا اور ان کے جد اعلی دو صدی قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے اسی وقت سے ان کے خاندان میں صلاح و تقویٰ قائم رہا ان کے والد محترم بھی ایک ولی کامل انسان تھے (نقوش اقبال ۱۸)

تعلیم کا آغاز

اقبال نے انگریزی تعلیم اپنے شہر کے اسکول میں حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے شہر کے کالج میں پڑھنے لگے جہاں ان کو سید میر حسین جیسے کامل استاد سے پڑھنے کا موقع ملا جو اپنے تلامذہ میں اپنا رنگ اور علمی ذوق پیدا کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

اقبال بھی ان سے متاثر ہو کر علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر عمر تک ان کا احسان نہ بھلا سکے، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے اقبال سیالکوٹ سے لاہور گئے اور گورنمنٹ کالج میں داخل لیا فلسفہ، عربی اور انگریزی مضامین اختیار کر کے بی۔اے کی سند حاصل کی،

پھر اقبال وہیں مسٹر ارنلڈ سر شیخ عبد القادر (مدیر مخزن) سے متعارف ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں اقبال کی نظم چاند اور دیگر نظمیں مخزن میں شائع ہوئیں۔ اور اسی عرصے میں اقبال نے فلسفہ میں امتیازی حیثیت سے ایم۔اے پاس کیا اس کے بعد تاریخ، فلسفہ سیاسیات کے لکچرر کی حیثیت سے اورنٹیل کالج لاہور میں ان کا تقرر ہوا۔ پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے استاد مقرر ہوئے جہاں طلبہ سے لیکر اساتذہ تک سبھوں نے آپ کے علم و فضل کا لوہا مانا ۱۹۰۵ء میں کیمبرج میں داخل ہوئے فلسفہ اور معاشیات کی امتیازی ڈگریاں حاصل کیں، اور تین سال تک لندن میں قیام پذیر رہے اس عرصے میں اسلامی موضوعات پر خطبات و مقالات کا سلسلہ بھی جاری رہا جس سے آپ کی شہرت و مقبولیت علمی حلقوں میں پھیلتی رہی اس کے بعد اقبال نے میونخ جاکر ڈاکٹریٹ کی ڈگری

حاصل کی پھر لندن واپس ہو کر قانون کا اعلیٰ امتحان پاس کر کے کامرس کالج لندن میں استاذ مقرر ہو گئے پھر سیاسیات اور اقتصادیات میں امتیاز کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں عازم وطن ہوئے (نقوش اقبال ۱۸)

اقبال کی شخصیت

اقبال کی شخصیت میں کچھ ایسے تخلیقی عناصر ہیں جنہوں نے اقبال کے اندر ایک قسم کی رنگا رنگی پیدا کر دی اور اقبال کو ہمعصروں سے زیادہ دل آویز اور باعث کشش بنادیا وہ چند عناصر ایسے ہیں جن کا تعلق اقبال کی علمی ادبی اور تعلیمی کوششوں سے بہت کم ہے اقبال کی شخصیت میں جو جامعیت و بلندی فکر و خیال سوز و درد کشش و جاذبیت نظر آتی ہے ان کا تعلق اقبال کی زندگی کے اس رخ سے ہے جسے ہم یقین و ایمان کہتے ہیں، اقبال کی شخصیت کے بنانے سنوارنے اور پروان چڑھانے میں عصر حاضر کے صرف ان تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا ہاتھ نہیں جس میں اقبال نے داخلہ لے کر علوم عصریہ اور علوم مغربیہ حاصل کیئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال علوم جدیدہ اور مغربی تعلیم کا حصول ہندوستان انگلستان اور جرمنی میں ماہر اساتذہ سے کرتے رہے اور اقبال وہاں کے علم و فن کے چشموں سے سیراب ہوتے رہے یہاں تک اقبال عالم اسلامی میں مغربی علوم و افکار اور تہذیب و تمدن کے ماہرین میں منفرد شخصیت کے مالک بن گئے بلکہ ان بلندیوں کا سبب ایک دوسرا تعلیمی ادارہ ہے جس میں اقبال نے تعلیم و تربیت حاصل کی بڑھے اور پروان چڑھے (نقوش اقبال ۲۶)

یہی وہ ایک ادارہ ہے جس نے بھی اس میں تعلیم و تربیت حاصل کی اس کی ناکامی کا کوئی سوال نہیں وہاں سے جو نکلا وہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔ وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں صرف ائمہ فن مجتہدین فکر واضعین علوم قائدین فکر واصلاح اور مجددین امت پیدا ہوتے ہیں وہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں تاریخ پڑھائی نہیں جاتی بلکہ تاریخ بنائی جاتی ہے وہاں افکار و نظریات کی تشریح و توضیح نہیں ہوتی بلکہ افکار و نظریات وضع کئے جاتے ہیں یہ وہ ادارہ ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں پایا جاتا ہے، یہ ایک داخلی مدرسہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور ہر انسان اسے اٹھائے ہوئے ہر مقام لئے پھرتا ہے، وہ دل کا مدرسہ ہے اور ضمیر و وجدان کا ادارہ ہے اقبال کی سیرت و شخصیت اور ان کا علم و فضل اور اخلاق سب کا سب مرہون منت ہے اسی قلبی ادارہ کا جس میں اقبال نے برسوں زانوئے تلمذ اختیار کیا، اگر آپ اقبال کے کلام کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اقبال کو خارجی مدرسہ کے بنسبت داخلی مدرسے نے ان کی زندگی میں ایک درد و سوز تب و تاب اور ایک نئی قوت و توانائی بخشی اگر وہ اپنے داخلی مدرسہ میں تعلیم و تربیت حاصل نہیں کرتے تو پھر نہ ان کی یہ جاذب نظر شخصیت ہی ظاہر ہوتی اور نہ ان کا شعور و وجدان اس قدر شعلہ تپش نظر آتا اور نہ ہی ان کا آفریں پیام قلب و نظر کے لئے سوز جاوداں ثابت ہوتا (نقوش اقبال ۲۸)

اقبال کو داخلی مدرسہ میں اول ہی دن جو درس حاصل ہوا وہ ایمان و یقین ہے۔ یہی یقین و ایمان اقبال کا سب سے پہلا مربی و مرشد ہے یہی ان کی طاقت و قوت اور حکمت و فراست کا منبع اور سرچشمہ ہے لیکن اقبال کا یقین و ایمان اس خشک جامد ایمان کی طرح نہیں جو بے جان تصدیق یا محض عقیدہ کا نام ہے بلکہ اقبال کا یقین عقیدہ و محبت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جو ان کے قلب و وجدان ان کی عقل و فکر ان کے ارادہ و تصرف ان کی دوستی و دشمنی اور ان کی پوری زندگی پر چھایہ ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں شدید الایمان تھے۔ اور سول ﷺ کے ساتھ ان کی محبت و شفقت انہی درجہ کی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا زندہ جاوید دین و مذہب ہے کہ اس کی تعمیر کے بغیر انسانیت فلاح و سعادت کے بام عروج تک نہیں پہونچ سکتی اور نبی اکرم ﷺ رشد و ہدایت کے آخری مینارہ نبوت اور رسالت کے خاتم اور مولانائے کل ہیں ۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ و وادیٔ سینا

(نقوش اقبال ۲۹)

دوسرا عنصر

اقبال کی شخصیت کو بنانے والا دوسرا عنصر قرآن ہے جو آج ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے مگر افسوس کہ آج خود مسلمان اس کی روشنی سے محروم اس کے علم و حکمت سے بے بہرہ ہے۔ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرتے گذار دی، قرآن پڑھتے، قرآن بولتے اور قرآن سوچتے، قرآن ہی ان کی وہ محبوب کتاب تھی جس سے انہیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوا اس سے انہیں ایک نا یقین نئی روشنی اور ایک نئی قوت و توانائی حاصل ہوئی ۔

جوں جوں ان کا مطالعہ قرآن بڑھتا گیا ان کی فکر میں بلندی اور ایمان میں زیادتی ہوتی گئی کیوں کہ قرآن ایک ایسی زندہ جاوید کتاب ہے جو انسان کو علم لدنی اور ابدی سعادت سے بہرہ ور کرتی ہے وہ ایک ایسی شاہ کلید ہے کہ حیات انسانی کے جس شعبے میں بھی لگائی جائے وہ کھل جائے گا۔ وہ واضح دستور اور ظلمتوں میں نور کا مینارہ ہے

(نقوش اقبال ۳۴)

تیسرا عنصر

جس کا اقبال کی شخصیت کے تعمیر میں بڑا دخل ہے وہ عرفان نفس اور خودی ہے اقبال نے عرفان ذات پر بہت زور دیا کہ جب تک عرفان ذات نہ حاصل ہو اس وقت تک زندگی میں نہ سوز و مستی ہے نہ جذب و شوق اس

سلسلہ میں اقبال کا یہ شعر ان کے فکر کی پوری ترجمانی کر رہا ہے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(نقوش اقبال ۳۵)

چوتھا عنصر

جس نے اقبال کی شخصیت کو پروان چڑھایا اور اس کی شاعری کو نت نئے معانی اور افکار کی جولانی اور قوت و تاثیر عطا کی وہ اقبال کی آہ سحر گاہی ہے جب سارا عالم خواب غفلت میں پڑا سوتا رہتا ہے، اس آخر شب میں اقبال کا اٹھنا اور اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہونا پھر گڑگڑانا اور رونا یہی چیز تھی جو ان کی روح کو نئی نشاط اور ان کے قلب کو ایک نئی روشنی اور اس کو ایک فکری غذا عطا کرتی ہے، پھر وہ ہر دن اپنے دوستوں کے سامنے ایک نیا شعر پیش کرتے ہیں جو پوری انسانیت کو ایک نئی قوت اور نئی زندگی عطا کرتا ہے اقبال کے نزدیک وہ سحر گاہی زندگی کا بہت ہی عزیز سرمایہ ہے، بڑے سے بڑے عالم وزاہد اور حکیم و مفکر اس سے مستغنی نہیں چنانچہ اقبال کہتے ہیں۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

(نقوش اقبال ۳۸)

آخری مؤثر عنصر

جس کا اقبال کی شخصیت کو پروان چڑھانے میں اہم حصہ ہے وہ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی ہے۔ اردو زبان و ادب میں مولانا رومی کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش ہمیشہ سے ہی کی گئی۔ گجرات کے مشہور شاعر شیخ خوب محمد چشتی نے اپنی مثنوی خوب ترنگ مولانا روم ہی کے انداز میں لکھی او بیجاپور گولکنڈہ کے شاعروں نے بھی اپنی مثنویوں میں مولانا رومی کی تقلید کی کوشش کی مگر ان تمام کوششوں کے باوجود کوئی بھی شاعر مولنا رومی کے اعلیٰ تصورِ عرفان اور فلسفیانہ مسائل کو شاعرانہ انداز میں اس انداز سے نہ پیش کر سکا جو مولانا رومی کا حق تھا ڈاکٹر زور لکھتے ہیں یہ کام اللہ رب العزت نے اقبال کی قسمت میں لکھا تھا اقبال نے جب مثنوی روم کا مطالعہ کیا تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ قرآن کے مطالب و معانی کو فلسفہ و عرفان کے رنگ میں سمانے کی مولانا روم نے جس طرح کوشش کی ہے اسی طرح سے ان کو اردو زبان میں بھی کرنا چاہیئے۔ اس طرح سے اقبال نے اردو اور فارسی دونوں میں ان

نظریات کو بیان کیا (نگارشات زور)

یہی وہ پانچ عناصر ہیں جنہوں نے اقبال کی شخصیت کی تخلیق کی در حقیقت یہ عناصر اسی دوسرے مدرسہ کی فیض وتربیت کے نتائج ہیں جس نے اقبال کو مظبوط عقیدہ قوی ایمان سلیم فکر اور بلند مقام عطا کیا اور جس نے اقبال کو اقبال بنادیا۔ (نقوش اقبال ۴۱)

محمد ظہیر صادق
متعلم : سوم عربی

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے مکاتیب پر ایک نظر

ہندوستان کی سرزمین ہر دور میں مردم خیز رہی ہے، اور اس مقدس سرزمین پر ہر زمانے میں بڑے بڑے دقیق النظر اور کامل الفن عالم، وسیع النظر محدث، نکتہ شناس اور نکتہ آفریں مفسر، بالغ نظر فقیہ و متکلم، وسیع النظر مؤرخ، سیال قلم مصنف، سحر بیاں مقرر، کامیاب مدرس، نامور علماء و مشائخ کثر تعداد میں پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کی ظاہری و باطنی خدمات سے اس ملک اور دیگر ممالک کو روشنی اور مدد ملتی رہی ہے، انہی گنے چنے افراد و اشخاص میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ ہیں، آپ کی پیدائش ضلع پٹنہ میں ۹/ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو ہوئی، آپ کی طالب علمانہ زندگی کا دور تین مرحلوں سے گذرا، پہلا دور گیلان ہی میں گذرا، جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور آپ کے استاذ مولانا ابو نصر صاحب (جو آپ کے چچا خاص) تھے اور دوسرا دور ٹونک میں گذرا۔ جہاں آپ نے معقولات کی تمام کتابوں کا درس مولانا برکات احمد صاحب و مولانا محمد اشرف صاحب سے حاصل کیا، تیسرا دور دیوبند میں گذرا، یہاں آپ شوال ۱۳۳۱ھ سے لیکر ۱۳۳۲ھ تک رہ کر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ و مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ وغیرھم جیسے ماہر علم و فن سے فقہ و حدیث کا درس حاصل کیا اور فراغت حاصل کی، بعدہ آپ نے اولا ٹونک میں چند ماہ تدریسی خدمات انجام دی پھر آپ اس کے بعد ڈیڑھ سال مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس و مدیر رسالہ رہے، اور پھر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا آپ وہاں سے کوچ فرما کر حیدر آباد تشریف لائے اور یہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت صدر شعبۂ دینیات ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک وہاں کے طلبہ کو اپنی علمی، تحقیقی، ادبی، اصلاحی، صلاحیتوں سے فیضیاب ہونے کا موقع دیا، تصنیفی میدان میں بھی آپ کا دائرہ فیض بہت وسیع رہا۔

"النبی الخاتم" "الدین القیم" "تذکرۂ شاہ ولی اللہ" "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت"

"تدوین حدیث" "سوانح قاسمی" "تدوین قرآن" "تدوین فقہ" "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" "حضرت ابوذر غفاریؓ" آپ کی مشہور تصنیفات ہیں، ان کتابوں میں علوم و معارف کا خزانہ موجود ہے، جو دیگر کتابوں میں تلاش و جستجو سے نہیں ملتا، اسی طرح آپ کے قلم کی روانی سے نکلے ہوئے وہ علمی، اصلاحی، تدبیری، تعمیری، اور تعلیمی، خطوط جو اس کرۂ ارض کے مختلف خطوں اور حصوں میں مختلف نوعیت اور نہج کے بڑی بڑی اونچی ہستیوں کے پاس روانہ کئے گئے ایک خاص امتیاز کے حامل ہیں، اور علم و تحقیق کے متلاشیوں کے لئے اس میں بہت کچھ جواہر موجود ہیں، مولانا کی تحریری صلاحیت کے اندر ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کوئی مقالہ یا تالیف کتاب یا خط لکھنے بیٹھتے تو صرف آمد ہی آمد ہوتی آورد کا نام و نشان بھی نہ ہوتا، مولانا کے خطوط "حیات گیلانی" مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے" "مکاتیب گیلانی" میں موجود ہیں، ان خطوط سے ان کی علمی جامعیت، گہری بصیرت، تعمیری دلچسپی، خرد نوازی، اور آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، اس مختصر سے مضمون میں مولانا کے تمام خطوط پر تبصرہ ممکن نہیں، بطور نمونہ چند پہلو ذکر کئے جاتے ہیں ۔

دفاع حق

مولانا کے یہاں علوم و معارف بھی ہیں، اور تنقید و تردید بھی ایک دفعہ کا ذکر ہے۔

پروفیسر اجمل نامی ایک شخص نے ترتیب قرآن پر کوئی مضمون لکھا مولانا اس کو پڑھ کر بے چین ہو گئے بہت غصہ آیا کہ اس جاہل نے بے سمجھے کیا سے کیا لکھ دیا چنانچہ آپ نے ایک خط "مولانا ابوالحسن علی ندویؒ" کو لکھا اور اس میں تحریر فرمایا،

"آپ کو شاید میرے جنون کا حال معلوم نہیں، اجمل نامی پروفیسر کے نام سے مدینہ (اخبار بجنور) میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع ہوا، غصہ آرہا تھا دبا نہ سکا، رات کو قلم اٹھایا، پراگندہ خیالات سمیٹے اور لکھ کر مدینہ اخبار کو بھیج دیا، مسودہ تیار ہی کب تھا، وہی مسودہ، وہی مبیضہ تھا" (حیات گیلانی/ ۲۲۸)

اس خط سے مولانا کے درد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حق کے خلاف کوئی آواز اٹھاتا تو فوراً اس کی تردید کرتے اس کے بغیر ان کو سکون نہیں ملتا تھا۔

غیرتِ دینی

مولانا جہاں قرآن و حدیث کے سلسلہ میں بے حد متصلب تھے وہیں مولانا عقائد و نصوص اور حدودِ دین کے بارے میں بھی بے انتہا حساس اور غیور تھے، لیکن آپ کا اسلوب بحث اور طرز تحقیق و استدلال بالکل عصری اور جدید عقلوں کو اپیل کرنے والا ہوتا تھا، مولانا اس تعلق سے اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں،

"یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری ہی جماعت کا آدمی کیوں نہ ہو، لوگوں میں اس کی برائی جس حد تک بھی مسلم ہو، لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا، تو پھر کسی کا لحاظ نہ کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو، "و ان فاطمة بنت محمدٍ لو سرقت لقطعت یدھا" ہمارے دین کی امتیازی شان ہے ،

(حیات گیلانی ۲۰۶)

مسلمانوں کے حالات پر درد و کراہ

آپ کی نظر، تاریخ، عصری حالات و مسائل، اور مختلف علاقوں کے دینی و فکری تغیرات پر بڑی گہری تھی، اور ان سے بہت جلد اور زیادہ متاثر ہوتے تھے،

"حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ" کا مشرق وسطیٰ والا سفر نامہ جب آپ کی نظر سے گذرا تو تحریر فرمایا، "بس تڑپ رہا ہوں، کراہ رہا ہوں، کیا ہوگا اور ورطہ سے دین کا سفینہ کیسے نکلے گا؟ بھلا جب اپنے ہاتھوں سے مسجدوں میں مسلمان تصویر لٹکانے لگے اور دنیائے اسلام کے سب سے بڑے دینی مرکز کے علماء نے اعفا اللحی کا ترجمہ "عفت الدیار محلہا و مقامہا" کی روشنی میں کر کے اس پر اجماع منعقد کر لیا ہے، تو دین کو اب کہاں ڈھونڈیں؟ کیا عرض کروں منہ لپیٹے آپ کی کتاب کو پڑھنے کے بعد پڑا ہوا ہوں (حیات گیلانی ۲۱۰)

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو مسلمانوں کے دینی احوال سے کتنا گہرا لگاؤ تھا کیسی فکر اور کتنا درد تھا،

اپنے کو چھپانے کا انداز

مولانا کے اندر کبر و غرور چھو کر نہیں گذرا تھا، ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے اور اسی طرح پیش آتے اپنے آپ کو چھپانے کا بڑا جذبہ تھا، لوگ اپنے آپ کو ابھارتے ہیں، مگر مولانا اپنے آپ کو مٹانے کی فکر میں رہتے تھے، اگر کوئی حسنِ عقیدت کا اظہار کرتا تو اس کو یقین دلاتے کہ میں ایسا نہیں ہوں محض تمہارا حسنِ ظن ہے، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"آپ نے اپنے اس کارڈ میں جو اس سے پہلے آیا تھا، اس فقیر کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کا قطعی استحقاق نہ تھا، اسی قسم کے حسنِ ظن کو اس جہول و ظلوم کے ساتھ قائم فرمالیا ہے، اکبر مرحوم کا شعر ہے،

اکبر کی حقیقت اصلی کو پوچھو اس کے محلّہ والوں سے ہاں شعر تو اچھا کہتا ہے دیوان تو ان کا دیکھا ہے

اچھا شعر اور صاحب دیوان ہونا دوسری بات ہے، اور محلّہ والوں کے سامنے آدمی کیا سمجھا جاتا ہے، اس کی اصلی حقیقت وہی ہوتی ہے، آپ جیسے صادق الامین والدین کے حسنِ ظن کو دیکھ کر اس کی امید قائم کر لیتا ہوں کہ

شاید معاملہ کرنے والا حسنِ ظن کی رعایت فرمائے تجربہ سے زیادہ اسی کی تائید ہوتی رہتی ہے،

(حیات گیلانی ۲۶۰)

مولانا موضوع اور مکتوب الیہ کی مناسبت سے کبھی طویل اور استدلالی خطوط بھی تحریر فرماتے تھے۔

دعوتِ اسلام کی فکر

آپ کا سینہ انسانیت کے درد سے لبریز تھا، اور ہندوستان کے غیر مسلم اقوام کو دعوت اسلام کے سلسلے میں حد درجہ بے چین تھے، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"چالیس سال سے زیادہ زمانہ گذرا، جب سے یہ سوال دماغ میں گردش کر رہا ہے، کہ اس کفرستان میں قیام کی وجہ ..... وجیہہ کیا ہو سکتی ہے، محمد ﷺ کے غلاموں کی اتنی بڑی آبادی اور اس پر بھی بیس بائیس کروڑ نفوس ایسے رہ گئے جنہوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانا، نہ انہوں نے پہچانا اور نہ پہچان کے لئے جو بھیجے گئے تھے، انہوں نے دھیان دیا، وہ حکومت و سیاست کے حقوق میں کچھ دن الجھے رہے، ان سے نجات ملی، تو اب پیٹ اور روٹی کا جھگڑا ہے ..... ہر روز آدمؑ کی اولاد کی اتنی بڑی تعداد مسلسل جہنم میں ٹپکتی اور گرتی جا رہی ہے، لیکن ہم اس تانتے کو دیکھ رہے ہیں، دوہی صورت ہے یا یہ واقعہ جہنم میں گرنے کا دھوکہ ہے، یا دھوکہ نہیں واقعہ ہے، تو پھر

اگر بینی کہ نا بینا و چاہ است اگر خاموشی بنشینی گناہ است

خدا کرے یہ گرہ کھل جائے، اور جس کے لئے ہم بہار آئے تھے وہ یاد آجائے

اسی مضمون کا ایک خط علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کو بھی لکھا،

آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں، دینی خدمات کا شعور جب سے دماغ میں پیدا ہوا ہے ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا رہا ہے، کہ ہندوستان کے غیر مسلم اقوام تک اسلام کو بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے، میرا خیال ہے کہ موجودہ مسلمانوں کو زندہ کرنے کی کوشش لاحاصل کوشش ہے، ہاں ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ سے اگر آجائے، تو ممکن ہے کہ یہ اس کی حرارت سے ان پرانے تھکے ہوئے، اگھائے ہوئے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو، مگر براہِ راست ان کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مردوں کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے ہم مثل سمجھ رہا ہوں، جب حکیم الامت (تھانویؒ) کی اسی سال کی حکومت میں یہ سوئے ہوئے رہے، اور کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آیا، کہ ان میں کون آیا، اور کون ان کو چھوڑ کر چلا گیا، تو اب دوسروں سے متاثر ہوں گے؟ میری سمجھ میں یہ

بات نہیں آتی، بہار ہی ممکن تھا کہ معیار ہو جاتا، لیکن اس کا ماحول قطعاً بدل گیا اور اب تو اسلام سے یہ صوبہ بہت دور ہو گیا۔ (حیات گیلانی/ ۲۸۳)

بیجا تکلفات سے گریز

مولانا اپنی تحریر و تالیف اور خطوط میں خواہ مخواہ تکلفات سے بے حد اجتناب کرتے تھے مولانا اور مصنفوں کی طرح کوئی کسی موضوع پر تکلف نہیں لکھتے تھے بلکہ صرف اسی وقت تک لکھتے جب تک آمد کا سلسلہ جاری رہتا اور پھر اس پر نظر ثانی یا اصلاح کی نوبت بھی کم ہی آتی تھی، سید سلیمان ندویؒ کو لکھا

"ایک دفعہ جھونک میں لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا، اب پھر اس پر نظر ثانی، حک و فک اور اصلاح میرے لئے مشکل ہے (حیات گیلانی/ ۲۰۱)

مگر قلم کی روانی اور ذہن و فکر کی بلند پروازی میں یگانۂ روزگار تھے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے، ایسا معلوم ہوتا کہ سمندر جوش مار رہا ہے جدید و قدیم مواد اور معلومات کا بڑا ذخیرہ مولانا کے ذہن و دماغ میں ہر وقت جمع رہتا تھا جو لکھتے وقت صفحات قرطاس پر پھیلتا جاتا تھا، مولانا علی میاں ندویؒ نے مولانا گیلانی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، وسعتِ بلندی، رسوخ فی العلم، اور ذکاوت و ذہانت میں ان کی نظیر اس وقت ممالکِ اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے، والغیب عند اللہ، اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے، جو یوروپ میں پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوتا ہے، اور اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا نہ ہو (حیات گیلانی ۲۰۷)

ایک دفعہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مولانا کو لکھا کہ آپ خوب لکھ رہے ہیں گویا بارش ہو رہی ہے، اس کے جواب میں مولانا نے لکھا کہ،

"یہ آپ نے خوب لکھا ہے کہ میں مینہ برسا رہا ہوں سچ عرض کرتا ہوں لکھنے کے لئے فقیر نے اب تک خود کچھ نہیں لکھا ہے، جو کچھ بھی ہو جاتا ہے، کوئی سر پر سوار ہو کر لکھوا لیتا ہے، یا اسی قسم کی کچھ مجبوریاں پیش آجاتی ہیں" (حیات گیلانی ۲۰۸)

چھوٹوں کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی

مولانا کھل کر اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے کوئی علمی مشورہ کے لئے خط لکھتا تو ایسی حوصلہ افزائی کرتے، کہ وہ کبھی کبھی دھوکہ میں مبتلا ہو سکتا تھا، ان خطوط کا کم از کم اثر یہ ہوتا کہ اسے اپنے شعور و ادراک پر اعتماد پیدا ہوتا، اور وہ اپنے کو علمی طور پر بنانے سنوارنے میں لگ جاتا، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب، رقم طراز

ہیں کہ مولانا نے میرے پہلے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ،

"ملنے کے بعد دل آپ سے مل گیا تھا، اس لئے کبھی کبھی خیال آتا رہا، برہان میں آپ کے مضمون کی متعدد قسطیں نظر سے گذریں، ماشاءاللہ، آپ نے بڑی محنت کی ہے، انشاءاللہ، آئندہ آپ سے توقع ہے کہ زیادہ بہتر کام قدرت لے گی۔

اور پتہ اس طرح لکھا، "الی بحر الصالح البار الراشد السعید مولنا مفتی ظفیر الدین صاحب"

یہ تھا مولانا کی ہمت افزائی و حوصلہ افزائی کرنے کا طریقہ، پھر مفتی ظفیر الدین صاحب، حیات گیلانی ۲۸۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

"اس حوصلہ افزائی کا اس دور میں کسی فاضل سے تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ حضرت گیلانیؒ کے ان قلمی القاب کی لاج رکھ لے اور مجھے کسی لائق بنادے۔ ظفیر"

الغرض مولانا نے اپنی تصنیفات کی طرح اپنے مکاتیب کے ذریعہ بھی، علم، علما، دین اور امت مسلمہ کی بڑی خدمت انجام دی، ان کے مکاتیب علم وادب کی لائبریری کے لئے بیش بہا عطیہ ہے، اور نئی نسل کے لئے مینارۂ نور ہے، ان مکاتیب کی جتنی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو، اور ان سے جتنا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے کم ہے، اللہ آپ کے فیض سے عالم کو بلند فرمائے، اور اپنی شان کے مطابق حضرت مرحوم کو جزائے خیر سے نوازے، آمین،

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

محمد حبیب الرحمٰن صادق
متعلم : پنجم عربی

﴿مذاہب﴾

شیعیت ___ ایک تعارف

مسند احمد مستدرک حاکم، کامل ابنِ عدی وغیرہ حدیث کی متعدد کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ان سے فرمایا کہ اے علی تم کو عیسیٰ بن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض وعداوت کا رویہ اختیار کیا" یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر بدکاری کا بہتان لگایا" اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ انکا نہیں تھا، (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، دوسرے بغض وعداوت میں حد سے بڑھنے والے جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں، (مشکوٰۃ المصابیح ر ۵۶۵ و کنز العمال: ۱۱ر ۶۲۳) ماخوذ از ایرانی انقلاب ر ۹۴) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰ نے جو کچھ فرمایا، اس کا ظہور ان کے دورِ خلافت ہی میں ہو گیا، خوارج کا ایک فرقہ آپؓ کی مخالفت وعداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپؓ کو مخرب دین، کافر، اور واجب القتل قرار دیا، اور انہی بد بختوں میں سے ایک شقی عبد الرحمٰن بن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے بد بختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلۂ جنت کا وسیلہ سمجھا، اور آپؓ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے آپؓ کو مقامِ الوہیت تک پہنچایا اور انہی شقیوں میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کو نبوت ورسالت کے درجہ کو پہنچادیا، اور کہنے لگے کہ آپ ہی نبوت ورسالت کے لائق تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی ورسول بنانا تھا، اور اللہ نے جبرئیل امین کو وحی لیکر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن حضرت جبرئیل کو اشتباہ ہو گیا، اور وہ وحی لے کر محمد ﷺ کے پاس پہنچ گئے، اور ان کے علاوہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کہا کہ آپ یعنی (حضرت علی) رسول اللہ ﷺ کے وصی اور آپؐ کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وخلیفہ اور سربراہِ امت تھے، اور رسول ﷺ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام ومرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے، اور کائنات میں تصرف اور علمِ غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپ حامل

تھے، یہ عقیدہ ان شیعیوں کا تھا جنہوں نے غلو کر کے حضرت علی کو الوہیت کے مقام تک پہونچایا، (ایرانی انقلاب/۹۵)

شیعیت کی تاریخ

جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ قریب قریب پورا جزیرۃ العرب عہدِ نبوی ﷺ ہی میں اسلام کے زیرِ اقتدار آگیا تھا، اور وہاں اسلام و مسلمانوں کے نہ کوئی ایسے دشمن باقی تھے جو دعوتِ اسلام کا راستہ روکیں، پھر عہدِ صدیقی آیا جو بہت ہی مختصر رہا، جس میں جزیرہ کے حدود سے باہر پیش قدمی کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اس کے بعد خلافتِ فاروقی کا زمانہ آیا تو اس وقت اسلام اتنی تیزی سے پھیلنے لگا کہ اس وقت دنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی (روم و فارس) کے بیشتر مقبوضہ علاقے اسلام کے زیرِ اقتدار آگئے، پھر فاروقِ اعظم کے شہادت کے بعد حضرت عثمانِ غنی کا دورِ خلافت آیا اس میں بھی دعوۃ حق اسی رفتار سے جاری رہا، جس کی بنیاد پر مختلف ممالک کے اور مختلف ادیان کے لوگ آکر اسلام میں داخل ہوئے، ان میں سے اکثر وہی تھے جنہوں نے اسلام کو دینِ حق اور وسیلہ نجات سمجھ کر دل سے قبول کیا تھا، لیکن ان میں سے بہت سے بدبخت ایسے بھی تھے جنہوں نے اس نیت سے اسلام قبول کیا تھا کہ آگے چل کر جب بھی موقع ملے تو وہ کسی بھی طرح فتنہ پیدا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچائیں۔ اسی طبقہ میں علاقۂ یمن کا ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا تھا، اس نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا، اور بعض روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا" (ایرانی انقلاب/۱۰۴)

اس کے اسلام قبول کرنے کی اصل مقصد یہ تھی کہ وہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنے خاص کر تبوں سے ان میں مقبولیت حاصل کر کے اندر سے اسلام کی تخریب و تحریب اور شقاق پیدا کرے، اس کے بعد وہ مصر پہنچا وہاں اس نے ایسے لوگوں کو پایا جن کو وہ اپنا آلہ کار بنائے اور اپنے کفر کی جال میں پھنسا کر ان کے ذریعہ مدد حاصل کر سکے اس کو مختلف واقعات کی روشنی میں یہ گڑ معلوم تھا کہ اگر کسی امت کو گمراہ کرنا ہو تو اس کی نظر میں محبوب اور مقدس شخصیت کے بارے میں غلو کر دیا جائے، تو وہ سب سے پہلا شوشہ یہ چھوڑا کہ مجھے ان مسلمانوں پر بہت تعجب ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا تو عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس طرح آمد کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ آپ ﷺ حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں آپ ﷺ یقیناً اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، (ایرانی انقلاب/۱۰۵)

پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ بات مان لی گئی جو اسلام اور قرآن کے خلاف تھی تو اس نے دوسرا نشانہ حضرت علیؓ کو بنایا، اور کہنے لگا کہ حضرتِ علیؓ کو آپ ﷺ سے خصوصی قرابت تھی اور آپ ﷺ کے بعد خلافت

اور امامت اور حکومت کی سربراہی دراصل حضرت علیؓ کا حق تھا، اور کہنے لگا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور وصی ہی نبی کے بعد امت کا سربراہ ہوتا ہے اور رسول ﷺ کے وصی حضرت علیؓ تھے، اس نے بتایا کہ تورات میں بھی آپ کو وصی رسول بتایا گیا تھا، لیکن رسول ﷺ کے بعد لوگوں نے سازش کر کے ابو بکرؓ کو خلیفہ بنا دیا، اور انہوں نے اپنے بعد کے لئے عمر کو نامزد کر دیا پھر ان کے بعد بھی آپ کے خلاف سازش ہوئی اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا، جو اس کے بالکل اہل نہ تھے، اس زمانہ میں حضرت عثمان اور ان کے بعض عمال کے خلاف الزامات اور شکایت مصر میں اور دوسرے شہروں میں شروع ہو گیا، اس زمانہ میں عبداللہ بن سبا نے پورا فائدہ اٹھایا، اور کہنے لگا کہ امت میں پیدا ہونے والے فتنہ کو دبانا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دینا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور اسی طرح مصر کے علاوہ اور دوسرے بعض شہروں اور علاقوں میں بھی اپنے کچھ ہم خیال بنا لئے (ایرانی انقلاب/۱۰۶) پھر ایک وقت آیا کہ اس نے اپنے معتقدین کے ذریعہ بہت سے جاہلوں اور سادہ لوحوں کو حضرت عثمان کے خلاف جد و جہد کرنے پر آمادہ کر لیا، اس کے بعد ایک لشکر تیار کر کے مدینہ منورہ پہنچ گیا، یہاں تک کہ آپ کو شہید کر دیا گیا، (ایرانی انقلاب/۱۰۷) اس کے بعد حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے، اور عبداللہ بن سبا کا پورا گروہ جس کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی اس نے عوام کو حضرت علی کے محبت کے سلسلہ میں انتہائی غلو کر دی یہاں تک کہ اس نے بعض سادہ لوحوں کو وہ سبق پڑھایا جو پولوس نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا، یہاں تک کہ وہ لوگ حضرت علیؓ کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ یہ اس دنیا میں خدا کے روپ میں بھیجے گئے ہیں، اور ان کے قالب میں خداوندی روح ہے اور گویا وہی خدا ہیں اور کچھ احمق یہ کہنے لگا کہ اللہ نے اصل نبی حضرت علی بن ابی طالب کو منتخب کیا تھا، لیکن حامل وحی فرشتے جبرئیل کو اشتباہ ہو گیا وہ غلطی سے وحی لے کر محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے، (استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله) آخر کار حضرت علی کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ انہی کے آدمیوں میں سے کچھ لوگ آپ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، تو آپ نے ان شیاطین کو آگ میں ڈال کر جلا دیا، (ایرانی انقلاب/۱۰۹)

شیعیوں کے مختلف فرقے

شیعیوں کے مختلف فرقے ہیں اس سے قبل جو کچھ بیان کیا گیا یہ شیعیت کی حقیقت کا مختصر تذکرہ تھا، کیوں کہ یہ دعوۃ و تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ساتھ چلائی جا رہی تھی اس لئے اس سے متاثر ہونے والے سب ایک ہی خیال اور عقیدے کے نہیں تھے، بعض تو وہ تھے جو حضرت علیؓ کو الوہیت یا ان کے اندر خداوندی روح کے حلول کے قائل تھے، اور بعض وہ تھے جو رسول ﷺ سے اور تمام انبیاء سے بھی افضل سمجھتے تھے اور بعض وہ تھے جو

حضرت علیؓ کو نبی مانتے تھے،اور حضرت جبرئیلؑ کے غلطی کے قائل تھے ،اور بعض وہ تھے جو حضرت علی کو آپ کے بعد کے لئے اللہ کے طرف سے نامزد امام و امیر اور وصیِ رسُول مانتے تھے اور خلفائے ثلثہ یعنی حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ اور ان تمام صحابہ کرامؓ کو جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد ان تینوں کو خلیفہ مانا اور دل سے انکا ساتھ دیا نعوذ باللہ کافر اور منافق یا کم از کم غاصب ظالم اور غدار کہتے تھے، بہر حال ان تمام کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی مرتضٰی کے بارے میں غلو کرنا! ابتدائی دور میں سب ایک ہی فرقے تھے لیکن بعد میں چل کر مختلف اسباب کی وجہ سے ان کے مختلف فرقے ہوگئے یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر سے بھی زائد ہوگئی، ملل و نحل کے مطالعہ سے ان کی کسی قدر تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے، حضرت علی کے بعد اماموں کی تعین کے بارے میں بھی انکا بہت اختلافات ہے جن کا شمار کرنا مشکل ہے، ان میں تو بہت ایسے ہیں جن کا دنیا میں وجود ہی نہیں ہے لیکن تاریخ کے اوراق میں صرف انکا نام و نشان باقی رہ گیا ہے لیکن اس دور میں بھی شیعیت کے چند فرقے پائے جاتے ہیں، ان میں تعداد کے لحاظ سے اور بعض دوسری حیثیتوں کے لحاظ سے بھی اثنا عشرہ کو امتیاز اور اہمیت حاصل ہے،

(ایرانی انقلاب ر ۱۱۱ر ۱۱۰)

فرقۂ اثنا عشریہ کے عقیدے

فرقہ اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے طرف سے انبیاء اور رسولوں کو بھیجے تھے اسی طرح اللہ نے رسول ﷺ کے وفات کے بعد سے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے امامت کا سلسلہ قائم فرمادیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک بارہ امام مقرر کردیا ہے، اور بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ اور قیامت ہے، اور یہ ہمارے امام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ ہیں، اور مرتبہ میں رسول اللہ کے برابر اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر ہیں، ان اماموں کی اس امامت پر ایمان لانا ایسا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے نبوت پر ایمان لانا ہے، اور ان کا عقید ہیکہ ان بارہ اماموں میں سب سے پہلے امام حضرت علیؓ تھے اور دوسرے امام ان کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ اس منصب کے لئے نامزد کردیئے گئے تھے، اور ان کے بعد کے لئے، ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ پھر ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے حضرت علی بن الحسینؓ (امام زین العابدین) ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے محمد بن علی، (امام باقر) ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے جعفر صادق ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے علی بن موسیٰ رضا ،ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے محمد بن تقی ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے علی بن محمد نقی ان کے بعد کے لئے ان کے بیٹے حسن بن علی عسکری ان کے بعد کے لئے بارہویں اور آخری امام محمد بن الحسن (امام غائب مہدی) جو شیعی

عقیدے کے مطابق اب سے تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر ۴یا۵ سال کی عمر میں معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور اب تک زندہ ایک غار میں روپوش ہیں ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا،

(صفحہ ۱۱۵۔ ۱۱۴ ایرانی انقلاب)

شیعیہ کافر ہیں

شیعیہ اس لئے کافر ہیں کہ وہ قرآن کو صحیح قرآن نہیں مانتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شان میں گستاخی کرتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ اہلِ بیت کے بارے میں برا بھلا کہتے ہیں، لہذا جس نے صحابہ کو اور اہلِ بیت کو برا بھلا کہا گویا کہ وہ نبی ﷺ کو برا بھلا کہا کیوں کہ صحابہ کی توہین نبی کی توہین ہے اگر کسی نے نبی کے شان میں غلو کیا اور کسی نے توہین کی تو شان میں غلو کرنے والا بھی خطرے میں ہے اور توہین کرنے والا بھی خطرہ میں تو شیعیوں نے حضرت علیؓ کی شان میں غلو کر کے حضرت علیؓ کو الوہیت کا درجہ دیا اور باقی تمام صحابہ کو مرتد قرار دیتے ہیں خاص کر شیخین کو (یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو) ان بد بختوں نے منافقت کا چولا اوڑھ کر اہلِ بیت کی جھوٹی محبت بنا کر سنا کر حضرت علیؓ کو الوہیت کا درجہ دیا اور باقی تمام صحابہ کو مرتد اور زندیق بتایا، جس نے صحابہ کو مرتد و زندیق کہا گویا کہ اس نے نبی ﷺ کو مرتد و زندیق کہا، جس نے صحابہؓ سے دشمنی کی اس نے نبی ﷺ سے دشمنی کی جس نے نبی ﷺ سے دشمنی کی گویا کہ اس نے اللہ سے دشمنی کی جس نے اللہ سے رسول ﷺ سے دشمنی کی وہ کافر ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے،،

☆☆☆

محمد محی الدین (دھنبادی)
متعلم : کلیۃ اللغۃ اول

قادیانیت ایک تعارف

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی لڑی گئی اس جنگ میں وسائل کی قلت اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے فرنگیوں کو غلبہ ہوا تو وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی زعماو مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ ہندوستان میں تمہاری حکومت کیسے قائم رہ سکتی ہے تو ہندوستان میں رہنے والے ایک بڑے سیاست دان ڈاکٹر ولیم یور نے جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھا کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہیں اور جنگ آزادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے مسلمانوں میں جب تک جذبہ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ ان پر حکومت نہیں کر سکتے اس لئے جذبہ جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ خود مسلمان کے خلاف آواز بلند کریں اور جہاد کو منسوخ قرار دیا جائے اس موقع پر ان کو کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو نبوت کا دعویٰ کرے اور پھر اس پر دے میں تنسیخ جہاد کا اعلان کر دے ان کی نگاہ مرزا غلام احمد قادیانی پر پڑی اور پھر باہمی سمجھوتے سے اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور دعویٰ نبوت کے بعد اولاً جہاد کو منسوخ قرار دیا پھر زندگی بھر انگریزوں کی ہمہ تن حمایت و نصرت کرتا رہا اور ان کے دوش بدوش چلتا رہا

نام اور مقام

مرزا کا نام غلام احمد۔ والد کا نام غلام مرتضیٰ مرزا کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں قصبہ قادیان ضلع گرووا سپو میں ہوئی ۱۹۶۸ء میں مرزا نے سیالکوٹ میں انگریزوں کی ملازمت اختیار کر لی اور چار سال تک ملازمت کرتا رہا تنسیخ جہاد کا اعلان اسی دوران کیا مرزا نے جہاد کے خلاف چند کتابیں لکھیں خود کہتا ہے میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگلیز کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو الماریاں ان سے بھر سکتی ہے میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب و عجم مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں

کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں (ترہان القلوب ر ۱۵)

دوسری جگہ لکھتا ہے میں نے بیسیوں کتابیں عربی فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد دورست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ر ۱۰)

ایک جگہ اور بھی صفائی اور اختصار کیساتھ لکھا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید پڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد ہوتے جائیں گے کیوں کہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ر ۱۷)

مضحکہ خیز حالات

مرزا صاحب بچپن ہی سے بہت سادہ مزاج کے تھے دنیا کی چیزوں سے ناواقفیت اور استغراقی کیفیت شروع ہی سے ان میں نمایاں تھی ان کو گھڑی میں چابی دینا نہیں آتا تھا (یاد ایام از قاضی محمد ظہور الدین قادیانی درجہ اخبار الحکم تاریان خاص نمبر ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء ماخوذ قادیانی مذہب) جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر ایک ہندسہ یعنی عدد سے گن کر وقت کا پتہ لگاتے تھے۔

اور انگلی رکھ کر ہندسے گنتے تھے اور منہ سے بھی گنتے تھے گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہنچان سکتے تھے (سیرۃ المہدی حصہ اول ر ۱۸۰) فرط استغراق میں بائیں جوتے کا امتیاز مشکل ہوتا تھا۔ بار بار پیشاب آنے کی وجہ سے اکثر جیب میں ڈھیلے رکھتے تھے اور شیرینی سے غیر معمولی رغبت کی وجہ سے گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔

(مرزا صاحب کے حالات مرتبہ معراج الدین عمر صاحب قادیانی شامل براہین احمدیہ جلد اول ۶۷)

جوان ہوتے ہی بھیانک امرض کا حملہ

جب مرزا نے شباب و جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو مرزا کو جوانی میں ہسٹریا کی شکایت ہو گئی کبھی کبھی اس کا ایسا دورہ پڑتا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے (سیرۃ المہدی حصہ اول ر ۱۷) مرزا صاحب کبھی اس کو ہسٹریا اور کبھی مراق سے تعبیر کرتے تھے ان کو ذیابطیس اور کثرت بول کی بھی شکایت تھی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں ایک دائم المرض آدمی ہوں آگے تحریر فرماتے ہیں ہمیشہ سر درد۔ دوران سر اور بدخوابی اور تنسیخ دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری بیماری جو میرے نیچے کے حصہ میں ہے وہ ذیابطیس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے (ضمیمہ اربعین ر ۳۔ ۴ باختصار)

دعویٰ مسیحیت ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے مرزا صاحب کتاب

فتح الاسلام اور اوہام کے اندر لکھتے ہیں مثیل مسیح اور مسیح موعود دونوں مترادف ہیں مرزا ان دونوں کو ان کتابوں میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں توضیح مرادم کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ اس نزول سے مراد در حقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں ہے بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام والہام الٰہی۔ یہی عاجز ہے

دعویٰ نبوت

۱۹۰۱ء میں مرزا نے نبوت کا دعویٰ کر دیا (سیرۃ المہدی حصہ اول ر ۳۹) دعوائے نبوت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ بس جیسا کہ میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سناتا ہوں یہ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں ظلی اور بروزی طور پر خدا کا نبی ہوں اور ہر ایک مسلمانوں کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے کیوں کہ جس امر کو اسے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا رد کر دیا میں صرف یہ نہیں کہتا کہ میں اگر جھوٹا ہو تا تو ہلاک کیا جاتا بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد اور آنحضرت ﷺ کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لئے خدا نے دس ہزار سے بھی زیادہ نشان دکھلائے ہیں۔ قرآن نے میری گواہی دی ہے رسول ﷺ نے میری گواہی دی ہے پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کر دیا ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے جو یہی زمانہ ہے اور میرے لئے آسمان نے بھی گواہی دی زمین نے بھی اور کوئی نبی نہیں جو میرے لئے گواہی نہیں دے چکا (تحفۃ الندوہ ر ۴) مرزا کی نبوت کی شہادت دیتے ہوئے ان کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود صاحب لکھتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی تھے آپ کا درجہ مقام کے لحاظ سے رسول کریم ﷺ کا شاگرد اور آپ کا ظلی ہونے کا تھا دیگر انبیا علیہم السلام میں سے بہتوں سے آپ بڑے تھے ممکن ہے سب سے بڑے ہوں۔

(مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۷ء ماخوذ قادیانی مذہب)

مرزا کے جھوٹے دلائل

مرزا غلام احمد قادیانی قرآن کی چند آیات کے ذریعے اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے (۱) "انا انزلناہ قریبا من القادیان و بالحق انزلنا بالحق نزل و کان امرلله مفعولا" ہم نے اس کو قادیانی کے قریب اتارا اور حق کے ساتھ اتارا ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور جو خدا نے ٹھہرا رکھا تھا وہ ہونا ہی تھا (انجام آتھم مترجم ر ۵۳ ربوہ) (۲) بشریٰ لك یا احمدی انت مرادی و معی انی جاعلك للناس اماما تجھے خوشخبری ہو

اے مرے احمد تو میرے مراد ہے اور میرے ساتھ ہے میں تیرا مددگار ہوں میں تیرا حافظ ہوں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا (انجام آتھم مترجم ر ۵۵ دیدور بورہ) (۳) قل ان کنتم تحبون اللہ قاتبعونی یحببکم اللہ کہہ دے اے نبی تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تاکہ خدا بھی تم سے محبت رکھے (انجام آتھم مترجم ر ۹۲۶)

(۵) وما ارسالنك الا رحمة اللعالمين ۔ اور ہم نے تجھے رحمت بنا کر بھیجا جہاں والوں کے لئے (حقیقۃ الوحی ر ۸۲ یا انجام آتھم ر ۷۸)

(۶) لولاك لما خلقت الافلاك اے مرزا اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا (الاستفتاء و فاتحہ حقیقۃ الوحی ر ۸۵)

(۷) محمد الرسول اللہ والذین معہ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی (ایک غلطی کا ازالہ ر ۴ ربوہ) بالآخر مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو باطل کے خلاف اللہ تعالیٰ نے حق کو پیدا فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹے نبوت کے استیصال کے لئے مجاہدین کی ایک جماعت کھڑی کردی جس کے ہراول دستہ ہیں وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ مولاناؒ نے مرزا کے خلاف باطل عقائد و نظریات کے دنداں شکن جواب دے کر مرزا کو لاچار کردیا آخیر میں مرزا نے خود مولاناؒ سے مباہلہ کی شرط لگائی چنانچہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف مباہلہ کیا اس میں مرزا نے اللہ تعالیٰ سے نہایت تضرح کے ساتھ گڑگڑا کر دعا و التجا کی یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے ۔

چنانچہ مرزا مولناؒ کی زندگی میں ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرض ہیضہ میں ہلاک ہو گیا قادیان میں مدفون ہوئے مرزا کی ہلاکت کے بعد مولنا مزید اکتالیس سال تک زندہ رہے ۔

﴿عقلیات﴾

محمد انصار اللہ
متعلم : ہفتم عربی

عہدِ نبوی کا نظام تعلیم و تربیت

تعلیم ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کی افادیت واہمیت کا ہر فرقہ ہر مذہب قائل ہے اگرچہ ہر مذہب اور ہر فرقہ میں حصول تعلیم کے نہج وطریقے مختلف ہیں تعلیم انسان کی ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسان ایک اچھی زندگی گذارنے میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔

جس طرح انسان بغیر کھائے پیئے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح وہ بغیر علم کے حقیقی اور خداخوابی زندگی نہیں گذار سکتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور سب سے پہلے ان کو علم سے روشناس کرایا۔ فرمایا وعلم آدم الاسماء کلھا اور سکھلادئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے تو دوسری جگہ علم کی برتری کے ثبوت کے لئے فرماتا ہے علم القرآن سکھلایا قرآن تو کہیں اللہ عالم اور جاہل کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے "ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون" کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ والے

اسی طرح حدیث شریف سے بھی تعلیم کی ضرورت اور افادیت ظاہر ہوتی ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

ابتدائے اسلام میں طریقہ تعلیم

بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں اسلامی تعلیم کے حصول کا طریقہ عصر حاضر سے بالکل مختلف تھا روایت میں آتا ہے کہ ابتدائے بعثت نبوی ﷺ کے زمانہ میں دارارقم کو دارالعلم کی حیثیت حاصل تھی۔ جہاں باقاعدہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کو ضروریات دین کی تعلیم دیتے تھے نیز صحابہ اکرامؓ بھی اپنے پیش آمدہ مسائل کو حضور ﷺ سے دریافت کرتے جس کا ان کو تشفی بخش جواب مل جاتا۔

یہ سلسلہ ہجرت عامہ تک چلتا رہا اس وقت تک مکہ میں دارارقم کو مخزن العلم منبع العلم دارالعلم کی حیثیت حاصل تھی بعد ہجرت اس کا قائم مقام مسجد نبوی ﷺ اور صفہ ہو گیا جہاں خود ہی سید المرسلین ﷺ اہل مدینہ اور مہاجرین اور دور دروازے سے آئے ہوئے تشنگان علوم اسلامی کو اسلام کی تعلیم دیتے حدیث شریف میں آتا ہے کہ

حضور اکرم ﷺ ہجرت عامہ کے بعد مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون ستوں ابو البابہؓ کے پاس فجر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جاتے تو آپ ﷺ ان لوگوں کو قرآن اور حدیث اور فقہ کا درس دیتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نماز فجر ادا فرما لیتے تو ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ جاتے ہم میں سے کوئی آپ ﷺ سے قرآن کے بارے میں کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا تو کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا۔ جمع الفوائد ج ا ص ۴۸) اسی طرح آپ ﷺ نے ایک صفہ نامی مدرسہ قائم فرما رکھا تھا جہاں دور سے آئے ہوئے حضرت اور مقامی بڑے بوڑھے اور نوجوان علم سیکھتے تھے روایات میں آتا ہے کہ طلبہ مدرسہ صفہ کی تعداد عام حالات میں ستر رہا کرتی تھی جس میں وقتاً فوقتاً کمی اور زیادتی ہوتی رہتی تھی

صحابہ میں تحصیل علم کا شوق

صحابہ کرامؓ میں تحصیل علم کا اتنا شوق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہر وقت ہم درسگاہ نبوی ﷺ میں شامل رہیں لیکن بعض معاشی اور گھریلو حالات سے مجبور تھے جس کی بناء پر صحابہ اور اپنے مابین باری لگا لیتے تھے کہ ایک روز ایک ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں رہے اور شام میں اپنے ساتھی کو تمام حاصل شدہ معمولات اور معلومات سے آگاہ کر دیں اسی طرح دوسرا دوسرے روز حاضر خدمت رہے اور وہ بھی حضور اکرم ﷺ کے اس دن کے افادات سے اپنے ردیف کو آگاہ کر دے حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں اور قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ایک انصاری جو میرا پڑوسی تھا ہم دونوں باری باری رسول ﷺ کے یہاں جاتے تھے ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جب میں جاتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی خبر لاتا اور جس دن وہ جاتا وہ بھی اسی طرح کرتا (بخاری باب التناول فی العلم)

نسلِ جدید کو تعلیم پر آمادہ کرنا

تحصیل علوم کے سلسلے میں رسول ﷺ لڑکوں اور نوجوانوں کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے اور ان کو تحصیل علم کی تاکید فرماتے تھے اور اس پر اجر و ثواب کی بشارت بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے ان کو حسب صلاحیت مناصب سے بھی نوازتے مثلاً آپ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عتاب اسیدؓ کو مکہ کا اور عثمان بن ابو العاصؓ کو طائف کا امیر و معلم بنا کر بھیجا جبکہ یہ حضرات نوجوان تھے ویسے درسگاہ نبوی میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام ہی حضرات کے ساتھ یکسانیت کا برتاؤ کیا جاتا اور ان کو ان کی ہمت افزائی کے لئے تحفہ و تحائف بھی دیئے جاتے روایتوں میں آتا ہے کہ وفد نجیب جب خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہونیکے بعد واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ نے ان تمام کو وہاں کے رسم و رواج کے مطابق تحفہ و تحائف عطا فرمایا اس کے بعد فرمایا تم میں کوئی بچ تو نہیں گیا وفد والوں نے کہا ہم ایک چھوٹے لڑکے کو قیامگاہ ہی پر چھور آئے ہیں حضور ﷺ نے اس لڑکے کو بھی بلایا اور اس کو تحفہ

تحائف عطا فرمائے اور اس کے لئے دعاء خیر فرمائی۔ حضور ﷺ کی مجلس میں اکثر حصول علم کے لئے آئے ہوئے افراد سن رسیدہ ہوا کرتے تھے امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے وقد تعلم اصحاب النبی ﷺ فی کبر سنھم (بخاری کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، ج ۱۔ ص : ۱۶) یہ کہ اصحاب نبی ﷺ نے کبر سنی میں علم حاصل کیا۔

درسگاہ نبوی میں عجمی طلبہ بھی شریک ہوا کرتے تھے وہ بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تمہارے پاس لوگ مشرق سے علم حاصل کرنے آئیں گے جب وہ آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (سنن ترمذی کتاب العلم) آپ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم حاصل کرنے والے خواہ کہیں کے ہوں ان کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا چاہئے کسی طالب علم کو کسی پر بلا وجہ فضیلت نہیں دینی چاہئے۔

تعلیم نسواں کا نظام

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی طرح صحابیاتؓ کے لئے بھی مناسب حال ان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام فرمایا کبھی تو حضور ﷺ عورتوں کی کسی خصوصی مجلس میں تشریف لیجا کر تعلیم و وعظ فرمایا کرتے تھے اور سن رسیدہ عورتیں اور رشتہ کی محرم عورتیں خود حضور ﷺ کے پاس آکر اپنے پیش آمدہ مسائل دریافت کر لیتیں دوسری صحابیات امہات المومنین سے مسائل معلوم کر لیتیں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ سے عورتوں نے کہا آپ کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں مرد ہم پر غالب ہیں اس لئے آپ ﷺ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں آپ ﷺ نے ان سے وعدہ فرمالیا جس میں آپ ﷺ ان کو وعظ فرماتے اور ان کو احکام بتاتے۔ صحیح بخاری کتاب العلم باب یجعل للنساء یوما علیحدۃ فی العلم، ج ۱۔ ص: ۲۰) آپ ﷺ کی انہی توجہات کا نتیجہ تھا کہ اس زمانے میں عورتوں میں بھی ایک سے ایک فقیہ پیدا ہوئیں۔ حضرت ابو رافع زینب بنت ابو سلمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کانت من افقہ نساء اھل زمانھا (الاستیعاب، ج ۲۔ ص: ۷۵۶) کہ وہ اپنے زمانے کی فقیہ ترین عورتوں میں تھی۔

امتحان اور سند کا سلسلہ

موجودہ زمانہ کے نظام تعلیم میں جو امتحان اور سند کا رواج عام ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ خود حضور ﷺ اپنے شاگردوں کا امتحان لیتے تھے۔ اور ان کو اسناد سے نوازتے تھے اگرچہ اس کی نوعیت موجودہ زمانہ کی نوعیت سے مختلف تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے قرآن

سناؤں میں نے کہا میں آپ ﷺ کو قرآن سناؤں حالانکہ قرآن آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں دوسرے کی زبانی قرآن سننا چاہتا ہوں تو میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کردی جب میں اس آیت پر پہونچا" فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هؤلاء شهیدا "تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رک جاؤ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنکھوں سے آنسو جاری ہے (بخاری جلد ۲۔ ص: ۱۰۳)

اسی طرح آپ ﷺ اپنے دوسرے شاگردوں سے قرآن سنتے اور ان کے اغلاط پر ان کو تنبیہ فرماتے اور ان کو قرآن سننے کی ترغیب دیتے اور کبھی سیکھے ہوئے حضرات کو آپ ﷺ اپنی زبان رسالت سے سند و شہادت سے بھی نوازتے۔

حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت علیؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ یہ سب درسگاہ نبوی کے سندیافتہ علماء تھے

درسگاہ نبوی میں حصول تعلیم کے دو طریقے

درسگاہ نبوی میں حصول تعلیم کے دو طریقے تھے۔ایک تو یہ کہ عام طلبہ علم بقدر ضرورت حاصل کر لیتے چنانچہ جب کوئی نو مسلم صحابی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آتا تو ان کو بقدر ضرورت قرآن کی اور احکامات اسلامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض صحابہؓ قرآن کو اس کے پوری تفسیر و تاویل و مفاہیم اور مطالب اور تفقہ کے ساتھ حاصل کرتے۔روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دس سال کی طویل مدت میں سورۃ بقرہ کو (اس کی تفسیر اور تاویل اور تفقہ کے ساتھ) حاصل کیا (طبقات ابن سعد ج ۴۔ ص : ۱۲۱ قسم ۱)

ذرائع علم کا ادب واحترام

صحابہ کرامؓ اپنے استاذ سید المرسلین ﷺ کا علم کا اور مجالس علم کا بہت زیادہ احترام فرماتے تھے مجالس علم عبادت گاہ اور خیر و برکت کے مقامات سمجھتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں بہترین مجلس وہ ہے جس میں دین کی حکمت عام کی جائے اور اور اس میں رحمت کی امید کی جاتی ہو (جامع بیان العلم ج ۱۔ ص: ۵۰) یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنی مجالس میں تمام چیزوں کے حقوق کو ادا کرنے اور اس کا پورا پورا لحاظ کرنے کے ساتھ کبھی کبھی اثنائے درس ہلکی پھلکی خوش وقتی اور تفریحی باتیں بھی کر لیا کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کسی سے مجلس کے آداب کے خلاف یا علم اور معلم کے ساتھ بد تہذیبی کا کوئی معاملہ سرزد ہو۔

ابو خالد دالبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول ﷺ کے صحابہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے وہ حضرات آپس

میں اشعار سنتے سناتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی جنگوں کا تذکرہ کرتے تھے (جامع بیان العلم ج ا۔ ص : ۱۰۵)

مگر اثنائے درس ان تفریحی اور خوش وقتی کی باتوں سے مجلس کے وقار و تمکنت میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا تھا اساتذہ اور تلامذہ اپنے اپنے حدود میں رہ کر یہ ساری گفتگو کرتے اور کبھی اتفاقاً کسی طالب علم سے بے موقع و بے محل کوئی بات نکل جاتی تو اس کو اس پر اس کی عمر اور مقتضی کے مطابق بروقت تنبیہ کی جاتی چھوٹا ہوتا تو اس کو اسی کے مطابق سزا دی جاتی اور بڑا ہوتا اس کو اس پر تنبیہ کی جاتی رسول ﷺ نے فرمایا بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر کے بعد نماز ترک کر دیں تو ان کی پٹائی کرو۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ اپنے بچوں کا لحن یعنی غلطی پر پٹائی کرتے تھے (الادب المفرد باب الضرب علی اللحن) خلیفہ ہارون رشید نے اپنے صاحبزادے کے معلم و مربی کو جن باتوں کی تاکید فرمائی ان میں یہ بات بھی تھی "فان اباها فعليك بالشدة و الغلظة "(مقدمہ ابن خلدون ص: ۴۷۸) اگر وہ انکار کرے تو تم شدت و سختی سے کام لو

اسی نظام تعلیم کو ہمارے اکابر نے اسوہ بنایا جس کی افادیت اور اہمیت آج محسوس کی جا رہی ہے اگر ہم اپنے نظام تعلیم میں اسلامی نظام تعلیم کو اپنے سامنے بطور نمونہ کے رکھیں اور حضور ﷺ اور صحابہ کی سیرت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے اصول اور ضوابط پر عمل کریں تو نسبتہ اور بھی بہتر نظامِ تعلیم وجود میں آسکتا ہے

اللہ تعالی ہمیں کامیابی عطا کرے آمین

☆☆☆

محمد انوار الٰہی

متعلم : دورۂ حدیث

اسلام کے بعض اقتصادی نظریات

اسلام ایک مکمل اور مستقل دین اور نظام حیات ہے۔ وہ انسان کو زندگی کے امکانی امور سے متعلق پوری پوری اور مفید رہنمائی دینے پر قادر ہے۔ اور اسی رہنمائی کا ایک جز معیشت بھی ہے۔ جو اسلام کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا۔ ''اذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ ''جب تم نماز ختم کرو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رزق تلاش کرو۔ لیکن پورے اسلام کو ایک معاشی نظام کی حیثیت میں متعارف کرانا یا اسلام کو معاشی مذہب ہی سمجھنا درست نہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس میں وہ بنیادی اصول موجود ہیں۔ جن پر بنیاد رکھ کر ایک معیشت کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اور سارے عالم کو اسلامی اقتصادیات اور معاشیات پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ آج جس کو ہم اردو میں معیشت کہتے ہیں۔ وہ در حقیقت انگریزی کے لفظ اکنامکس کا ترجمہ ہے۔ اور دراصل اکنامکس کا صحیح ترجمہ معاشیات نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو عربی میں لفظ اقتصاد کہا جاتا ہے۔

پیدائش دولت

قرآن و سنت میں پیدائش دولت۔ (یعنی سرمایہ۔ محنت۔ زمین) پر اس انداز سے گفتگو نہیں کی گئی۔ جس طرح دوسرے معاشیات کی کتابوں میں کی جاتی ہے۔ لیکن معیشت کی مختلف ابواب میں قرآن و سنت نے جو احکام دیئے ہیں ان پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ کہ اسلام نے سرمایہ اور اجر کی تفریق کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کے بمقابل دوسرے نظام میں سرمایہ اور اجر کو الگ الگ پیدا وار شمار کیا گیا ہے۔ اور نفع و نقصان کا خطرہ اجر پر ڈالا گیا ہے۔ اور سرمایہ کو معین مقدار میں سود دیا جاتا ہے۔ اسلام میں چونکہ سود حرام ہے اس لئے نفع و نقصان کا خطرہ سرمایہ پر عائد ہوتا ہے۔ لہذا ہر وہ شخص جو کسی کاروبار میں سرمایہ کاری کر رہا ہو اسے نفع کے امید کے ساتھ نقصان کا خطرہ بھی مول لینا پڑے گا۔ یا تو یوں کہا جائے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اگر چہ سرمایہ اور اجر الگ الگ پیدائش ہیں لیکن سرمایہ فراہم کرنے والا ہر فرد چونکہ خطرہ بھی مول لیتا ہے۔ اس لئے وہ جزوی یا کلی طور پر اجر بھی ہے۔ اور

تقسیم دولت میں سرمایہ اور اجر دونوں کا صلہ منافع ہے۔ یا یوں کہا جائے سرمایہ اور اجر دو الگ الگ عامل پیداوار نہیں بلکہ یہ ایک ہی عامل ہے۔ اور تقسیم دولت میں اس کو منافع ملتا ہے۔ بہر صورت جس طرح زمین کو معین کرایہ اور محنت کو معین اجرت دی جاتی ہے۔ اس طرح سرمایہ کو سود نہیں دیا جاسکتا۔ کیوں کہ زمین اور سرمایہ میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے۔

تقسیم دولت

اللہ تعالیٰ نے اس پورے کائنات کا ایک جامع نظام اور ساری دنیا میں اس کی معیشت تقسیم فرمایا۔ یعنی اللہ رب العزت نے تمام وسائل واسباب مقرر فرمادیئے ہیں۔ اور ان کی قیمتوں کا تعین بھی فرمادیا ہے۔ حتی کہ تقسیم دولت کے بارے میں اصول وضوابط کسی انسان کی پلان کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ معیشت قدرتی طور پر ساری دنیا کے انسانوں میں خود بخود تقسیم ہو جائے اور فطرت نے ایسے قوانین بنا دیئے ہیں جن کی روشنی میں انسانوں کے درمیان معیشت کی تقسیم خود بخود ہو جائے۔ اسلام کے ان قوانین اور تعلیمات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی رسد و طلب کے قوانین کو تسلیم کیا ہے۔ اور معیشت کے مسائل کے حل کے لئے ان کے استعمال کافی الجملہ حامی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحياة و رفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا	ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے۔ تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے کام اس طرح لیا جائے گا کہ کام لینے والا کام کی طلب اور کام دینے والا کام کی رسد ہے اس طلب ورسد کی ملن اور امتزاج سے ایک متوازن معیشت وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب دیہاتی اپنی زرعی پیداوار شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتا تو بعض شہری لوگ اس دیہاتی سے کہتے کہ تم اپنا مال خود لیجا کر شہر میں مت بیچو۔ بلکہ یہ مال مجھے دے دو مناسب وقت پر اس کو فروخت کرونگا۔ تاکہ اس کی قیمت زیادہ ملے۔ آنحضرت ﷺ نے شہریوں کو ایسا کرنے سے روکا اور اس کے ساتھ یہ جملہ فرمایا۔ "دعوا الناس يرزق الله بعضهم عن بعض" لوگوں کو آزاد چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرمائے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ نے بیچنے اور خرید نے والے کے درمیان تیسرے شخص کی مداخلت کو اس لئے رد فرمایا۔ تاکہ بازار میں طلب ورسد کا صحیح توازن قائم ہو۔ یہ بات ظاہر ہے کہ دیہاتی جب خو

دبازار میں کوئی چیز فروحت کریگا۔ تو اپنا مناسب نفع رکھ کر ہی فروخت کرے گا۔ لیکن اسے چونکہ جلدی جانا ہے۔ اس لئے اس کے پاس ذخیرہ کی گنجائش نہیں۔ اور خود اس کے بازار میں بیچنے کی صورت میں طلب ورسد کا ایسا امتزاج ہوگا جو صحیح قیمت متعین کرنے میں مدد دے گا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کے درمیان آجائے اور مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے اس کی مصنوعی قلت پیدا کرے تو وہ طلب ورسد کے قدرتی نظام میں بگاڑ پیدا کرے گا۔ لہذا اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طلب ورسد کے قدرتی نظام کو تسلیم فرمایا اور اس کو باقی رکھنے کی کوشش فرمائی۔ اسی طرح قیمتوں کی تعین کے بارے میں آپ ﷺ سے یہ درخواست کی گئی کہ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کی قیمتیں سرکاری طور پر متعین فرمادئیں۔ تو اس موقع پر بھی حضور اقدس ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ " ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق " بیشک اللہ تعالیٰ ہی قیمت متعین کرنے والے ہیں وہی چیزوں کی رسد میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے ہیں اور وہی رازق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قیمت مقرر کرنے والا قرار دینے کا واضح مطلب اس حدیث کے سیاق میں یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلب ورسد کے فطری اصول مقرر فرمائے ہیں۔ جس سے فطری طور پر قیمتیں متعین ہوتی اور اس فطری نظام کو چھوڑ کر مصنوعی طور پر قیمتوں کا تعین پسندیدہ نہیں۔

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز پر حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور ہر چیز کی پیدائش کا اصل کار نامہ اللہ تعالیٰ ہی انجام دیتے ہیں۔ جن کی توفیق کے بغیر کوئی عامل پیدائش ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں لا سکتا۔ لہذا کوئی بھی عامل پیدائش بذاتہ آمدنی کا مالک اور مستحق نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو مستحق قرار دیں گے وہی مستحق ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ آمدنی کا اولین مستحق تو عوامل پیدائش کو قرار دیا۔ لیکن دولت کے ثانوی مستحقین کی ایک طویل فہرست رکھی ہے۔ جو پیدا شدہ دولت میں اسی طرح حقدار ہیں جس طرح خود عوامل پیدائش حق دار ہیں۔ یہ ثانوی مستحقین معاشرہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اگرچہ قلت وسائل کی وجہ سے اس عمل پیدائش میں براہ راست حصہ نہیں لے سکے۔ لیکن اسی انسانی معاشرہ کا فرد ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی دولت میں ان کا بھی حصہ ہے۔ ان ثانوی مستحقین تک دولت پہنچانے کے لئے اسلام نے زکوۃ۔ عشر۔ صدقات۔ خراج۔ کفارات۔ قربانی اور وراثت کے احکام دیئے ہیں۔ جن کے ذریعہ دولت کا بڑا حصہ ان ثانوی مستحقین تک پہنچ جاتا ہے۔ دولت کے اولین مستحقین یعنی عوامل پیداوار آمدنی خواہ کرایہ کے صورت میں حاصل ہوئی ہو یا اجر کی صورت میں منافع کی صورت میں ان میں سے ہر شخص اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے ایک معین حصہ ان ثانوی مستحقین تک پہنچائے اور یہ اس کی طرف سے کوئی احسان نہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ ان کا حق ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا" و فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم " ۔اور ان کے مالوں میں محتاج اور محروم کا حق ہے

اسی طرح زرعی پیداوار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ "و أتو حقہٗ یوم حصاد" اور کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

معیشت کے اسلامی احکام

قرآن وحدیث کے ارشادات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی طلب ورسد کے قوانین کو فی الجملہ تسلیم کرتے ہوئے ذاتی منافع کے محرک سے بھی فی الجملہ کام لیتے ہوئے تجارتی اور معاشی سرمیوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کردیں کہ ان پر عمل کی صورت میں ذاتی منافع کا محرک ایسے غلط رخ پر نہیں چل سکتا جو معیشت کو غیر متوازن کرے یا اس سے دوسری اخلاقی یا اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں۔ اسلام نے ذاتی منافع کے محرک پر پابندیاں عائد کی ہیں۔ انہیں تین قسموں پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔

خدائی پابندی

سب سے پہلے اسلام نے معاشی سرگرمیوں پر حلال و حرام کی کچھ ایسی ابدی پابندیاں عائد کی ہیں۔ جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہیں۔ مثلاً سود۔ قمار۔ سٹہ۔ اکتناز۔ احتکار۔ یعنی ذخیرہ اندوزی اور دوسری تمام بیوع باطلہ کو کلی طور پر ناجائز قرار دیا۔ کیوں کہ ان چیزوں سے معیشت میں ناہمواریاں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ان تمام چیزوں کی پیداوار اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا جن سے معاشرہ کسی بداخلاقی کا شکار ہو۔ اور جن میں لوگوں کے سفلی جذبات بھڑکا کر ناجائز طریقے سے آمدنی حاصل کرنے کا راستہ پیدا کیا جائے۔

ریاستی پابندیاں

مذکورہ خدائی پابندیاں تو ابدی نوعیت کی تھی انہی کے ساتھ اسلامی شریعت نے حکومت وقت کو یہ اختیار بھی دیا ہے۔ کہ وہ کسی عمومی مصلحت کے تحت کسی ایسی چیز یا ایسے فعل پر بھی پابندی عائد کرسکتی ہے۔ جو بذات خود حرام نہیں بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے۔ لیکن اس سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آتی ہے۔ یہ پابندی ابدی نوعیت کی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی حیثیت وقتی حکم کی ہوتی ہے جو وقتی مصلحت کے تابع ہوتی ہے۔ اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جب ہیضہ کی وبا پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ خربوزے کی خرید و فروخت اور اس کا کھانا ممنوع ہے۔ جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے اس وقت تک خربوزہ کھانا اور اس کا بیچنا شرعاً ناجائز ہو جائے گا۔ اس طرح اصول فقہ میں سد ذرائع کے نام سے ایک مستقل باب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک کام فی نفسہ جائز ہو لیکن اس کی کثرت کسی معصیت یا مفسدے کا سبب بن رہی ہو تو حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ان جائز کام کو ممنوع قرار دے دیں۔ اس اصول سے یہ بات

معلوم ہوتی ہے کہ حکومت تمام معاشی سرگرمیوں کی نگرانی کر سکتی ہے۔ اور جن سرگرمیوں سے معیشت میں ناہمواری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان پر مناسب پابندی عائد کر سکتی ہے۔

اخلاقی پابندیاں

پیچھے عرض کیا گیا۔ اسلام صحیح معنوں میں کسی معاشی نظام کا نام نہیں۔ بلکہ ایک دین کا نام ہے۔ اس دین کی تعلیمات میں قدم قدم پر واضح کیا گیا ہے کہ معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی فوائد انسان کی زندگی کا منشاء مقصود نہیں ہے۔ قرآن و سنت کا تمام تر زور اس بات پر ہے کہ دنیاوی زندگی ایک محدود اور چند روزہ زندگی ہے۔ اور اس کے بعد ایک ایسی ابدی زندگی آنے والی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور انسان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ آخرت کی ابدی زندگی میں زیادہ سے زیادہ عیش و آرام کا انتظام کرے۔ جس کا راستہ یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ کام کرے۔ جو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہو۔ جب یہ ذہنیت افراد میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو ان کے معاشی فیصلوں پر اثر انداز ہونے والی چیز صرف یہ نہیں ہوتی کہ کونسی صورت میں ہماری تجوری زیادہ بھرے گی۔ بلکہ بسا اوقات ان کے معاشی فیصلے اس بنیاد پر بھی ہوتے ہیں کہ کون سے کام میں مجھے آخرت میں زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اس طرح بہت سے معاملات میں شریعت نے کوئی وجوبی حکم تو نہیں دیا لیکن کسی خاص بات کے ایسے فضائل بیان فرمائے ہیں جو ایک مؤمن کے لئے بہت بڑے نفع کا ذریعہ بنے اور اس کے توسط سے انسان خود اپنے اوپر بہت سی پابندیاں عائد کر لیتا ہے۔ اس قسم کی پابندیوں کو اخلاقی پابندی کہتے ہیں۔ اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی ایک شخص کے پاس سرمایہ کاری کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سرمایہ کو کسی جائز تجارتی منصوبہ میں لگائے۔ جس میں اسے زیادہ آمدنی کی توقع ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ یہ سرمایہ کو بے گھر لوگوں کے لئے سستے مکان بنا کر کے فروخت کرنے پر صرف کرے۔ جس میں اسے نسبتاً کم نفع ملے گا۔ تو ایک سکولر ذہنیت کا حامل شخص یقیناً پہلے راستہ کو اختیار کرے گا۔ کیوں کہ اس میں منافع زیادہ ہیں۔ لیکن جس شخص کے دل میں آخرت کی فکر بسی ہوئی ہو وہ اس کے برعکس یہ سوچے گا کہ اگرچہ رہائشی منصوبہ کا مالی نفع نسبتاً کم ہے لیکن غریب لوگوں کے لئے رہائشی مکان فراہم کر کے اپنے لئے آخرت میں اجر و ثواب زیادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے مجھے تفریحی منصوبے کے بجائے رہائشی منصوبے کو اختیار کرنا چاہئے۔ یہاں اگرچہ دونوں راستے شرعی اعتبار سے جائز تھے اور ان میں سے کسی پر کوئی ریاستی پابندی بھی عائد نہیں تھی۔ لیکن عقیدۂ آخرت پر مبنی اخلاقی پابندی نے لوگوں کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس شخص کے دل میں ایک اندرونی رکاوٹ پیدا کر دی جس سے ترجیحات کا بہتر تعین اور وسائل کی بہتر تخصیص عمل میں آئی۔ یہ ایک چھوٹی سے مثال ہے۔ لیکن اگر واقعتاً اسلام کا عقیدہ آخرت دل میں پوری طرح

جاگزیں اور مستحضر ہو تو وہ معاشی فیصلوں کی بہتری میں بہت زبردست کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح اسلام نے مختلف ترجیحات اور پابندیوں کے ذرائع دنیا کے معاشی نظام کو زیادہ مستحکم اور ترقی یافتہ بنانے کی جو کوشش کی ہے۔ اس کی نظیر کسی قوم یا مذہب کی معاشی تاریخ میں نہیں ملتی

☆☆☆☆☆

سید رحمت حسین قاسمی
متعلم : ادب عربی سال دوم

اسلام کا فلسفہ جنگ

دنیا میں جتنے بھی مذاہب موجود ہیں، ہر ایک میں یہ مرکزی اصول ضرور موجود ہے کہ انسان کی جان قابل احترام ہے، اگر یہ اصول کسی مذہب میں موجود نہ ہو، تو وہ مذہب نہ تو ایک مہذب مذہب و دستور حیات کہلانے کا مستحق ہے اور نہ ہی اس کے تابع رہ کر کوئی قبیلہ یا معاشرہ یا قوم پر سکون زندگی گزار سکتی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو چار آدمی کیوں کر ایک ساتھ مل کر رہ سکتے ہیں ان کے درمیان تجارتی معاملات کیوں کر فروغ پا سکتے ہیں، انہیں سکون و اطمینان جیسی نعمت کیسے حاصل ہو سکتی ہے، ظاہر ہے ایسے مذہب کو انسانوں کا مذہب تو نہیں کہا جاسکتا،

اسلام میں حرمت جان کی اہمیت

دنیا میں انسانی جان کی حرمت کے قوانین زور اور طاقت کے بل بوتے پر ہی نافذ کئے جاتے ہیں، مگر ایک مہذب سچے اور اچھے مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ دلوں میں اس کی قدر و قیمت پیدا کر دے، تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو جہاں انسانی پولیس کے ہاتھ نہ پہنچ سکتے ہوں، ابن آدم وہاں بھی ایک دوسرے کے خون ناحق سے احتراز کریں، چنانچہ اسلام نے اس کی ایسی مؤثر تعلیم دی ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں ملنی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ قرآن کریم میں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کر کے جن میں سے ایک نے دوسرے کو ظلماً قتال کیا تھا فرمایا :

"من أجل ذالك كتبنا على بنى إسرائيل أنه من قتل نفساً بغير نفسٍ أو فساد فى الأرض فكانما قتل الناس جميعا ، و من أحياها فكانما أحياء الناس جميعاً، / مائدہ : ۳۲

اسی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا، ایک دوسری جگہ خدا اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے "لا يقتلون

النفس التی حرم الله إلا بالحق ولا یزنون و من یفعل ذالك یلق أثاما (الفرقان : ۶۸)

وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کریگا وہ کئے کی سزا پائے گا،

یہ تعلیم کسی فلسفی یا معلم اخلاق کی نہ تھی جو صرف کتابوں کے اوراق ہی تک محدود رہتی، بلکہ یہ درحقیقت وہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم تھی جس کا لفظ لفظ ہر مسلمان کا جزو ایمان تھا، چنانچہ اس مؤثر تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ عرب جیسی خونخوار قوم جو امن کی لذت سے ناآشنا تھی اب اس میں امن پسندی کا جذبہ اور مادہ پیدا ہو گیا تھا، اور قادسیہ سے صنعاء تک ایک عورت تنہا سفر کرتی تھی مگر اس کی جان و مال پر کوئی حملہ نہ کرتا تھا، حالانکہ یہی وہ ملک تھا کہ پچیس سال پہلے جہاں بڑے بڑے قافلے بھی بے خوف نہیں گزر سکتے تھے،

پھر اسلامی تعلیم چار دانگ عالم میں پھیل گئی، آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمت نفس کو جو درجہ حاصل ہے وہ اس انقلاب کے نتائج میں سے ایک شاندار نتیجہ ہے جو اسلامی تعلیم نے دنیا کے اخلاقی ماحول میں برپا کیا تھا، ورنہ جس دور تاریک میں یہ روشن تعلیم اتری تھی اس میں انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، ہزارہا انسان امراء کی شمشیر زنی کے کمالات اور شوق تماشا کی نذر ہو گئے، تفریحاً غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دینا، یا جانوروں کی طرح ذبح کرا دینا، ان کے جلنے کا تماشہ دیکھنا یورپ اور ایشیاء کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا،

ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ "لا تقتلوا النفس التی حرم الله إلا بالحق" (الانعام: ۱۵۲) انسانی جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر اس وقت جب کہ حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے، اس آواز میں ایک قوت تھی، اور قوت کے ساتھ عقل و فطرت سے ہم آہنگی اور مطابقت بھی، اس لئے دنیا کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں پہنچی اور انسان کو اپنی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کیا، اگر آپ ذرا سا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ نے صرف "لا تقتلوا النفس التی حرم الله" ہی نہیں کہا بلکہ اس کے ساتھ "بغیر حق أو فساد فی الأرض" کا استثناء بھی کر دیا ہے، یہ نہیں کہا کہ کسی بھی جان کو کسی بھی حالت میں قتل نہ کرو، ایسا کہا جاتا تو یہ تعلیم کا نقص ہوتا، عدل نہ ہوتا ظلم ہوتا، بہت ممکن ہے کہ انسانی تعلیم میں ایسا نقص رہ جائے مگر خدائی تعلیم میں ایسے نقائص کے لئے کوئی جگہ کیسے ہو سکتی ہے، اس نے صاف صاف بتادیا کہ انسانی خون کی حرمت صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس پر "حق" نہ قائم ہو جائے، اسے زندگی کا حق صرف اس کی جائز حدود ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ مگر جب وہ ان حدود سے تجاوز کر جائے اور فتنہ و فساد پھیلانا شروع کر دے، یا معصوموں کی جان پر نہایت بے دردی سے ناحق حملے کرنے شروع کر دے، تو وہ اپنے حق حیات کو خود بخود کھو دیتا ہے، اس کے خون کی حرمت زائل ہو کر اباحت سے بدل جاتی ہے، اس کا خون اب پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہو جاتا ہے، اور

پھر اس کی موت ہی انسانیت کی حیات بن جاتی ہے،

پھر اس خیال سے کہ کسی کو اس ناگزیر خونریزی میں تامل نہ ہو، قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف پیرائے میں اس کی سخت تاکید کی ہے، اور اسے انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اور اس کی بقاء کا، تحفظ کا، اور امن کا ضامن قرار دیا ہے، چنانچہ ایک جگہ حضرت حق جل مجدہ فرماتے ہیں، "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (البقرۃ : ۱۷۸) تم پر مقتولوں کے لئے قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں" ولکم فی القصاص حیوۃ یا أولی الألباب" (البقرۃ :۱۷۹) اے عقلمندو! اس قصاص کو موت نہ سمجھو بلکہ یہ تو فی الحقیقت سوسائٹی کی زندگی ہے، جو اس کے جسم سے ایک فاسد و مہلک پھوڑے کو کاٹ کر حاصل کی جاتی ہے۔

بہر حال یہ قتل بالحق اگرچہ صورت و شکل کے اعتبار سے قتل بغیر حق کی طرح خونریزی ہی ہے، مگر حقیقت میں یہ ناگزیر خونریزی ہے جس کے بغیر چھٹکارہ نہیں، اس کے بغیر ہم نہ تو دنیا میں امن قائم کر سکتے ہیں، اور نہ ہی شر و فساد کی جڑ کاٹ سکتے ہیں، نیز یہ قانون جس طرح فرد واحد کے لئے ہے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے بھی ہے، جب جماعتیں اور قومیں ظلم و زیادتی پر اتر آتی ہیں تو کیا سے کیا نہیں کر جاتیں، ایسی ایسی اخلاق سوز حرکتیں ان سے صادر ہونے لگتی ہیں کہ جن کا نام سن کر بھی انسانیت کا جگر تھرا اٹھتا ہے، انمیں کچھ افراد لوگوں کے جائز اموال پر ڈاکے ڈالتے ہیں، کچھ ان میں ہوائے نفسانی کے بندے ہوتے ہیں، تو وہ اپنے جیسے بندوں کے خدا بن بیٹھتے ہیں، اپنی خواہشات پر کمزوروں کے حقوق قربان کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض انہیں میں سے وہ ہوتے ہیں جن کے سر پر شہنشاہیت اور جہانگیری کا بھوت اور خبط سوار ہوتا ہے تو وہ کمزوروں کی آزادیاں سلب کرنے لگتے ہیں اور آزاد انسانوں کو غلامی کا طوق پہنانے لگتے ہیں، جب ان تمام چیزوں کے ساتھ مذہبی تعصب اور تنگ نظری بھی شامل ہو جائے تو یہ پریشانی اور مصیبت دوچند ہو جاتی ہے،

ایسی حالت میں "جنگ" صرف جائز ہی نہیں رہتی بلکہ فرض ہو جاتی ہے، اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے خون سے زمین کو سرخ کر دیا جائے اور ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے، جو شیطان کی امت بن کر اولاد آدم پر اخلاقی، روحانی، اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل کرتے ہیں،

وہ دراصل انسان نہیں ہوتے کہ انسانی ہمدردی کے مستحق ہوں بلکہ انسان کے لباس میں شیطان اور انسانیت کے حقیقی دشمن ہوتے ہیں جن کے ساتھ اصلی ہمدردی یہی ہے کہ ان کے شر کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے، وہ اپنے کرتوتوں سے اپنے حق حیات کو خود کھو دیتے ہیں، انہیں اور ان لوگوں کو جو ان کے شر کو باقی رکھنے کے لئے ان کی مدد کریں دنیا میں زندہ رہنے کا حق باقی نہیں رہتا،.....

اسلام سے پہلے دنیا کا تصور جنگ اور عرب کا طریقہ کار

عرب میں جنگ کی حیثیت ایک قومی پیشہ جیسی تھی، اور ذرائع معاش کی کمی، اشیاء خورد و نوش کی کمیابی، اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اجتماعی نظم و ضبط سے بالکل عاری سماج و معاشرے نے عربوں میں جنگجوئی کی عادت اس قدر راسخ کر دی تھی کہ وہ قتل و خون بہانے کو اپنی خصوصیات بلکہ مفاخر میں شمار کرنے لگے تھے، ابتدا میں صرف پیٹ بھرنے کے لئے یا پانی لینے، جانوروں کی چراگاہوں میں جانور چرانے یا انتقام کی غرض سے اس کی ضرورت پیش آتی تھی، لیکن صدیوں تک شمشیر زنی و مردم کشی و غارت گری کے کھیل میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کو خونخواری کا ایسا چسکہ لگ گیا تھا کہ خونریزی کسی غرض و مقصد کے لئے نہیں بلکہ مقصود بالذات بن گئی تھی، جس کی وجہ سے قدرتی طور پر ان کی سیرتوں میں شقاوت، سنگدلی، انتقام جوئی، کینہ پروری، درندگی جیسی عادتیں نمایاں ہو گئیں تھیں،

عربوں کا جنگ کے سلسلہ میں تصور کیا تھا؟ سو عربی شاعری اور ایام العرب یعنی وہ داستانیں جو عرب میں مشہور تھیں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں جنگ کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ہزار ہا نام ہیں، جو جنگ کے کسی نہ کسی پہلو کو ذہن میں رکھ کر وضع کئے گئے ہیں، جن سے ایک طرف ان کی زبان دانی کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، تو دوسری طرف جنگ کے سلسلہ میں ان کی طبعی رغبت کا پتہ چلتا ہے، ان ناموں کو وہ جنگ کے مختلف زاویوں و مختلف مقامات و ماحول کے اعتبار سے استعمال کیا کرتے تھے، یقیناً انہیں یہاں جمع نہیں کیا جاسکتا، ان استعاروں، تشبیہوں، اور محاوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تصور میں جنگ ایک ایسی چیز کا نام تھا جس میں لوٹ مار ہو، شور و ہنگامہ ہو، غضب و اشتعال ہو، جس کے خلاف لڑی جائے اس کو پیس کر رکھ دیا جائے، جھلس دیا جائے، تہس نہس کر دیا جائے اور اس پر ایسی مصیبتیں نازل کی جائیں کہ جن کے خوب سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں،

اس جنگ میں شجاعت و بسالت کا جوہر تو ضرور تھا مگر اخلاقی فضیلت و انسانی شرافت کا نام تک نہیں تھا، یہی جنگ ان کے قلب و روح کی غذا بن گئی تھی، وہ جنگ غنیمت کے لالچ میں کیا کرتے تھے، ان کی عورتیں کہہ دیا کرتی تھیں کہ اگر واپس آنا تو ڈھیر سارے غلاموں و لونڈیوں اور مال و متاع کے ساتھ، ورنہ واپس مت آنا، ان تمام چیزوں کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ایسی تھیں جو انہیں جنگ کرنے پر، معصوم بچوں کی جانیں لینے پر، دشمن کی کھیتیاں تاخت و تاراج کرنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں اور یقیناً عربوں نے ان محرکات پر عمل پیرا ہو کر عرب کی تاریخ کو خون سے رنگین کر دیا تھا، ان کے نزدیک جنگ میں وحشیانہ طریقے روا تھے، غیر مقاتلین اور مقاتلین میں کوئی امتیاز نہ تھا، آگ کا عذاب عام تھا، اسیر ان جنگ سے بدسلوکی، غفلت میں حملہ کرنا، مقتولوں کی تحقیر، ان کا مثلہ بنانا اور بدعہدی یہ سب عام باتیں تھیں،

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ عرب تو خیر وحشی تھے مگر اس زمانے میں اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کرنے

والے ممالک عرب بدوؤں سے بھی کہیں آگے تھے، خواہ وہ ایران ہو یا روم، ہندوستان ہو یا یورپ یا پھر اس وقت کی دنیا کے دوسرے ممالک، چنانچہ اسلام نے ایسے ماحول میں جنگ کا ایک نیا اور بالکل انوکھا نظریہ پیش کیا، جس کا مقصد اور طریق کار دونوں پاکیزہ اور اشرف واعلیٰ تھے۔ داعیٔ اسلام ﷺ نے جنگ کے لئے نہایت پاکیزہ اصول اور ضابطے متعین فرمائے، جو حدیث کی کتابوں میں بے شمار صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں، نمونے کے طور پر چند چیزیں ملاحظہ فرمائیں، سب سے پہلے مقصد جنگ کی تطہیر کی گئی، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ!

جاء رجل إلى النبى ﷺ فقال ، الرجل يقاتل للمغنم ، والرجل يقاتل للذكر ، والرجل يقاتل ليرىٰ مكانه ، فمن فى سبيل الله ؟ قال من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل الله ،

(رواه مسلم كتاب الامارة ۱۳۹/، والنسائى كتاب الجهاد ۵۷/)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت وناموری کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمایئے کہ ان میں سے کس کی جنگ راہ خدا میں ہے۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ راہ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے،

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

من غزا فى سبيل الله و لم ينو إلا عقالا فله مانوى ۔

(رواه النسائى كتاب الجهاد ۵۸/، و مشكوٰة ۳۳٤/)

جو شخص خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے گیا اور صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی نیت بھی کرلی تو بس اس کو وہ رسی ہی ملے گی ثواب کچھ نہ ملے گا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا،

الغزو غزوان ، فاما من ابتغى وجه الله و اطاع الامام وانفق كريمته واجتنب الفساد فان نومه و نبهه أجر كله و أما من غزا رياء و بسمعة و عصى الامام و افسد فى الأرض فانه لا يرجع بالكفاف ،

(رواه النسائى كتاب الجهاد ۶۵/)

لڑائیاں دو قسم کی ہیں، جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے، اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت وناموری کے لئے جنگ کی، اور اسمیں امام کی نافرمانی کی، زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا، (یعنی الٹا عذاب میں مبتلا ہوگا)

جنگ مقصود نہیں ہے مجبوری ہے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ،

لا تتمنوا لقاء العدو و سئلوا الله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف۔

(راوہ مسلم کتاب الجهاد / ۸۴)

دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن وعافیت کی دعا کیا کرو، مگر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔

میدان جنگ کی ھدایات،

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ،

لا تقتلوا شيخا فانياً و طفلا صغيراً و لا امرأةً ، ولا تغلوا و ضموا غنائكم و اصلحوا و احسنوا ان الله يحب المحسنين

(رواہ ابو داؤد و مشکوٰۃ / ۳۴۳)

نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو، نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اموال غنیمت میں چوری نہ کرو، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو، نیکی واحسان کرو کیوں کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے،

فتح مکہ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے پہلے سے ہی ہدایت فرمادی تھی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کرنا، اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا ۔ (فتوح البلدان / ۴۷)

حملہ بے خبری میں نہ کیا جائے

اہلِ عرب کا قاعدہ تھا کہ راتوں کو اور خصوصاً آخر شب میں جب لوگ بے خبر سوتے ہوتے اچانک جا پڑتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس عادت کو بند کر دیا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے، حضرت انس بن مالکؓ غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،

كان إذا جاء قوماً بليل لم يغر عليهم حتى يصبح ،

(رواہ البخاری ، کتب المغازی / ۶۰۳)

آنحضرت ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے،

دشمنوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک پر پابندی

آگ کا عذاب تو ساری دنیا میں تقریباً عام ہی تھا، آپ ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت کو بھی ممنوع قرار دیا، فرمایا کہ،

لا ينبغي أن يعذب النار الا رب النار ۔

(رواہ ابو داؤد و مشکوٰۃ / ۳۰۷)

آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے اور کسی کو سزاوار نہیں،

میدانِ جنگ میں شور وشرابہ پر پابندی

اس زمانے میں اس بات کا عام رواج تھا کہ جنگ میں شور شرابہ ہو، خوفناک آوازیں بلند ہوں، چنانچہ اس سے ہٹ کر انکے نزدیک جنگ کا تصور قطعاً نہ تھا، یہاں تک کہ عرب نے جنگ کا نام ہی وغیٰ، اور حرب رکھا تھا،

آپ ﷺ نے صحابہ کو ان باتوں سے گریز کا حکم دے دیا تھا، اسلئے صحابہ کرام اس سے بچتے تھے، حضرت قیس بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ،

كان أصحاب رسول الله ﷺ يكرهون الصوت عند القتال ۔ (رواه ابو داؤد و مشكوٰة ر ۳۴۳)

آپ ﷺ کے اصحاب جنگ کے وقت چیخنے چلانے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔

بدعہدی سے مکمل احتراز،

اسلام نے صلح وجنگ دونوں حالتوں میں وفائے عہد کی سخت تاکید کی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے کہ :

والموفون بعهدهم إذا عاهدوا والصابرين فى البأسآء والضرآء و حين البأس ، أولئك الذين صدقوا وأولئك هم المتقون (البقرة ر ۱۷۷)

اور وہ لوگ جو عہد کرنے کے بعد اسے پورا کرتے ہیں اور وہ جو سختی وتکلیف اور جنگ کی مصیبت میں ثابت قدم رہتے ہیں، وہی سچے لوگ ہیں، اور وہی پرہیزگار ہیں،

ایک دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں کہ

وأفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا ۔ (بنی اسرائیل : ۳۴)

عہد پورا کرو کیوں کہ عہد کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔

رسول پاک ﷺ نے عہد توڑنے پر وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا :

ثلثة انا خصمهم يوم القيامة ، رجل اعطى بى ثم غدر ، و رجل باع حراً فاكله ثمنه ، ورجل استاجر أجيراً فاستوفى منه و لم يعط اجره (بخارى ، كتاب البيوع)

تین شخص ہیں جن کے خلاف قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا، ایک وہ جس نے میرا ذمہ دے کر بدعہدی کی، دوسرا وہ جس نے آزاد انسان کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے پورا پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

من كان بينه و بين قوم عهد " فلا يحلن عهداً و يشد نه حتى يمضى عهده أو ينبذ اليهم على سواء ،

(رواه ابو داؤد، والترمذی ، و مشكوة ۳۴۷/)

جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اس میں کوئی تغیر و تبدل ہر گز نہ کرے تاوقتیکہ اس کی مدت گزر جائے یا پھر اگر خیانت کا خوف ہو تو برابری کو ملحوظ رکھ کر اس کو ختم معاہدہ کا نوٹس دے دے،

صلح قبول کی جائے۔

اسلامی جنگ کے شعائر میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ مسلمان کو ہر وقت صلح کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کیوں کہ اسلام کی جنگ کا مقصد "جنگ کرنا ہر گز نہیں ہے" بلکہ جنگ سے اصل مقصد اصلاح اور امن و سلامتی ہے، اس لئے اگر مصالحت کے ذریعہ یہ مقصد حاصل ہونے کی کوئی صورت موجود ہو تو ہتھیار اٹھانے سے پہلے اس صورت سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہئے، یہی وہ وجہ ہے کہ اسلام نے جنگ کی آخری حد "وجوہ نزاع کے ارتفاع اور جنگ کی ضرورت باقی نہ رہنے کو قرار دیا ہے" اللہ تعالی کا ارشاد ہے،

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توكل على الله انه هو السميع العليم و إن يريدوا أن يخدعوك فان حسبك الله هوالذى ايدك بنصره و بالمؤمن

(انفال : ۶۱/۶۲)

اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہوں تو پروانہ کرو کہ تمہارے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے تم کو نصرت بخشی اور مومنوں کی کثرت سے تم کو تقویت دی ۔

یہ ہے اس روشن تعلیم کی ہلکی سی جھلک جس نے صرف ۸/ سال کی مختصر سی مدت میں ایک وحشی اور خونخوار قوم کو کہ برائیاں جس میں پیدا ہو کر پروان چڑھا کرتی تھیں قتل و خون جن کے مفاخر میں سے تھے، جہالت جنکا شعار تھا، سارے عالم کے لئے معلم اخلاق بنادیا، اور یہ جنگی قوانین صرف کاغذ تک محدود نہ رہے بلکہ عملی طور پر انہیں برت کر بھی دکھایا گیا، اور ایسی جنگ کا تصور پیش کیا گیا جو ہر طرح کی بربریت، طغیانیت، انتقام، ہوس و لالچ، اور خود غرضی سے پاک ہو، جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ جنگ و قتال فی الاصل معصیت ہے، جس سے انسان کو اجتناب کرنا چاہئے، لیکن جب دنیا میں اس سے بڑی معصیت یعنی ظلم و طغیان اور فتنہ و فساد پھیل گیا ہو اور سرکش لوگوں نے خلق خدا کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا ہو، حق کی ترویج و اشاعت میں رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہوں، تو محض دفع مضرت یا دفع رکاوٹ کے لئے جنگ کرنا ایک ضرورت بن جاتی ہے،

▬▬▬

محمد عمران (دورۂ حدیث)

شوال ۱۴۲۱ھ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

سالانہ رپورٹ انجمن الفلاح

طلبہ دارالعلوم سبیل السلام

طلبہ دارالعلوم سبیل السلام مطابق شوال ۱۴۲۱ھ۔ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ ۲۵ر شوال ۱۴۲۱ھ کو جامعہ اسلامیہ دارالعلوم سبیل السلام میں نئے امنگ نئے جوش اور نئے ولولے اور نیک تمناؤں کے ساتھ تعلیم کا آغاز عمل میں آیا ۲ر ذوقعدہ مطابق ۲۷ر جنوری بروز ہفتہ دس بجے دن جلسہ افتتاح بخاری شریف زیر صدارت حضرت الاستاذ مولانا محمد رضوان القاسمی دامت برکاتہم ناظم جامعہ منعقد ہوا ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی دامت برکاتہم استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند صاحبزادہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس دیا اس پر مسرت موقع پر شہر حیدر آباد کے ممتاز علماء کرام کے خطابات بھی ہوئے جن سے طلبہ کو مستفیذ ہونے کا موقع ملا اور پھر اس تعلیمی آغاز کے ساتھ ہی انجمن کے نئے انتخابات کے سلسلے میں سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

ذمہ دار طلبہ انتخاب

جامعہ میں جہاں درسیات پر شب و روز بے انتہا محنت کرائی جاتی ہے وہیں طلبہ میں تحریری صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے مشق و تمرین کا ایک باقاعدہ نظام قائم ہے اور ہر سال تعلیمی آغاز کے بعد تازہ انتخابات کئے جاتے ہیں اسی سلسلہ کی ایک مخصوص انتخابی نشست بتاریخ ۱۱ر ذوقعدہ بروز سہ شنبہ زیر نگرانی استاذ محترم حضرت مولانا اخترم امام عادل صاحب قاسمی نگران اعلیٰ انجم الفلاح منعقد ہوئی جس میں باہمی مشورے سے انجمن کی ذمہ داریاں درجہ ذیل طلبہ کے سپرد کی گئیں۔

ناظم اردو تقاریر تا دورۂ حدیث : محمد عمران دورۂ حدیث نائب: محمد مقیم الدین دورۂ حدیث
معاون تنویر عالم ششم عربی

ناظم عربی تقاریر تا دورۂ حدیث : محمد منظور عالم ہفتم عربی معاون: تنویر عالم ششم عربی

ناظم اردو تقاریر کلیات : مولوی نظام الدین شریعہ دوم معاون: مولوی شمیم احمد شریعہ دوم

مدیر عربی کلیات :	مولوی محمد ایوب ندوی	دعوہ دوم	معاون: مولوی عبدالوہاب لغہ دوم
مدیر معمار :	محمد عمران	دورۂ حدیث	نائب :مرشد عالم دورۂ حدیث
			معاون : محمد حارث ششم عربی
مدیر ماہنامہ "صبح نو" اردو	مولوی محب اللہ	شریعہ دوم	نائب : مولوی نظام الدین شریعہ دوم
مدیر ماہنامہ "رضوان" اردو	محمد عمران	دورۂ حدیث	نائب : یونس انصاری دورۂ حدیث
مدیر" النهضة الاسلامیه "عربی	محمد ایوب ندوی	دعوہ دوم	نائب :مولوی آصف الدولہ سہیلی لغہ اولی
ناظم کتب خانہ انجمن الفلاح	محمد عمران	دورۂ حدیث	نائب : محمد سلیمان دورۂ حدیث
معاونین: انصار اللہ ہفتم	عبدالرحیم	ششم عربی	
امیر دعوت و تبلیغ :	مولوی محمد شمیم احمد	شریعہ دوم	نائب مولوی زکریا شریعہ اول
معاونین: دلشاد احمد پنجم عربی	طفیل احمد	چہارم عربی	ظہیر صادق سوم عربی
مجاہد الاسلام سوم عربی	عبدالمنان	حفظ	مظہر حسین " حفظ

انجمن کا افتتاحی پروگرام

۱۳/ ذوقعدہ بعد نماز مغرب سمینار ہال میں انجمن الفلاح کا افتتاحیہ پروگرام منعقد ہوا جس میں عربی درجات کے تمام طلبہ بشمول کلیات اور شعبہ حفظ جمیع طلبہ نے شرکت کی قرأت و نعت شریف کے بعد ذمہ داران طلبہ انجمن الفلاح کے ناموں کی فہرست سنائی گئیں اس کے بعد مولانا احمد عبدالمجیب صاحب قاسمی ندوی استاذ حدیث جامعہ ھذا نے طلبہ سے خطاب فرمایا اور قلم و قرطاس کی اہمت وافادیت پر فاضلانہ روشنی ڈالی۔ حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی استاذ حدیث وصدر کلیۃ الشریعہ جامعہ ھذا و نگران اعلیٰ انجمن الفلاح نے اپنے ارشادات عالیہ سے نوازا اور ذمہ داران طلبہ انجمن الفلاح سے بحسن و خوبی اپنی ذمہ داریاں کو نبھانے کی طرف توجہ دلائی اور دیگر تمام طلبہ کو انجمن میں پوری دلچسپی کے ساتھ شرکت کی تلقین فرمائی حضرت مولانا محمد برکت اللہ صاحب قاسمی صدر المدرسین جامعہ ھذا نے اپنے بصیرت افروز کلمات اور ضروری مفید باتوں سے نوازا اور اخیر میں حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاب دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا اور تقریر و تحریر کی اہمیت اور اس کی افادیت پر رہنمایانہ خطوط سے آگاہ فرمایا حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قاسمی نائب شیخ الحدیث کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا اور پھر کل انجمن کا ہفتہ واری پروگرام بعد نماز ظہر ۱۳/ ذوقعدہ سے باضابطہ طور پر شروع ہو گیا۔

انجمن الفلاح کے تقریری پروگرام کو ۱۳/ گروپ میں تقسیم کیا گیا اور ہر گروپ میں ۳۰/ ۳۵/ طلبہ کی

تعداد رکھی گئی اور یہ ہفتہ واری پروگرام حضرات اساتذہ کرام کی نگرانی میں پوری پابندی کے ساتھ چلتے رہے اور طلبہ پورے جوش و خروش کے ساتھ ان میں شرکت کرتے رہے ان پروگراموں سے طلبہ کی تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں کافی مدد ملی۔

مسابقتی پروگراموں میں طلبہ کی شرکت

طلبہ جامعہ نے اپنی تحریری تقریری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے لئے شہر حیدر آباد اور بیرون شہر کے ہونے والے مختلف مسابقتی انعامی تقابلی پروگراموں میں بھی حصہ لیا مثلاً اندرون شہر لجنۃ العلماء کے تحت ہونے والے تقابلی پروگرام میں کثیر تعداد میں طلبہ شریک ہوئے اور امتیازی پوزیشن حاصل کی اسی طرح جماعت اسلامی کے تحت ہونے والے مسابقتی پروگرام میں بھی حصہ لیا اور پوزیشن حاصل کی ..... بیرون شہر دہلی میں سعودی سفارت خانہ کی جانب سے حفظ قرآن اور حفظ احادیث کی تقابلی پروگرام میں ہندونیپال کی مشہور اور بڑے بڑے مدارس دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلما لکھنؤ کے طلبہ نے حصہ لیا ہماری جامعہ سے بھی چار طلبہ شریک ہوئے اور الحمد اللہ وہاں بھی کامیابی ملی اور پوزیشن حاصل کی

لائبریری

انجمن الفلاح کی ایک اپنی مستقل لائبریری بھی ہے جس میں عمدہ کتابوں کا منتخب ذخیرہ ہے طلبہ برابر اس لائبریری سے اپنی تقریری تحریری مطالعاتی اور عملی پیاس کو بجھاتے ہیں۔

دیواری پرچے

جامعہ میں یوں تو ہر سال ہی طلبہ اپنے تحریری ذوق و شوق کا مظاہرہ انجمن الفلاح طلبہ جامعہ کے اردو ترجمان دیواری پرچہ معمار اور عربی ترجمان النھضۃ الاسلامیہ کی شکل میں کرتے ہیں مگر امسال مضامین کی کثرت طلبہ کی دلچسپی اور ذوق و شوق کی بنا پر حضرت نگران اعلی کی خواہش اور حضرت ناظم جامعہ کی اجازت سے نئے دیواری پرچوں کا اجراء کیا گیا جو انجمن کی ترقی اور جامعہ میں نئے علمی ماحول کی خوشگوار علامت تھی ان پرچوں کے ناموں کا انتخاب نگرانی اعلی طلبہ انجمن الفلاح حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی نے فرمایا طلبہ کلیات کا ترجمان ''صبح نو'' اور طلبہ دورۂ حدیث کا ترجمانِ رضوان سے موسوم کیا الحمد للہ ''معمار'' ''رضوان'' ''صبح نو'' زیر سرپرستی حضرت مولانا رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم اور زیر نگرانی حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی پورے حسن و جمال اور وقار و معیار کے ساتھ ہر ماہ پوری پابندی کے ساتھ آویزاں ہوتے رہیں جس شخص کی نگاہ پڑتی وہ ان کی کشش کو دیکھ کر دو چار حرف پڑھے بغیر نہ رہتا معزز مہمانان کرام بھی اسے وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے

اور مسرت کا اظہار فرماتے اسی طرح عربی پرچہ "النهضة الاسلامیه" بھی زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب دامت برکاتہم اور زیر نگرانی حضرت مولانا خورشید انور صاحب ندوی مدنی اور مولانا رحمت اللہ صاحب رشادی ہر ماہ منظر عام پر آتا رہا۔

مشاورتی اجلاس

سال رواں انجمن الفلاح سے شائع ہونے والے سالنامہ کے متعلق ایک عمومی مشاورتی میٹنگ منعقد ہوئی تمام طلبہ اس میٹنگ میں شریک ہوئے حضرات اساتذہ نے بھی شرکت فرمائی مولانا مفتی محمد اظہار صاحب قاسمی مولانا خورشید انور صاحب مدنی اور باہر سے تشریف لائے ہوئے مہمان حضرت مولانا ہارون الرشید صاحب مدظلہ العالی سابق صدر المدرسین رحمانیہ سپول دربھنگہ بہار نے طلبہ سے خطاب فرمایا اور سالنامہ سے متعلق ضروری امور کی طرف اشارہ فرمایا مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی نگران اعلی طلبہ انجمن الفلاح نے اخیر میں شائع ہونے والے سالنامہ کے متعلق اور اس کے مضامین کے سلسلہ میں ضروری ہدایات دیں اور اس کی متعلقہ کتابوں کی رہنمائی فرمائی مولانا محمد ثوبان اعظم صاحب قاسمی استاذ جامعہ کی دعا پر اس مشاورتی اجلاس کا اختتام عمل میں آیا۔

○ گذشتہ کئی سال سے انجمن الفلاح طلبہ جامعہ کا ترجمان "معمار" شائع نہ ہو سکا تھا الحمد للہ اس سال زرین سلسلہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق بھی شروع ہوا جو ایک حوصلہ افزاء اور نا قابل ستائش قدم ہے۔

اور جو جامعہ کے اولوالعزم طلبہ کی کدو کاوش اور استاذ محترم حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب کی بے پناہ دلچسپی اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ سالنامہ بھی اپنی سابقہ روایات کے مطابق اھل ذوق و نظر کے معیار پر پورا پورا اترے گا اور اصحاب ذوق ہماری حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہیں اٹھائیں گے۔

○ جامعہ میں سابقہ روایات کے مطابق امسال بھی تقریری تحریری نعتیہ، بیت بازی، مکالمہ کا مسابقتی انعامی دو روزہ سالانہ جلسہ بتاریخ ۱۸/ ۱۹/ رجب المرجب مطابق ۶/ ۷/ اکتوبر بروز ہفتہ اتوار کو ہونا طے پایا ہے یہ مسابقتی پروگرام نسبتاً خصوصی اہتمام کے ساتھ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا جن میں شہر حیدر آباد اور بیرون شہر سے ممتاز علماء کرام شرکت فرمائیں گے۔ اور طلبہ کے علمی و ادبی، ذوقی اور صوتی مظاہرے کا معائنہ فرمائیں گے۔

دعوت و تبلیغ

جامعہ میں تحریری تقریری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سابقہ روایات کے مطابق دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ جاری رہا ہفتہ واری جوڑ اور ششماہی سالانہ چھٹی میں جماعتوں کے نکلنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہر جمعرات کو بعد نماز ظہر پوری پابندی کے ساتھ دو جماعتوں کی روانگی عمل میں آتی رہی ایک جماعت

شہر کی سمت روانہ ہوتی اور شہر کے مختلف مقامات اور محلوں میں دعوتی خدمات انجام دیتی تو دوسری جماعت جامعہ کے اطراف میں دینی فیض پہنچاتی اس طرح پورے سال مکمل اخلاص و دلجمعی کے ساتھ طلبہ کرام نے دعوتی خدمات انجام دیں۔ تعطیلات میں بھی طلبہ کی کئی بڑی جماعتیں نکلیں اس سلسلہ میں شہر کے تبلیغی مرکز ملے پلی سے بھی مکمل ربط رہا اور وہاں کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہر ماہ قمری تاریخ کے اعتبار سے طلبہ دینی مدارس کے جوڑ میں جامعہ سے قریب ۲۰/ ۲۵ کی تعداد میں طلبہ مرکز ملے پلی ہمیشہ شریک ہوئے اور رات قیام کے بعد صبح سویرے جامعہ واپس ہو گئے۔

جامعہ میں ہر چہار شنبہ بعد نماز مغرب جامعہ کی دونوں مسجدوں مسجد عمر بن خطابؓ، اور مسجد ارقمؓ، میں ہفتہ واری دعوتی اجتماع بھی پابندی سے منعقد ہوا جس میں حضرات اساتذہ کرام کے خطابات سے طلبہ کافی مستفیض ہوئے جامعہ میں شہر اور بیرون شہر سے مختلف جماعتیں بھی آئیں اور جلسہ میں دعوتی عنوان پر بیانات ہوئے غرض جامعہ میں دوسرے سال کی طرح امسال بھی دعوتی سرگرمیاں پوری قوت اور پختگی کے ساتھ جاری رہیں۔ جس کے لئے ہم خداوند قدوس کے بہت بہت شکر گذار ہیں کہ اسی کی توفیق سے ہم اس سرگرمیوں کے لائق ہو سکے۔

جامعہ میں بزرگوں کی آمد

جامعہ کا خاص امتیاز ہے کہ یہ ملک کے اکابر علماء اور مشائخ کی توجہات کا مرکز رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں ہمیشہ بڑے بڑے علماء کرام بزرگان دین اور اکابر امت تشریف لاتے رہے ہیں اور طلبہ ان سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ سال رواں بھی جامعہ میں متعدد اکابر تشریف لائے جن میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنو حضرت مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب دامت برکاتہم خازن مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولان سلمان صاحب مدظلہ العالی ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکی صدر جمعیۃ العلماء اڑیسہ حضرت مولانا عمید الزماں کیروانوی کارگزار نائب صدر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی صدر تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا بدر الحسن صاحب قاسمی (مقیم کویت) حضرت مولانا قاضی محمد قاسم صاحب شیخ الحدیث و صدر المدرسین مدرسہ رحمانیہ سپول دربھنگہ حضرت مولانا ابو بکر غازی پوری صاحب (مدیر ماہنامہ زمزم) حضرت مولانا سلمان منصور پوری صاحب قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں کے خطاب عالیہ سے ہم طلبہ نے استفادہ کیا۔

اہم محاضرات اور علمی خطابات

جامعہ کی ایک حسین روایت یہ رہی ہے کہ ایک طرف یہاں یہ حال ہے کہ یہاں پڑھنے والے طلبہ نہ

صرف یہ کہ درس و تدریس اور تحریر و تقریر میں ماہر ہوں بلکہ بہ مختلف انواع جدید ترین مسائل و حالات سے بھی واقف ہوں اسی مقصد کے پیش نظر جامعہ کے ذمہ داروں نے محاضرات کا ایک سلسلہ بھی قائم کیا جو دراصل درسیات کا ہی ایک حصہ ہے ان محاضرات میں کوشش کی جاتی ہے کہ متعلقہ موضوع پر شرعی علمی اور تاریخی ہر لحاظ سے ضروری تفصیلات آجائیں۔

ہر سال کی طرح امسال بھی جامعہ میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین نے اپنے علم و مطالعہ کی روشنی میں مختلف جدید موضوعات پر محاضرات دیئے جو گوشِ دل سے سنے گئے اور جامعہ کے طلبہ نے اس کا نوٹ بھی تیار کیا۔ اور موضوع کے مختلف گوشوں پر سوالات بھی کئے جن کی وضاحتیں کی گئیں

(۱) سال رواں پہلا سمپوزیم ماحولیات کے موضوع پر جامعہ کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا ۔اس سمپوزیم کی صدارت عربی کے مشہور صاحب قلم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنو نے فرمائی مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہ العالی نے بھی اپنی تشریف آوری سے جلسہ کو رونق بخشا محقق پروفیسر شمیم جیراجپوری صاحب وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے ماحولیات کے موضوع پر اظہار خیال کیا اور بڑی اہم اور وقیع باتیں طلبہ کے سامنے رکھیں آخر میں صدر مجلس حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ آج ساری دنیا بالخصوص مغربی ممالک ماحولیاتی آلودگی کا رونا رو رہے ہیں۔اور مشرقی ممالک کو اس کا ذمہ دار بنا رہے ہیں حالانکہ مغرب خود اس کا اصل ذمہ دار ہے اس کے نیوکلیر اور جدید ترین اسلحوں کی وجہ سے ماحولیاتی آلودگی میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ یہ آج ساری دنیا کے لئے ایک چیلنج بن گیا ہے یہاں تک کہ OZONE میں سوراخ ہو گیا حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی دعا پر اس سمپوزیم کا اختتام عمل میں آیا

(۲) جامعہ کے معتمد تعلیمات حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب دامت برکاتہم مقیم کویت نے حیدر آباد آمد کے موقع پر اختصاص اور فقہ و حدیث سے متعلق متعدد علمی موضوعات پر انتہائی اہم اور وقیع محاضرے دیئے۔جو طلبہ کے لئے بیحد مفید ثابت ہوئے۔

(۳) حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکی نے اپنے خاص موضوعات قادیانیت پر محاضرہ دیا اور اپنی تقریر میں قادنیت کی فتنہ سامانیوں منظم سازشوں اور ان کے خفیہ منشور کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ مولانا موصوف نے اس پر روشنی ڈالی کہ ہندوستان کے مختلف پسماندہ خطوں میں وہ کس طرح اپنے افراد بھیجتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو مختلف قسم کی لالچ دے کر ان کے ایمان کا سودا کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ آندھرا پردیش کے

اضلاع بالخصوص اس کی لپیٹ میں ہیں اس لئے یہاں کے باشندوں کو اس سلسلہ میں ایک منظم اور باقاعدہ کوشش کرنی چاہئے اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش صرف کرنی چاہئے

(۴) ڈاکٹر مولانا حسنین احمد صاحب قاسمی ندوی لکچرر ڈیفنس کالج (ابو ظہبی) نے بھی کریڈٹ کارڈ اسٹاک ایکسچینج شیرز مارکٹ اور منشیات جیسے اہم اور سلگتے ہوئے موضوعات پر کئی محاضرے دیئے مولانا نے ان موضوعات پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ اپنا مطالعہ و تحقیق پیش فرمایا مولانا موصوف نے اپنے محاضرے میں بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ آج معیشت اور اقتصادیات کی مکمل باگ ڈور ایک ایسے قوم کے ہاتھ میں ہے جو خدا بیزار ہے اور اس شعبہ میں ہم مسلمان مکمل طور پر اس کے محتاج اور مرہون منت ہیں اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم ماہرین معاشیات دنیا کے سامنے اور بالخصوص عالم اسلام کے سامنے اس کا متبادل پیش کریں تاکہ دنیا اس سودی اور غیر اسلامی نظام سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

(۵) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سپول دربھنگہ نے عصر حاضر میں افتاء و قضا کی اہمیت پر انتہائی مؤثر اور علمی محاضرہ دیا مولانا ایک صاحب نسبت بزرگ ہیں، ان کی تقریر نسبت علم اور نسبت باطن دونوں کی جامع تھی۔

(۵) احمد شکیب صاحب مقیم لندن نے اردو دبستاں در دبستاں کے موضوع پر اہم ترین لکچر دیا جسمیں ڈاکٹر صاحب نے اردو کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لیا۔ اردو کے مختلف دبستانوں کا بھی تذکرہ کیا انہوں نے بطور خاص لکھنو، دہلی، حیدر آباد، اور لاہور کا نام لیا اور ہر دبستاں کی ضروری خصوصیات بھی شعری اور نثری حوالوں سے بیان فرمائیں اس جلسہ کی صدارت پروفیسر افضل صاحب وائس شانسلر ڈاکٹر بی آر امیڈکر اوپن یونیورسیٹی نے کی۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی محاضرے جامعہ میں ہوئے جن سے طلبہ نے فائدہ اٹھایا۔ ہم اپنے تمام محاضرین کے بھی شکر گذار ہیں جن کے علمی تحقیقات سے ہم نے استفادہ کیا۔

○ ہم ناظم جامعہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی دامت برکاتہم کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ جن کی مشفقانہ سرپرستی اور خصوصی دلچسپی سے ہمیں بہت کچھ کرنے کے مواقع حاصل ہوئے اسی طرح جامعہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد برکت اللہ صاحب قاسمی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں آپ نے ہماری بہت سی مشکلات کو آسان فرمایا اور اپنے نگران اعلی طلبہ انجمن الفلاح حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی کے بھی بے حد مشکور ہیں جن کی علمی سرپرستی میں ہمارا یہ قلمی اور لسانی کارواں اپنی منزل طے کرتا رہا نیز ہم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قاسمی حضرت مولانا مصطفیٰ مفتاحی صاحب حضرت مولانا مفتی عبد الودود

صاحب مظاہری مولانا سیف اللہ صاحب قاسمی مولانا خورشید انور صاحب مدنی نگران عربی پروگرام مولانا یٰسین صاحب قاسمی مولانا مفتی اظہار صاحب قاسمی مولانا مفتی شکیل احمد صاحب قاسمی مولانا رحمت اللہ صاحب رشادی مولانا احمد عبد المجیب صاحب قاسمی مولانا محمد ثوبان اعظم صاحب قاسمی اور تمام اساتذۂ جامعہ کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہر مرحلہ پر ہماری رہنمائی فرمائی اور اپنے مفید مشورے سے ہمیں نوازا اسی طرح ہم اپنے تمام ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے ذوق و شوق اور جزبہ و لگن نے انجمن کو زندہ و تابندہ رکھا اور جن کے خون جگر کی آمیزش نے ہمارے پرچوں کو رونق بہار بخشی

فجزاهم الله خيرا الجزا

☆☆☆

☆☆

☆

دارالعلوم کی عظیم مسجد "جامع عمر بن الخطابؓ"

محسن لائبریری